حق و باطل

(ناول)

(سرزمینِ عرب کی ایک لرزہ خیز تاریخی داستان)

رئیس احمد جعفری

(جملہ حقوق محفوظ)

طبع اوّل

ناشر
کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور

مطبوعہ، علمی پریس، لاہور
باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
چراغِ مُصطفوی سے شرارِ بولہبی

یہ

حجاج بن یوسف کی داستان ہے، جو زندگی بھر
بے گناہوں، بے قصوروں، اور پاک سرشت
لوگوں کے خُون سے ہولی کھیلتا رہا!

یہ

عبداللہ ابن زبیر کی داستان استقامت و
و عزیمت ہے، جنہوں نے، زندگی کی آخری سانس
اور خُون کے آخری قطرہ تک، باطل سے
جہاد رکھّا!

یہ

عبدالملک بن مروان کے عہدِ ظلم و شقاوت کی داستان ہے، جس کا وظیفہ تختِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے قرآن تھا، اور تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد، ایک موقع پر، برسرِ منبر جب ایک حق پسند نے، خدا کا نام لے کر اُسے ڈرایا، تو اس نے بے جھجک خانۂ خدا میں بیٹھ کر، مسلمانوں کے بھرے مجمع میں اعلان کیا:

"آج سے جو خدا یا قرآن کا نام
لے کر مجھے ٹوکے گا، اُس کی گردن
اُڑا دوں گا!"

یہ

اُن گمنام لیکن سرفروش مُسلمانوں کی داستان
ہے، جو نہ باطل کے جاہ و جلال سے مرعوب
ہوئے، نہ اُس کی قوت و طاقت کے سامنے
جُھکے، نہ اُس کے مال و دَولت کی طرف
اُنہوں نے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا، یہ مَردانہ وار
اُس وقت میدانِ جہاد میں کُود پڑے، جب
بڑے بڑے میدان کار، بد دل، مایُوس،
اور مرعوب ہو کر گوشۂ اعتکاف میں پناہ گزیں
ہو گئے تھے!

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی، محوِ تماشائے لبِ ابھی!

یہ

بڑی خُوں چکاں، بڑی عبرت انگیز، اور بے حد تہلکہ خیز داستان ہے، جسے تاریخ نے اپنے اوراق میں سمیٹ لیا، اور یہ غیر فانی بن گئی، ——— لیکن کیا مُسلمانوں نے اسے یاد بھی رکھا؟ ——— مقصد یہی ہے کہ یہ بھُولی بسری داستان دل و دماغ پر تازہ ہو جائے!

گاہے گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

اور یہ

دو دھڑکتے ہوئے دِلوں کی داستان بھی ہے، جن کی محبّت پاک، اور بے داغ تھی، اور حق کے راستہ میں جو اپنی محبّت کی بھینٹ بھی چڑھا سکتے تھے!

★

رئیس احمدؔ جعفری
ایڈیٹر ماہنامہ "ریاض" کراچی
۲۷ دسمبر ۱۹۵۳ء

(۱)

طمانچہ

وہ اپنے قبیلہ کی آنکھ کا تارا تھی!

عائشہ بڑی خوبصورت تھی، قبیلہ کے نوجوان اس پر ہزار جان سے فریفتہ تھے، منچلے شاعر، اپنے اشعار میں، اس کے حُسن وجمال، اور رعنائی وزیبائی کا ذکر بڑے رس بھرے الفاظ میں کرتے تھے، لیکن کسی میں ہمّت نہ تھی، کہ اُس سے عشق کا اظہار کر سکے، اس کی آنکھوں میں اس بلا کا وقار، اور اس کی تیکھی چتون میں اس غضب کا جلال سمویا ہوا تھا، کہ آنکھ سے آنکھ چار کرنے کی ہمّت بھی کسی میں نہیں ہوتی تھی، وہ آزادی سے اپنے قبیلہ میں گھومتی تھی، بے پروائی کے ساتھ گھاٹ پر اپنی سکھیوں اور سہیلیوں کے ساتھ پانی لینے جاتی تھی، وہ گھنٹوں اور پہر دن نخلستان کے کسی سرسبز اور دلکش مقام پر بیٹھ کر اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی، لیکن وہ جہاں بھی بیٹھ جاتی تھی، پھر کوئی اس طرف کا رُخ نہیں کرتا تھا۔

خلیل، شیخ قبیلہ کا لڑکا تھا، بڑا منچلا، اور نظر باز، وہ اتنا ہی بہادر تھا، جتنا ایک عرب نوجوان ہو سکتا تھا، وہ کبھی کبھی ترچھی نظروں سے عائشہ کو دیکھ لیا کرتا تھا، اس دزدیدہ نگاہی کا مطلب یہ تھا کہ ہم تم سے محبّت کرتے ہیں، لیکن عائشہ کی حقارت بھری نگاہیں اس کا

حوصلہ پست کردیتی تھیں، کبھی کبھی تو اسے غصہ آجاتا تھا کہ یہ لڑکی آخر اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے؟ وہ دیکھتا تھا، سارا قبیلہ اس کے حکم کے آگے سر جھکاتا ہے، کسی میں ہمّت نہیں کہ اس سے سرتابی کرسکے، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، جو اس کی مرضی ہوتی ہے اس کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کرسکتا، وہ جس کی طرف مسکرا کر دیکھ لیتا ہے، وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگتا ہے، وہ جس سے برہم ہوجاتا ہے اس پر دُنیا تنگ ہوجاتی ہے، لیکن عائشہ؟ ——— یہ اپنے آپ کو سب سے الگ کیوں سمجھتی ہے؟ ——— یہ اگر میرے تبسّم کو نہیں گوارا کرسکتی تو کیا میری نگاہ غضب کی تاب لاسکے گی؟ ٹھہر سکے گی میرے مقابلہ پر؟

اور یہ سوچ کر، جب وہ پھر ایک نظر عائشہ پر ڈالتا تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے عائشہ کہہ رہی ہے،

ایاز قدرِ خود بشناسی!

پھر وہ خود اپنی نظروں میں ہیچ نظر آنے لگتا، اپنا وجود اسے حقیر معلوم ہونے لگتا، وہ کچھ شرمندہ سا ہوجاتا تھا، اس کا جی چاہتا، یا وہ اس قبیلہ سے بھاگ کر کہیں روپوش ہوجائے، یا عائشہ کے خاندان کو یہاں سے کہیں اور چلا جانے پر مجبور کردے، ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، ——— اور ایک قبیلہ میں دو سردار بھی نہیں رہ سکتے، میں قبیلہ کے سردار کا بیٹا ہوں، اور وہ ایک معمولی شخص کی لڑکی، اسے میرے سامنے جھکنا پڑے گا، وہ مجبور رہے کہ میری پذیرائی کرے، وہ اگر زندہ رہنا چاہتی ہے تو مجھ سے الگ رہ کر، زندہ نہیں رہ سکتی۔

عائشہ حسب معمول، ایک پُرفضا جگہ پر اپنی بکریاں چرا رہی تھی، حسب معمول خلیل ادھر سے گزرا، اُسنے ایک نظر عائشہ پر ڈالی، عائشہ نے، اپنے اصول کے مطابق اس کی

ان نگاہوں کا جواب حقارت کی ایک نظر سے دیا، اور اپنے کام میں لگ گئی۔

خلیل ضبط نہ کرسکا، غصّہ سے بیتاب ہوکر وہ آگے بڑھا، اس نے کہا،

"عائشہ ———"

عائشہ نے نظر اٹھا کر خلیل کو دیکھا، اور پھر نظریں جھکالیں، گویا وہ کہہ رہی تھی،

——— باادب، باملاحظہ ہوشیار!

خلیل اور قریب آگیا، اس نے کہا،

"عائشہ تم جانتی ہو، میں کون ہوں؟"

عائشہ نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا،

"جانتی ہوں، آپ کا نام خلیل ہے، آپ ہمارے قبیلہ کے سردار نعمان کے اکلوتے اور چہیتے بیٹے ہیں!"

خلیل نے ذرا بلند آواز سے کہا،

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں بڑا منچلا آدمی ہوں، بڑا ضدّی، اور ہٹیلا، جس بات کا فیصلہ کر لیتا ہوں، اس سے دنیا کی کوئی طاقت مجھے منحرف نہیں کرسکتی، میری مرضی، فیصلہ ہے، حکم ہے، قانون ہے، جو کچھ میں چاہتا ہوں ہو کر رہتا ہے، جو میری مرضی ہوتی ہے، اسے پورا ہونا ہی پڑتا ہے، آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں کوئی بات چاہوں، اور وہ نہ ہوئی ہو، میں نے کسی بات کا پختہ ارادہ کر لیا ہو، اور وہ ناکام رہا ہو، ——— میں خلیل ہوں نعمان کا بیٹا!"

عائشہ بیٹھے بیٹھے اُٹھ کھڑی ہوئی، اس نے ایک تیز نظر خلیل پر ڈالی، اور کہا،

"آپ نے جو کچھ کہا، میں نے سُن لیا، لیکن اس گفتگو سے آپ کا مطلب کیا ہے،"

یہ میں بالکل نہ سمجھ سکی!"

خلیل نے اور زیادہ آشفتہ سری کے ساتھ دریافت کیا،

"میں اتنا کچھ کہہ گیا، لیکن تم کچھ نہ سمجھ سکیں، تمہیں اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا، کہ میں چاہتا کیا ہوں؟"

عائشہ نے بہت مختصر سا جواب دیا،

"نہیں، بالکل نہیں!"

خلیل نے سمجھانے کے لہجہ میں کہا،

"میں چاہتا ہوں تم مجھ سے ملا کرو!"

وہ بولی،

"کیوں؟ کس لئے؟"

خلیل نے تلملا کر کہا،

"میری مرضی ہے کہ ہم اور تم ایک دوسرے سے بے تکلف ہو جائیں، ایک دوسرے کے محرم راز بن جائیں!"

عائشہ نے جواب دیا،

"محرم راز؟ ——— میرا کوئی راز ایسا نہیں جس کے لئے مجھے محرم اور دمساز و ہمدرد کی ضرورت ہو!"

خلیل نے سمجھوتہ کرنا چاہا،

"اونہہ، ——— تم بہت ناسمجھ ہو، ارے بھئی مختصر یہ کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم بھی میری محبت کا جواب محبت سے دیا کرو!"

عائشہ نے سنجیدگی سے پوچھا،

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"

خلیل نے اقرار کر لیا،

"ہاں، بہت زیادہ"

عائشہ،

"آپ مجھ سے جواب چاہتے ہیں؟"

خلیل،

"بے شک، اسی پر میری خوشگوار زندگی کے خوشگوار مستقبل کا دار و مدار ہے، بتاؤ عائشہ کیا تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

عائشہ دو قدم چل کر اور قریب آ گئی، اب وہ خلیل کے بالکل سامنے کھڑی تھی، خلیل کا غصہ رفع ہو گیا، اس پر رومانی کیفیت طاری ہو گئی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس نے بڑے عاشقانہ لہجہ میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا،

"عائشہ میری قدر کرو، مجھے پہچانو، مجھے اپنا بنا لو، قبیلہ کی دوسری لڑکیاں، مجھ پر جان دیتی ہیں، وہ اس کی منتظر رہتی ہیں کہ میں ان کی طرف مسکرا کر دیکھوں، میں ان سے میٹھی میٹھی باتیں کروں، میں ان سے محبت کروں، میں ——"

عائشہ نے بڑے وقار کے ساتھ پوچھا،

"یہی آپ مجھ سے بھی چاہتے ہیں؟"

خلیل گھبرا گیا، کچھ سہم سا گیا، اس نے فوراً پلٹا کھایا، اور کہا،

"نہیں، تم میرا مطلب نہیں سمجھیں!"

وہ کہنے لگی،

"اسی لئے تو آپ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی ہوں، کہ آپ جو کچھ کہیں اسے اچھی طرح سن لوں، تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے!"

خلیل نے بیتاب ہو کر کہا،

"کتنی اچھی ہو عائشہ تم! ——— میں ہرگز نہیں چاہتا کہ قبیلہ کی دوسری لڑکیوں کی طرح، تم میرے پیچھے پیچھے گھومو، یہ تمہاری توہین ہے، تم تم ہو، اور وہ وہ، زمین آسمان کا فرق ہے تم میں، اور اُن میں! ———"

عائشہ نے بات کاٹ لی،

"دوسروں کا ذکر چھوڑیئے، کون کیا ہے، مجھے اس سے نہ دلچسپی ہے، نہ اس بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں، آپ جانیں، اور وہ جانیں، میں دوسروں کے معاملات میں نہ دخل دیتی ہوں، نہ ان کا تجسّس کرتی ہوں، صرف یہ بتایئے، آپ مجھ سے کس برتاؤ کی توقع رکھتے ہیں؟"

خلیل نے فوراً کہا،

"محبّت کی، ——— نہیں اگر تم مجھ سے محبّت نہیں کر سکتیں نہ کرو، میں تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتا، اگرچہ کر سکتا ہوں، لیکن کم از کم اتنا تو کرو کہ میری محبّت کو قبول کرو، اسے ٹھکراؤ نہیں، عائشہ تمہیں نہیں معلوم، میں تم سے کتنی بے پناہ محبت کرتا ہوں، دن ہو یا رات، گھر ہو یا صحرا، تنہائی ہو یا مجلس احباب، ہر وقت، ہر جگہ، تمہاری تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی ہے، میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، بہت زیادہ، اتنا زیادہ کہ دنیا میں کوئی شخص بھی میری اتھاہ محبّت کا اندازہ نہیں کر سکتا، عائشہ

تم میری بن جاؤ، تم صرف اس لئے پیدا ہوئی ہو کہ مجھ سے محبّت کرو، میں صرف اس لئے اس دُنیا میں آیا ہوں کہ تم سے محبّت کروں، تمہیں پوجوں، تمہیں چاہوں، اور چاہتا رہوں ـــ"

دفعتًا فضا میں تڑاق کی آواز گونجی!

عائشہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اور خلیل اپنا گال سہلا رہا تھا!

(۲)

ضِدّی بیٹا!

زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ خلیل نے ایک عورت کے ہاتھ کا طمانچہ کھایا!—— لیکن بڑے استقلال اور صبر کے ساتھ اس نے یہ وار سہ لیا، اس نے عائشہ کو کوئی جواب نہیں دیا، اور خاموشی کے ساتھ سامنے سے ٹل گیا!

خلیل سیدھا اپنے گھر پہنچا، ماں اس کے انتظار میں کھانا لئے بیٹھی تھی، خلیل کو دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، اس نے بڑے محبّت بھرے لہجہ میں کہا،

"میرے بچّہ کہاں رہ گیا تھا تو؟—— انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئیں،—— میرے بچّے آ، کھانا کھالے، دیکھ تیری وجہ سے میں نے بھی نہیں کھایا، صبح سے یونہی بھوکی بیٹھی ہوں!"

اس طویل تقریر کا خلیل نے بہت سرد سا اور مختصر سا جواب دیا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا!"

ماں بیقرار ہو گئی،

"کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے؟ کیا بات ہے؟ کیوں نہیں کھائے گا؟"

خلیل نے کہا،

" میں نے قسم کھالی ہے "

ماں تڑپ گئی !

" قسم؟ کاہے کی قسم کھالی ہے ؟ کھانا نہ کھانے کی ؟ "

خلیل نے جواب دیا،

" ہاں، کھانا نہ کھانے کی !"

ماں نے بیقراری سے پوچھا،

" کیوں ؟ کس سے خفا ہوگیا تو ؟"

خلیل کے منہ سے نکلا،

" اپنی قسمت سے، اپنے نصیب سے "

ماں کا دل دھڑکنے لگا،

" خدا نہ کرے، تجھ سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوگا ؟ تو قبیلہ کے سردار نعمان کا اکلوتا اور چہیتا لڑکا ہے، قبیلہ کے دوسرے نوجوان رشک کرتے ہیں، تیری عزت اور رتبہ پر "

خلیل نے روٹھے لہجہ میں کہا،

" کرتے ہوں گے "

ماں نے پھر پوچھا،

" آخر، یک بیک کیا ہوگیا ہے تجھے کہ قسمت اور نصیب کا رونا لے کر بیٹھ گیا "

خلیل نے آہ بھر کر کہا،

" اس لئے کہ بدقسمت اور بدنصیب ہوں "

ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"پھر وہی، اب اگر تیری زبان سے یہ لفظ نکلے تو میں رونے لگوں گی!"

خلیل نے جوتشی کی طرح کہا،

"رونا تو تمہیں پڑے گا، چاہے آج رو لو، چاہے چند روز بعد۔"

ماں واقعی رونے لگی، اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا،

"میرے بچّے میں تجھ پر قربان، جب تک تیرا باپ زندہ ہے، اور تو صحیح سلامت ہے، میں کیوں رونے لگی!"

خلیل نے پھر وار کیا،

"میری دعا ہے کہ ابّا بہت دن تک زندہ رہیں"

ماں کے دل پر تیر لگا،

"اور تو؟"

خلیل،

"میں نے تو نہ زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

ماں،

"اسی لئے تو فاقہ کر رہا ہے؟"

خلیل،

"ہاں، اسی لئے"

ماں،

"لیکن بات کیا ہوئی کچھ تو کہہ"

خلیل،

" میں فاقہ کرتے کرتے جان دے دوں گا۔"

ماں،

" لیکن کیوں؟ اگر وہ بات پوری ہو جائے، جس کے لئے تو فاقہ کر رہا ہے پھر؟"

خلیل،

" پھر کھانا کھا لوں گا، پھر زندہ رہوں گا، پھر اگر موت میرے قریب بھی آئی تو اس سے کشتی لڑوں گا، اور دھکیل کر نکال دوں گا اس گھر سے !"

ماں کا غم نصیب دل خوش ہو گیا، اس نے اپنے بیٹے کی بلائیں لیں، اور کہا،

" تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ جو تو مانگے گا میں دوں گی، تیرے لئے، آسمان کے تارے توڑ کر لاؤں گی، میرے بچے !"

خلیل،

" آسمان کے تاروں کی مجھے ضرورت نہیں، میں تو اس زمین کا ایک پھول چاہتا ہوں!"

ماں،

" وہ ملے گا! ضرور ملے گا!"

خلیل،

" لیکن کب؟ ——— کب ملے گا؟"

ماں،

" جب تو چاہے"

خلیل،

"جب تک وہ پھول نہیں مل جاتا، ایک لقمہ بھی میرے منہ میں نہ جائے گا، خواہ ایکدن لگ جائے، خواہ ایک مہینہ"

ماں کہنے لگی،

"لیکن وہ کون پھول ہے، اتنا تو بتادے میرے بچّے!"

خلیل نے جواب دیا،

"اس پھول کا نام ہے عائشہ!"

ماں نے سوال کیا،

"عائشہ، عائشہ؟ وہ؟"

خلیل،

"ہاں، وہی، ——— کہہ دو، وہ نہیں مل سکتی، کہہ دو!"

ماں،

"کیوں کہہ دوں؟ وہ ملے گی، ضرور ملے گی، تجھ سے بڑھ کر اس کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟"

خلیل،

"بس تو جس دن وہ تمہاری بہو بن کر اس گھر میں آئے گی، اسی دن کھانا کھاؤں گا اس سے پہلے ہرگز اور کسی قیمت پر نہیں!"

ماں،

"بیٹے، میں نے تیری بات مان لی، میں تیری ضد پوری کروں گی، تو اطمینان رکھ، اور یقین کرلے تیری آرزو پوری ہو گئی۔"

خلیل،

" اماں، یہ نہیں ہوسکتا، میں نے بڑا سخت عہد کیا ہے، بڑی پختہ قسم کھائی ہے، جب تک عائشہ اس گھر میں تمہاری بہو بن کر نہیں آجائے گی، اس وقت تک ایک دانہ بھی اڑ کر میرے منہ تک نہیں جاسکتا!"

ماں،

" لیکن میرے بچےّ ذرا چھری تلے دم تو لے، ذرا مجھے مہلت تو دے، کچھ صبر تو کر"

خلیل،

" میں صبر کروں گا، میں انتظار کروں گا، جتنی مہلت تم چاہو دوں گا، میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، تم اطمینان سے اپنا کام کرو، کوشش کرو، لیکن ——— "

ماں،

" کھانا نہیں کھائےگا کیوں ؟"

خلیل نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

" ہاں، ——— میں قسم کھاچکا ہوں، اور ایک مرد اپنی قسم سے نہیں پھر سکتا، خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے!"

ماں،

" لیکن اس طرح تو تو میرے ہاتھ پاؤں پھلائے دے رہا ہے"

خلیل،

" یہ بتاؤ، تم کتنے روز میں میری یہ بات پوری کر سکو گی،؟"

ماں،

" دو چار دن تو لگ جائیں گے، میں نے مانا کہ عائشہ کا باپ تیرے باپ کا دوست ہے، اس کی ماں، میری بچپن کی سہیلی ہے، لیکن پھر بھی بات کرتے کرتے، معاملہ طے کرتے کرتے، دو چار دن تو لگ ہی جائیں گے، مجھے یقین ہے یہ بات پوری ہوگی، تیری تمنا بر آئے گی، لیکن ــــــ"

خلیل،

" دو چار دن میں کیوں یہی نا؟"

ماں،

" ہاں اور کیا"

خلیل،

" دو چار دن کے فاقے سے کوئی مر نہیں جاتا، میں نوجوان ہوں، تندرست ہوں، دو چار کیا، دس بیس فاقے برداشت کر سکتا ہوں!"

ماں،

" تو اپنی ضد پر اڑا رہے گا؟"

خلیل،

(مسکرا کر) " ہاں! ــــــ آخر کس ماں اور کس باپ کا بیٹا ہوں!"

(۳)

عشق اور شادی!

شام کو نعمان اپنے گھر آیا، بیوی نے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھا، نعمان نے کہا،

"خلیل کہاں ہے؟"

وہ بولی،

"یہیں ہے اپنے خیمہ میں؟"

نعمان،

"تم جانتی ہو سلمیٰ، رات کا کھانا میں تنہا نہیں کھاتا، اس کے ساتھ کھاتا ہوں، جاؤ اسے بلا لاؤ جا کر!"

سلمیٰ،

"لیکن وہ کھانا نہیں کھائے گا"

نعمان،

"کیوں؟ بیمار ہے کچھ؟"

سلمیٰ،

"نہیں بیمار تو نہیں ہے۔"

نعمان،

" پھر کیا بات ہے؟ خفا ہے کسی بات پر ہم سے ؟"

سلمیٰ،

" نہیں آپ سے تو بالکل خفا نہیں ہے"

نعمان،

" تم سے روٹھ گیا ہے کسی بات پر؟"

سلمیٰ،

" نہیں، وہ مجھ سے کبھی نہیں روٹھتا !"

نعمان،

(برہمی کے ساتھ) "پھر کیا بات ہے آخر؟"

" اس نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک عائشہ سے اس کی شادی نہیں ہو جائے گی، کھانا نہیں کھائے گا !"

نعمان،

" اس لغویت کا کیا مطلب ؟"

سلمیٰ،

" بچہ ہی تو ہے کھائی قسم، جانتا ہے، ماں باپ اس کی ضد پوری کرتے ہیں، یہ ضد بھی پوری کر دیں گے، بس اور کیا بات ہے "

نعمان،

" لیکن ضد اپنے معاملہ میں چلتی ہے، دوسروں کے معاملہ میں تو نہیں ؟"

سلمیٰ،

"کیا تمہارا خیال ہے عائشہ اس گھر میں ہماری بہو بن کر نہیں آسکتی!؟"

نعمان،

"اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے"

سلمیٰ،

"اگر تم عائشہ کے باپ سلیمان سے گفتگو نہیں کر سکتے تو صاف صاف کہدو، میں اس کی ماں، عذرا سے جاکر ابھی بات چیت کر لوں گی!"

نعمان،

"سلیمان، اور عذرا سے بات چیت کرنا بہت آسان ہے، لیکن، قرینہ سے، سلیقہ سے!"

سلمیٰ،

"تو میں کب کہتی ہوں، لٹھ مار دو جاکر کھانا کھالو، پھر اطمینان سے جاکر بات چیت کر آؤ، بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ کل ہی کی تاریخ مقرر کردو!"

نعمان،

"کیسی بچوں کی ایسی باتیں کررہی ہو، ایسے معاملات اس طرح چٹ پٹ نہیں طے ہوتے۔"

سلمیٰ،

"پھر کیسے ہوتے ہیں؟"

نعمان،

"آہستہ آہستہ ——— پہلے مجھے عندیہ لینے دو، پھر بات چھیڑوں گا!"

سلمیٰ،

"توجا بھی جکو کسی طرح"

نعمان،

"ہاں جاتا ہوں، لیکن اس لونڈے کو یہ یک بیک ہو کیا گیا، ——— کیا عاشق ہو گیا ہے عائشہ پر؟"

سلمیٰ،

"عاشق نہ ہوتا تو اتنا بڑا عہد کیسے کر ڈالتا"

نعمان،

"خیر، تم کہتی ہو تو میں کوشش تو کروں گا، لیکن ایک بات کی تاکید کرتا ہوں، اس کا ضرور خیال رکھنا۔"

سلمیٰ،

"کون سی بات؟"

نعمان،

خلیل کے عشق کا افسانہ ابھی زبان پر نہ آنے پائے۔"

سلمیٰ،

"یہ کیوں؟ یہ کوئی شرم کی بات تو نہیں فخر کی بات ہے؟"

نعمان،

"ہاں ہو گی، لیکن سلیمان کا مزاج بچپن سے میں جانتا ہوں، اسے اگر بھنک بھی اس عشق و عاشقی کی مل گئی تو یہ کہے دیتا ہوں بنا بنایا کام بگڑ جائے گا!"

سلمیٰ،

" یہ کیا کہہ رہے ہو تم ؟"

نعمان،

" سچ کہتا ہوں، وہ ایسا سرپھرا آدمی ہے کہ کسی قیمت پر بھی پھر راضی نہیں ہوگا، اسے اس بات سے بڑی چڑ ہے، کہ عاشق و معشوق میاں بیوی بنیں، وہ کہتا ہے، عشق، اور شادی میں بیر ہے، یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہونی چاہیئیں، میں جانتا ہوں، وہ، ریحانہ سے اپنی نوجوانی کے زمانہ میں محبت کرتا تھا، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آج بھی اس دنیا میں وہ سب سے زیادہ ریحانہ ہی کو چاہتا ہے، لیکن اس نے ریحانہ سے شادی نہیں کی،"

سلمیٰ،

" نہیں کی؛ واقعی ؟"

نعمان،

" ہاں نہیں کی، حالانکہ خود ریحانہ کے ماں باپ اس کی شرافت، بہادری، اور عالی نسبی کے باعث اس پر فریفتہ تھے، اور اس سے ریحانہ کی شادی کر دینا چاہتے تھے، بلکہ انہوں نے مجھے بیچ میں ڈالا، میں نے بھی اس بے وقوف آدمی پر زور دیا، لیکن اس کی نہیں کو ہاں سے نہ بدل سکا!"

سلمیٰ

" یہ تم نے بڑی عجیب بات بتائی، میں کہتی ہوں، کچھ پاگل تو نہیں ہے وہ ؟"

نعمان،

" پاگل سمجھ لو،——— لیکن ہے اپنی بات کا پکا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، کہ

آدمی کسی کو چاہتا ہو، اس کی یاد میں تارے گنتا ہو، اس کے ایک اشارہ پر گردن کٹا سکتا ہو
لیکن، اسے خود ہی ٹھکرا دے"۔

سلمیٰ،

"تو تم نے سمجھایا نہیں؟"

نعمان،

"خوب سمجھایا، اپنی مثال دی، کہ دیکھو ہم اور سلمیٰ، ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں، او
بڑی خوشی اور مسرّت کے ساتھ میاں بیوی کی زندگی بھی بسر کر رہے ہیں، لیکن وہ نہ مانتا تھا
نہ مانا، اس نے کہا ———"

سلمیٰ،

"کیا کہا اس دیوانے نے؟"

نعمان،

"اس نے کہا، اپنا اپنا اصول ہے، میں شادی کر کے محبّت کو برباد کرنا نہیں چاہتا
شادی محبت کو کچل دیتی ہے"

سلمیٰ،

(ٹھنڈی سانس بھر کر) "بات تو سچ ہے!"

نعمان،

"کیا مطلب؟ ——— واقعی شادی محبت کو کچل دیتی ہے؟"

سلمیٰ،

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اپنے دل سے پوچھو"

نعمان،

"یعنی میری محبت میں اب تم کچھ کمی سی محسوس کرنے لگی ہو، ——— لیکن سلمیٰ عمر کا تقاضہ بھی تو ہوتا ہے، تم پچاس کے قریب ہو گئیں، میں ساٹھ کے پیٹے میں آگیا، اب بھلا وہ عنفوان شباب والی محبت کہاں سے باقی رہ سکتی ہے؟"

سلمیٰ،

"لیکن ابھی تم نے کیا کہا تھا وہ بھول گئے؟"

نعمان،

"کیا کہا تھا؟ بتاؤ"

سلمیٰ،

"یہ کہ سلیمان، ریحانہ سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتا ہے، جتنی پہلے کرتا تھا، آج بھی اس کے ایک اشارہ پر جان قربان کر سکتا ہے، اس کا کہنا کبھی اور کسی قیمت پر نہیں ٹال سکتا۔"

نعمان،

"ہاں کہا تھا، اور غلط نہیں کہا تھا۔"

سلمیٰ،

"تو کیا تم سمجھتے ہو ریحانہ مجھ سے چھوٹی ہے؟ مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے مجھ سے سال چھ مہینے بڑی ہی ہو گی!"

نعمان،

"اچھا بھئی تم جیتیں ہم ہارے ——— اسی لئے تو کہتا ہوں خلیل کو اس جنجال میں نہ پھنساؤ۔"

سلمیٰ:۔ "وہ تو پھنس گیا!"

(۴)
عائشہ کا گھر

کھانے سے فارغ ہو کر، نعمان سیدھا سلیمان کے گھر پہنچا، اس نے دروازہ پر دستک کی، پہلی دستک کا کوئی جواب نہیں ملا، دوسری دستک پر عائشہ آئی، اس نے نعمان کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا، اور دروازہ سے لگ کر الگ کھڑی ہو گئی، نعمان نے دعا دینے کے بعد اس سے کہا،

"بیٹی، میں سلیمان سے ملنے آیا ہوں، کیا وہ ہیں؟"

عائشہ شرماتی ہوئی بولی،

"نہیں تو!"

نعمان،

"کہاں گئے ہیں؟"

عائشہ،

"نہ جانے کہاں گئے ہیں، ——— ہاں یاد آگیا، ریحانہ خالہ کے ہاں گئے ہیں"

نعمان مسکرایا، اس نے کہا،

"تم ریحانہ کو خالہ کس رشتہ سے کہتی ہو؟"

وہ بولی،

"اماں کو انہوں نے بہن بنایا ہے!"

نعمان،

"اچھا یہ بات ہے، ہمیں تو خبر بھی نہیں تھی یہاں یہ رشتہ چل رہا ہے، لیکن ایسے ناوقت سلیمان کے وہاں جانے کا کیا مطلب؟"

عائشہ،

"وہ بیمار ہیں، کئی دن سے!"

نعمان،

"ریحانہ بیمار ہیں؟"

عائشہ،

"جی بہت زیادہ ۔۔۔۔۔۔ شاید ہی بچیں، حالت بہت خراب ہے!"

نعمان،

"ارے، اور ہمیں خبر بھی نہیں"

اتنے میں، عائشہ کو واپس آتا نہ دیکھ کر عذرا دروازے پر آگئی، اسے دیکھ کر عائشہ تو اپنے خیمے میں چلی گئی، اور نعمان و عذرا کی باتیں ہونے لگیں، عذرا نے کہا،

"آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں، آیئے اندر آیئے!"

نعمان،

"ذرا سلیمان سے ملنے آیا تھا، معلوم ہوا وہ ہیں ہی نہیں"

عذرا،

" ہاں وہ تو نہیں ہیں "

نعمان،

" سنا ہے ریحانہ کی طبیعت سخت خراب ہے ؟"

عذرا،

" جی ہاں، بہت سخت، ــــــ وہیں گئے، خدا اچھا کردے بیچاری کو "

نعمان،

" آمین! ــــــ لیکن بڑی دیر ہوگئی، اب تک نہیں آئے۔"

عذرا،

" آتے ہوں گے، ــــــ جب سے وہ بیمار ہوئی ہیں ان کا زیادہ وقت وہیں بسر ہوتا ہے "

نعمان،

" ہونا ہی چاہئے، کیوں نہ ہو آخر ؟"

عذرا،

" آیئے، اندر بیٹھئے، بہت دیر ہوگئی، اب آتے ہی ہوں گے !"

نعمان تو دل سے یہ چاہتا تھا، وہ اندر آکر بیٹھ گیا، اس نے آواز دی،

" بیٹی عائشہ !"

عائشہ فوراً سامنے آگئی، اور مؤدب ہو کر بیٹھ گئی، نعمان نے کہا،

" اس عائشہ سے مجھے اتنی محبّت ہے کہ بیان نہیں کرسکتا ــــــ اب تو یہ خاصی سیانی ہوگئی ہے، ابھی کل کی بات ہے، بالشت بھر کی تھی !"

عائشہ مسکرانے لگی،

عذرا نے کہا،

" قد بڑھ گیا تو کیا ہوا، ہے تو ابھی بچّہ ہی، وہی ضدیں، وہی لڑکپن، وہی بے پروائی، ذرا بھی تو تمیز نہیں آئی، اس چھوکری میں!"

نعمان،

" تو کون سی وہ بڑی بوڑھی ہو گئی ہے، سمجھ آتے آتے آتی ہے، خود تمہارا اس عمر میں کیا حال تھا، یاد ہے؟"

عذرا،

" جی ہاں، یہ بھی یاد ہے، اور سلمیٰ بہن کا اس سِن میں کیا رنگ تھا وہ بھی یاد ہے، ــــــ آپ کو بھی تو یاد ہوگا؟"

نعمان ہنسنے لگا،

" چھوڑو، ان پُرانے قصوں کو، ہم لوگ تو پُرانے ہو گئے، اب تو نئی پود اور نئی نسل ہے ان کی باری ہے!"

عذرا،

" ہاں یہ تو آپ نے ٹھیک کہا، لیکن نئے لوگوں میں وہ آن بان، اور وضعداری کہاں جو پُرانے لوگوں میں تھی!"

نعمان،

" بوڑھے ہونے کے بعد، سب یہی سمجھتے ہیں، ورنہ جیسے ہمارے بزرگ تھے، ویسے ہی ہم ہیں، ویسے ہی ہمارے بیٹے پوتے بھی ہوں گے، یہ کچھ انسان کی فطرت ہی ہے کہ وہ

اپنے بچپن کو جب یاد کرتا ہے تو سمجھتا ہے اس دَور کی ساری خوبیاں اس پر ختم ہو گئیں ، جب اپنے عہد شباب کو یاد کرتا ہے تو خیال کرتا ہے ساری شورشیں صرف اس کے حصہ میں آئی تھیں، اب کوئی ان شورشوں کا حصّہ دار نہیں بن سکتا، اور جب بڑھا ہوتا ہے تو پھر اس کی انانیت اُبھرتی ہے، اور وہ اس خیال خام میں مبتلا ہو جاتا ہے، کہ اس کے بڑھاپے میں جو جاہ و جلال اور وقار رہے، وہ آخری نمونہ ہے، اب یہ نمونہ دُنیا کے پردے پر کبھی اور کہیں نظر نہیں آئے گا ———"

عذرا،

" حالانکہ یہ احمقانہ خیال ہے ؟"

نعمان،

" بالکل، ——— سب یہی سمجھتے ہیں، پہلے ہمارے بڑے یہی سمجھتے تھے، اب ہم یہی سمجھتے ہیں، پھر ہمارے بیٹے یہی سمجھیں گے ! ——— ارے بھئی عائشہ تمہیں تو نیند آنے لگی، زیادہ نیند آ رہی ہو تو جاؤ سو جاؤ جا کر !"

وہ بولی،

" جی نہیں، ذرا جمائی آ گئی تھی، نیند تو بالکل نہیں آ رہی ہے، جب تک ابا جان نہ آجائیں میں سو نہیں سکتی !"

نعمان،

" کیوں یہ پابندی کیسی ؟ ——— بڑا ظالم ہو گیا ہے سلیمان، اتنی سی بچی پر یہ پابندی !"

عائشہ

"جی نہیں، یہ ابا جان کا حکم نہیں ہے، میں خود ایسا کرتی ہوں"

نعمان،

"کیوں؟ —— اس میں کیا مصلحت ہے؟"

عائشہ بولی،

"میری مرضی —— بس اور کیا؟"

یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگی، عذرا نے کہا،

"دونوں باپ بیٹی میں بڑی محبت ہے، ایک دوسرے کو دیکھ کر جیتے ہیں، بات یہ ہے کہ کھانا یہ انہی کے ساتھ کھاتی ہے، دیکھئے اتنی رات آگئی، مگر باپ کے انتظار میں اب تک بھوکی بیٹھی ہے، وہ رات بھر نہ آئیں تو یہ رات بھر نہیں کھائے گی، وہ بھی منع کرتے ہیں، میں بھی سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی، لیکن کوئی نہ مانے تو میں کیا کروں"

نعمان نے محبت بھری نظروں سے عائشہ کو دیکھا اور کہا،

"کیوں بھئی! —— یہ بات ہے؟"

اس نے ایک شرمیلے تبسّم کے ساتھ ماں کی طرف دیکھا، اور گردن جھکالی، عذرا نے کہا،

"میں نے تو اب ان دونوں کے معاملہ میں دخل دینا ہی چھوڑ دیا، مجھے تو بھوک لگی تھی، میں تو کھا بھی چکی، —— ارے ہاں کب تک انتظار کرے کوئی!"

نعمان اٹھ کھڑا ہوا،

"ہاں بھئی انتظار کی حد ہوتی ہے، اب بہت دیر ہوگئی، جاتا ہوں، کل پھر آؤں گا، میاں سے ذکر کر دینا، میں آیا تھا!"

عذرا اور عائشہ نعمان کو دروازے تک پہنچانے آئیں، اس کے جانے کے بعد

عائشہ نے کہا،

"وہ نہ جانے کب آئیں، اب تو کھالے کھانا!"

وہ بولی،

"نہیں کھاؤں گی!"

اور مسکراتی ہوئی چلی گئی!

---

(۵)

اگر ایسا ہوا تو؟

نعمان کے جانے کے بعد، عذرا تو اپنے کام میں لگ گئی، اور عائشہ چپ چاپ جاکر اپنے بستر پر لیٹ گئی، اس کے دل میں بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ نعمان یہاں کیوں آیا تھا؟

آج اس کے اور خلیل کے مابین جو حادثہ گزرا تھا وہ اسے یاد تھا، وہ سوچنے لگی،

کہیں خلیل انتقام تو نہیں لینا چاہتا؟

پھر اس کے ذہن میں خیال آیا،

نعمان شادی کا پیام لے کر تو نہیں آیا تھا؟

وہ جانتی تھی، سلیمان اور نعمان کے تعلقات کتنے گہرے ہیں، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلمیٰ اور عذرا میں کیسی گاڑھی چھنتی ہے، اور یہ سب کچھ جاننے کے بعد، یہ بات بڑی آسانی سے اس کی سمجھ میں آگئی، کہ اگر خلیل نے اپنے والدین کو اکسایا تو وہ ضرور شادی کا پیام بھیج دیں گے، اور پھر اس کا رد کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

تو کیا خلیل اپنے کھیل میں کامیاب ہو گا؟

نعمان چچا اتنے وقت کبھی نہیں آئے تھے؟ آج ہی کیوں آئے؟ وہ میری طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے تھے، آج ہی خاص طور پر آواز دے کر کیوں بلایا؟ کیوں مجھ سے بڑی

دیر تک باتیں کرتے رہے؟ کیوں بار بار میری تعریفیں کرتے رہے؟ ضرور کچھ دال میں کالا ہے، ضرور نعمان چچا شادی کا پیام لے کر آئے تھے، اسی لئے تو کل پھر آنے کو کہہ گئے ہیں، یا اللہ اگر ایسا ہوا تو؟ ——— اور یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، وہ خلیل سے آج کے واقعہ کے بعد سے نفرت کرنے لگی تھی، وہ ہرگز اس کی رفیقۂ حیات بننا نہیں چاہتی تھی،

بڑی دیر تک وہ کروٹیں بدلتی رہی، نہ نیند آئی، نہ کھانے کا جی چاہا، وہ صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔

خلیل! ———!

اور پھر فوراً اس کا دل کہتا تھا،

نعمان کا لایا ہوا پیام رد نہیں ہو سکتا، عائشہ تجھے خلیل کی بیوی بننا پڑے گا، جس کے گال پر آج تو نے ایک زور کا چانٹا رسید کیا تھا، کل تو اسی کے سامنے سر جھکا کر جائے گی، تو اس کی لونڈی بن جائے گی، وہ تیرا آقا بن جائے گا، تو اس کی اطاعت کرے گی وہ تجھ پر حکم چلائے گا، تو اب تک کسی کو خاطر میں نہیں لائی، اب تجھے زندگی کی ہر سانس اُس گنوار کی خوشنودئ مزاج حاصل کرنے میں صرف کرنی ہوگی، وہ بھی ایک ہی کائیاں ہے، اس سے بہتر انتقام کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی، کہ وہ تجھ سے شادی کرے، تجھے اپنی بیوی بنا لے، ——— یا اللہ مجھے کیا معلوم تھا ایک طمانچہ کی اتنی گراں قیمت مجھے ادا کرنی پڑے گی، اگر یہ معلوم ہوتا تو کلیجہ پر پتھر کی سِل رکھ کر میں اس کی باتیں سُن لیتی، کوئی تلخ جواب نہ دیتی، وہ تھوڑی دیر کی تکلیف اس زندگی بھر کی اذیت کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی تھی، لیکن اب تو تیر نکل چکا۔

اب کیا ہوگا میرے اللہ؟

اتنے میں، عذرا کے پکارنے کی آواز اسے سنائی دی، وہ تیزی کے ساتھ اپنے بستر سے اٹھی، اور ماں کے پاس جاکر کھڑی ہو گئی، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اس کا چہرہ تمتایا ہوا تھا، اس کے چہرے سے ایک عجیب بے کلی اور اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا عذرا نے تھوڑی دیر میں عائشہ کا یہ انقلاب دیکھا تو گھبرا گئی، اس نے بڑی بیقراری، اور پریشانی کے ساتھ پوچھا،

"کیا ہوا میری بیٹی؟ —— تو اتنی پریشان کیوں دکھائی دے رہی ہے؟"

عائشہ نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا، اس نے ماں سے پوچھا،

"آپ نے بلایا تھا مجھے؟"

عذرا،

"ہاں بیٹی بلایا تھا، لیکن تیرا یہ کیا حال دیکھ رہی ہوں میں؟"

عائشہ،

"کچھ بھی نہیں امی، اچھی ہوں —— کہئے کیوں بلایا تھا!"

عذرا،

"کہوں کیا خاک؟ ذرا آئینہ لے کر اپنی صورت تو دیکھ، یہ اتنی سی دیر میں کیا حالت بنا لی ہے تو نے اپنی، ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو اچھی بھلی تھی، یہ ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا آخر؟"

عائشہ،

"کچھ بھی نہیں، آپ کو یوں ہی وہم ہو رہا ہے۔"

عذرا،

"مجھ سے باتیں نہ بنا، میں تیری ماں ہوں بیٹی نہیں، تیری رگ رگ سے واقف ہوں، ——— بتا کیا بات ہے؟"

عائشہ،

"سر میں درد ہو رہا ہے"

عذرا،

"بس صرف یہی بات اور کچھ نہیں؟"

عائشہ خاموش ہو گئی، اس کا جی چاہا، آج کی ساری سرگزشت ماں کو سنا دے اُسے بتا دے کہ آج خلیل سے میری لڑائی ہو گئی ہے، وہ میرے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی کا برتاؤ کر رہا تھا، میں نے اس کے منہ پر ایسا طمانچہ جڑا کہ اب تک یاد کر رہا ہوگا، لیکن اب بھی میرا دل سیر نہیں ہوا، میرا جی چاہتا ہے اسے اور ماروں، اتنا ماروں، اتنا ماروں کہ اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں، جن سے وہ مجھے گھورا کرتا ہے، اس کی زبان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں جس سے وہ دریدہ دہنی کے مظاہرے کرتا رہتا ہے، اس کا کَس بَل نکل جائے، میرا جی چاہتا ہے، اسے اس قبیلہ سے نکال دوں، وہ ہمارے قبیلہ کے لئے باعث فخر نہیں، باعثِ ننگ ہے، وہ شیخ قبیلہ کا بیٹا بن کر سب کو اپنا زرخرید غلام سمجھتا ہے، وہ چاہتا ہے سب اس کی خوشامد کریں، اس کے آگے جھکیں، اس کی اطاعت کریں، وہ بڑا نالائق ہے، میرا تو اس کی صورت دیکھنے کا بھی جی نہیں چاہتا، میں نفرت کرتی ہوں اس سے، میرا دل کھو رہا ہے، نعمان چچا اس کا پیام لے کر آئے تھے، وہ مجھے خریدنے آئے تھے، وہ میرا سودا کرنے آئے تھے، وہ اس لئے آئے تھے کہ مجھے اپنے چہیتے، اور دلارے بیٹے کی کنیز بنا لیں، لیکن اماں ایسا نہیں ہو سکتا، میں خلیل کو نہیں قبول کر سکتی، میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی شریک

زندگی نہیں بن سکتی، اگر تم نے میری نہ سنی، اور مجھے بیاہ دیا اس سے تو یاد رکھو، اس گھر سے میرا ڈولا نہیں جائے گا لاش جائے گی، میں زندہ نہیں رہوں گی، زہر کھالوں گی اپنے ہاتھوں اپنی اس نامراد زندگی کا خاتمہ کرلوں گی، میں اپنی یہ توہین نہیں برداشت کرسکتی کہ خلیل کی بیوی بنوں، وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس گھر میں قدم رکھ سکے، نہ یہ کہ تمہارا داماد بن کر آئے، یہ نعمان چچا بھی بڑے حضرت ہیں، اب کبھی انہیں اس گھر میں قدم نہ رکھنے دینا ——————

اتنی ساری باتیں ایک لحظہ میں اس کے دل و دماغ میں گردش کر گئیں!

لیکن ان میں سے ایک بات بھی وہ اپنی ماں سے نہ کہہ سکی،

یہ الفاظ اس کی زبان پر آتے تھے، اور رہ رہ جاتے تھے، اس میں اتنی ہمت نہ پیدا ہوسکی، کہ دل کی بات زبان پر لاسکے!

اور عذرا متحیر تھی کہ دیکھتے دیکھتے میری بچی کو کیا ہوگیا؟

ابھی تھوڑی دیر پہلے، وہ ایک پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی، اور دم کے دم میں مرجھا گئی؟ —— کیوں؟ آخر کس لئے؟ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور، لیکن یہ اس مرتبہ کیا ہوگیا ہے، کہ عائشہ دل کی بات زبان پر نہیں لاتی، وہ تو مجھے اپنا ہمدرد سمجھ کر ہر بات کہہ دیا کرتی تھی!

ماں بیٹی، دونوں اپنی اپنی باتیں سوچ رہی تھیں، اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، یہ دستک عائشہ کے لئے نئی نہ تھی، مانوس سی تھی، وہ بولی،

"ابا آگئے!"

عذرا نے کہا،

"ہاں وہی ہوں گے، جا دروازہ کھول دے جا کر!"

وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی اُٹھی، دروازہ کھولا، اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی، کہ آنے والا سلیمان اس کا باپ نہ تھا بلکہ نعمان تھا!

نعمان کو دیکھ کر، عائشہ سہم گئی، اس کے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا، نعمان نے بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اور کہا،

"کیوں بیٹی تم سوئیں نہیں ابھی؟"

وہ بولی،

"جی نہیں ——!"

نعمان،

"میں تمہارے ہاں سے اُٹھ کر ایک دوسری جگہ چلا گیا تھا، اب گھر جانے لگا، تو سوچا، اگر سلیمان آ گئے ہوں تو ان سے بھی ملتا چلوں، —— آئے؟"

عائشہ،

"جی نہیں، وہ تو ابھی تک نہیں آئے"

نعمان،

"ارے اب تک نہیں آئے؟ —— اچھا میں چلتا ہوں، تم کہہ دینا میں آیا تھا، اور کل پھر آؤں گا!"

نعمان عائشہ کا جواب سُنے بغیر جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔

جتنی خوش خوش وہ دستک سنکر دروازہ کھولنے گئی تھی، اتنی ہی مضمحل اور افسردہ واپس آئی، عذرا نے پوچھا،

" آئے نہیں وہ ؟"

وہ مدھم آواز سے بولی،

" نہیں آئے !"

عذرا نے پوچھا،

" پھر کون تھا ؟"

وہ اور مدھم آواز سے بولی،

" نعمان چچا !"

اب تو عذرا کے بھی کان کھڑے ہوئے، وہ سوچنے لگی، کیا بات ہے یہ بار بار کیوں آ رہا ہے ؟ پھر اس نے عائشہ سے پوچھا،

" کچھ بتا رہے تھے، کیا کام ہے اُن سے ؟"

عائشہ نے کہا،

" نہیں، ——— لیکن اُن کے بار بار آنے سے معلوم ہوتا ہے ضرور کوئی کام ہوگا ؟"

اتنے میں پھر دستک کی آواز آئی، عائشہ دھوکا کھا چکی تھی، اب فریبِ خیال کھانے پر آمادہ نہیں تھی، اس نے اپنی ماں سے کہا،

" کوئی دستک دے رہا ہے !"

عذرا نے کہا،

" وہ تو میں بھی سُن رہی ہوں، جا دیکھ، شاید اب کے وہی ہوں !"

وہ بے دلی سے بولی،

" میں تو نہیں جاتی چاہے کوئی بھی ہو، ——— ابکے تم جاؤ اماں !"

عذرا کو، عائشہ کی ان بھولی بھولی باتوں پر ہنسی آگئی، اس نے کہا،

"اچھا میں ہی چلی جاتی ہوں!"

اور ذرا دیر میں عائشہ دیکھتی کیا ہے، عذرا اور سلیمان چلے آرہے ہیں!

---

(۶)

سامانِ سفر

سلیمان کا چہرہ اس وقت بہت اُترا ہوا تھا، بے انتہا فکرمند، اور پریشان نظر آرہا تھا، اس نے آتے ہی عائشہ سے کہا،

"ارے تو سوئی نہیں اب تک؟"

وہ لجاکر خاموش ہو گئی، عذرا نے کہا،

"دیکھو کتنا چہرہ اُتر گیا ہے میری بچّی کا!"

سلیمان،

"ہاں —— کیا بات ہوئی؟"

عذرا،

"ایک بات تو یہی ہے، کہ اب تک بھوکی بیٹھی ہے تمہارے انتظار میں!"

سلیمان،

"ارے اب تک؟ —— بھوک تو ذرا بھی نہیں ہے اس وقت لیکن عائشہ کی خاطر سے دو لقمے کھا لوں گا، لے آؤ کھانا جا کر!"

عذرا!

" ابھی لائی، تم ہاتھ دھو لو جب تک!"

عذرا کھانا لینے چلی گئی، سلیمان نے محبّت بھری نظروں سے عائشہ کو دیکھا، اور کہا،

" بیٹی، تو اپنے بدقسمت باپ کو اتنا کیوں چاہتی ہے ——— ؟"

یہ کہتے کہتے سلیمان کی آنکھیں آب گوں ہوگئیں، نہ جانے کیوں عائشہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں،

اس نے کہا،

" ایسا نہ کہئے ابا جان، بدقسمت ہوں گے، آپ کے دشمن، وہ کون سی خوبی ہے، جو خدا نے آپ کو نہیں دی!"

سلیمان نے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری،

" تو میری بیٹی ہے نا ——— لیکن تو نہیں جانتی میرے دل پر کیسے صدمے گزر رہے ہیں آج کل!"

عائشہ،

" ریحانہ خالہ کی بیماری سے آپ ہی کیا، ہم سب بہت پریشان ہیں خدا انہیں اچھا کر دے!"

سلیمان،

" خدا تیرے معصوم لبوں سے نکلی ہوئی یہ دعا سن لے!"

اتنے میں عذرا کھانا لے کر آگئی،

باپ بیٹی چپ چاپ کھانے پر بیٹھ گئے، عائشہ بھی بے دلی سے کھا رہی تھی، اس کا طائرِ خیال نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کر رہا تھا، اور بالکل یہی کیفیت سلیمان کی تھی، اس کا جسم یہاں تھا، روح کہیں اور، دونوں ایک دوسرے کی خاطر سے دسترخوان پر بیٹھے، بڑی دیر تک ایک دوسرے کو دھوکا دیتے رہے، پہلے عائشہ اٹھی، پھر سلیمان نے ہاتھ دھوئے،

کھانے سے فارغ ہو کر، سلیمان چُپ چاپ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا، عذرا شروع ہی سے اس کی کیفیت بھانپ رہی تھی، اب تک مصلحتہً وہ خاموش تھی، اب کھانا کھلانے کے بعد اس نے قفلِ سکوت توڑا،

" ریحانہ کی طبیعت اب کیسی ہے ؟"

بڑی فسردگی کے ساتھ، سلیمان نے کہا،

" ویسی ہی !"

عذرا،

" افاقہ کی کوئی صورت نہیں نظر آتی ؟"

سلیمان،

" نہیں، اس کے گھر والے تو شروع ہی سے مایوس تھے، آج تو میں بھی، اُمید ختم کر کے آیا ہوں !"

عذرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،

" بہت نازک حالت ہے ؟"

سلیمان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری،

" بہت زیادہ، اتنی دیر بیٹھا صرف اس کی صورت دیکھتا رہا، ایک بات بھی نہ کر سکا !"

عذرا،

" کیوں ؟ —— ضعف اور کمزوری کے باعث ؟"

سلیمان،

" نہیں، —— وہ مسلسل بیہوش ہے، ہوش میں لانے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی،

اندیشہ ہوتا ہے، کہیں اسی بیہوشی میں اس کا دم نہ نکل جائے!"
یہ کہتے کہتے، سلیمان کی آواز بھرّا گئی، عذرا کی آنکھوں میں بھی آنسو جھلکنے لگے،
اس نے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،
"اگر خدانخواستہ کچھ اور ہو گیا، تو کیا ہوگا؟"

سلیمان،

" یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں ——— کتنا بڑا غم انگیز واقعہ ہے، شوہر سفر پر گیا ہوا ہے، بیٹا دور پردیس میں ہے، اتنی دور کہ نہ اُس تک خبر پہنچ سکتی ہے، نہ وہ اس قدر جلد یہاں آسکتا ہے۔"

عذرا،

" ہاں، کوئی ایسی صورت نہیں کہ عثمان کو اطلاع ہو سکے؟ ——— میرا خیال ہے، ریحانہ کی جان اسی میں اٹکی ہے، کتنی امیدوں، آرزوؤں کا یہی تو ایک لڑکا ہے بیچاری کا!"

سلیمان،

" ہاں تمہارا خیال صحیح ہے، ——— عثمان کو ہر قیمت پر اطلاع ہونی چاہیے، ورنہ ریحانہ کی ہیٹھ قبر میں بھی نہیں لگے گی!"

عذرا،

" لیکن کس طرح اطلاع دی جائے؟ ——— میں نے تو سنا ہے وہ کوفہ میں ہے، اتنی دور کون جائے گا؟"

سلیمان،

" نہیں کوفہ میں نہیں، پہلے وہاں تھا، اب وہ مکّہ میں آگیا ہے، اور وہیں سے کچھ

ہوئے اس کا خط بھی آیا تھا، ـــــــ!"

عذرا،

" لیکن مکّہ بھی یہاں سے کون سا نزدیک ہے، آتے جاتے تین چار دن تو لگ ہی جائیں گے!"

سلیمان،

" ہاں، ضرور لگ جائیں گے، لیکن، جب تک سانس تب تک آس، میں ریحانہ کو اس طرح مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

عذرا،

" تو کیا کرو گے؟ کر ہی کیا سکتے ہو؟"

سلیمان،

" میں خود جاؤں گا"

عذرا،

(پریشان ہوکر) تم جاؤ گے؟"

سلیمان،

(عزم کے ساتھ) ہاں، ـــــــ اعتراض ہے تمہیں؟"

عذرا،

" خود میرا دل بھی ریحانہ بہن کے لئے بہت کُڑھ رہا ہے، لیکن تمہیں جاتا بھی تو نہیں دیکھا جاتا!"

اور یہ کہہ کر عذرا رونے لگی، سلیمان نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے، اور کہا،

" عذرا تم میرے جانے سے پریشان کیوں ہوگئیں؟ کیا بات ہے آخر؟"

عذرا،

"میں سب کچھ جانتی ہوں، راستہ کتنا خطرناک ہے، حالات کتنے نازک ہو رہے ہیں!"

سلیمان،

"تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ ایک مرد خطرات کی پروا نہیں کرتا، نہ وہ اپنے عزم کے سامنے حالات کی نزاکت کو دیکھتا ہے، اگر تمہیں ریحانہ سے ذرا بھی ہمدردی ہے، اگر تمہارے دل میں میرا ذرا بھی خیال ہے، تو یہ کام کرنے دو، نہ روکو مجھے عذرا، خوشی خوشی رخصت کردو مجھے!"

عذرا،

"میں نے سنا ہے وہاں حجاج اپنا لشکر لئے پڑا ہے، اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے، ——— ؟"

سلیمان،

"تم نے سچ سنا ہے، ——— وہ اپنی پوری سفاکی، درندگی، اور شیطنیت کے ساتھ وہاں پہنچا ہے، وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتا انہیں قتل کرنا چاہتا ہے"

عذرا،

"ہاں، میں جانتی ہوں، اسی لئے تو تمہارے جانے سے ڈر لگتا ہے مجھے ؟"

سلیمان،

(ہنس کر) "کہیں وہ مجھے نہ قتل کر دے ؟"

عذرا،

"نہیں، ——— کہیں تم اسے نہ قتل کردو، میرا اندیشہ غلط تو نہیں ؟"

سلیمان،

"تمہارا اندیشہ تو صحیح ہے، لیکن تم نہیں جانتیں، یہ بات ناممکن ہے!"

عذرا،

"تمہارے لئے کوئی بات ناممکن بھی ہو سکتی ہے؟"

سلیمان،

"نہیں ہو سکتی، لیکن یہ ہے، حجاج سات پردوں میں رہتا ہے، اس نے اپنی حفاظت کا بڑا اہتمام کر رکھا ہے، پرندہ پر نہیں مار سکتا، جہاں وہ رہتا ہے، ننگی تلواریں لئے ہوئے پہرے دار ہر وقت اس کے خیمہ کی حفاظت کیا کرتے ہیں، میں وہاں نہیں پہنچ سکتا، اگر پہنچ سکتا، تو ضرور اسے قتل کر کے ثواب دارین کی نعمت حاصل کرتا، پھر میں ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، انشاءاللہ عثمان کو اپنے ساتھ لے کر جلد از جلد واپس آؤں گا، بس اب تم تیاری کرو، میں ابھی جاؤں گا!"

عذرا،

"یہ لو، بات کہتے دیر نہیں، اور فیصلہ کرتے دیر نہیں، صبح چلے جائیے!"

سلیمان،

"دن کا موسم آج کل بہت خراب ہوتا ہے، لُو، گرمی، تپش، رات کو ٹھنڈے ٹھنڈے سفر ہوگا، بس اب تم خوشی خوشی مجھے رخصت کرو، اور دعا کرو، کہ میں عثمان کو ساتھ لے آؤں، اور جب آؤں تو ریحانہ مجھے زندہ ملے،!"

عذرا عائشہ کی مدد سے سامان سفر کی تیاری میں لگ گئی!

(۷)

طائرِ خیال!

رات اے مرے خیال تو کہاں کہاں گیا؟
میں بھی تیرے ساتھ تھی، تو جہاں جہاں گیا!

سلیمان نے دفعتہً سفر کا پروگرام بنا لیا، وہ چلا گیا، عذرا اسے نہ روک سکی! اور جب وہ چلا گیا، تو عائشہ پھر اپنے کمرہ میں پہنچی، اور کروٹیں بدلنے لگی، نیند کو آج اس سے بیر ہو گیا تھا کچھ، وہ لاکھ لاکھ سونے کی کوشش کرتی تھی، لیکن نیند اس سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھی!

اور پھر ——————

پھر وہ عالم خیال میں پہنچ گئی، آج بہت دنوں کے بعد اس نے عثمان کا نام سنا تھا! یہ عثمان کون تھا؟ قبیلہ کا سب سے زیادہ حسین وخوب رو، طرح دار، اور بانکا بہادر اور شجاع، شریف اور نیک نوجوان، سفر پر جانے سے پہلے وہ اکثر اس گھر میں آیا کرتا تھا، گھنٹوں اور پہروں یہاں بیٹھتا تھا، اماں سے اور ابّا سے اور خود مجھ سے باتیں کیا کرتا تھا، اس کی باتیں کتنی دلچسپ ہوتی تھیں، اس کی باتوں میں کتنا رس اور کتنا کیف ہوتا تھا، جی چاہتا تھا، بس وہ کہے جائے، اور ہم سنا کریں، وہ کہتا رہے

اور ہم سنتے رہیں، دن رات بن جائے، رات دن کا لباس پہن لے، لیکن اس کی باتیں ختم نہ ہوں، ہماری محویت کم نہ ہو،

اور کتنا پاک باز تھا یہ نوجوان، ـــــ وہ میری طرف دیکھتا تھا، مجھ سے باتیں کرتا تھا، لیکن کتنی انسانیت اور شائستگی سے، کبھی اس نے آنکھ نہیں لڑائی، کبھی اسکی آنکھوں میں شرارت اور خباثت جھانکتی ہوئی نظر نہیں آئی، کبھی اس کی باتیں حد ادب سے نہیں بڑھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے اس کے لب کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن وہ انہیں اجازت نہیں دیتا، اس کی آنکھیں ایک مرکز پر جمی رہنا چاہتی ہیں، لیکن وہ انہیں اٹھا لیتا ہے، اس کا جی چاہتا ہے یہیں بیٹھا رہے، صبح سے شام کردے، اور شام سے صبح، ایک پل کے لئے بھی نہ ہلے، نہ ہٹے، لیکن اس نے کبھی بھی مسلّط ہونے کی کوشش نہیں کی، وہ ہمیشہ آیا، کام کی باتیں کیں اور چلا گیا، اماں روکتی رہیں، ابا نے اصرار کیا، لیکن وہ نہ مانا، ہاں اگر میں نے کبھی باتوں باتوں میں کوئی ایسی بات کہدی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ابھی اسے کچھ دیر بیٹھنا چاہئے تو ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر وہ بیٹھ گیا۔

اور ہاں ـــــ وہ کتنا بہادر اور جیالا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے، رات بھیگ چکی تھی، چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ گھاٹ پر پانی بھرنے گئی تھی، ہم لوگ وہاں چہلوں میں لگ گئے، رات کتنی آگئی، اس کا ہمیں خیال بھی نہ رہا، نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں؟ کس کس کے قصے، کوئی کچھ کہتا، کوئی کچھ، شعر و شاعری، کوئی اپنے نادیدہ عاشق کے اشعار پڑھ رہی ہے، کوئی، کسی پرانے شاعر کا کلام گا رہی ہے، اتنے میں دو آدمی، کمبل اوڑھے، نیزہ تانے، تلواریں چمکاتے، ہماری طرف بڑھے، ـــــ اب اتنے دنوں کے بعد یہ واقعہ سوچتی ہوں تو بدن کانپنے لگتا ہے، ـــــ میں تو ان لوگوں کو دیکھ کر دم

نکل گیا، ہم سب چیخ پڑے، ہماری آواز فضا میں گونجی، اور واپس آگئی، کوئی ہماری مدد کو نہ پہنچا
یہ لوگ، یہ ڈراؤنے لوگ تیزی سے، بھیانک طریقہ سے، نہ جانے کتنے بُرے ارادہ سے ہماری
طرف بڑھتے رہے، ہم سب کا خون سوا جا رہا تھا، اتنے میں وہ دونوں اور قریب آگئے،
ایک آدمی، رقیہ کی طرف بڑھا، اور ایک میری طرف، رقیہ کی تو گھگھی بندھی ہوئی تھی، اس کے
منہ سے آواز تک نہ نکل سکی، حالانکہ میں محسوس کر رہی تھی وہ بڑے زور سے چیخنا چاہتی تھی،
وہ آدمی بڑھا، اور اس نے رقیہ کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ مزاحمت بھی نہ کر سکی، چیخ بھی نہ سکی، چُپ
چاپ، گم صم ایک بُت کی طرح کھڑی رہی، گویا کہہ رہی تھی، تم جیت گئے، میں ہار گئی، میں کچھ
نہیں کر سکتی، تم ہر طرح مالک و مختار ہو، اور، ——— اور، وہ دوسرا آدمی جب میری
طرف بڑھا، میرا ہاتھ پکڑنے کے لئے، اس نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے زور سے اس کا ہاتھ
جھٹک دیا، اور بڑے زور سے چیخی، اتنے میں دیکھتی کیا ہوں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ
ایک آدمی آیا، اس نے آتے ہی آواز دی،

"میں آگیا!"

میں نے آواز پہچان لی!

یہ عثمان تھا!

عثمان جیسے ہی ہم دونوں کے قریب پہنچا، وہ دونوں آدمی اس کی طرف پلٹ
پڑے، میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اب عثمان کی خیر نہیں، ضرور یہ دونوں اسے
ہلاک کر ڈالیں گے، وہ اکیلا، یہ دو، دو، وہ نہتا، یہ مسلح، میرے منہ سے اُس وقت اور
تو کچھ نہ نکلا، بے ساختہ میں کہہ اٹھی،

"عثمان تم بھاگ جاؤ، یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے، ———!"

اس نے جواب دیا،

"عثمان اپنی زندگی سے زیادہ تمہارے ناموس کو عزیز رکھتا ہے!"

پھر میں چپ ہو گئی، اور یہ دونوں عثمان پر پل پڑے، بڑی دیر تک لڑائی ہوتی رہی، ہر حملہ پر یہ معلوم ہوتا تھا، اب عثمان نہیں بچ سکے گا، لیکن جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے، عثمان نے ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی، تلوار چھیننے کے بعد اس کی طاقت اور بڑھ گئی، وہ تیزی سے وار کرنے لگا، اگرچہ وہ خود بھی زخمی ہوا، لیکن اس نے ان دونوں کو بھی بُری طرح زخمی کر دیا، ایک کا سر زخمی ہوا، دوسرے کا ہاتھ، دونوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، عثمان ان کے تعاقب میں چلا، نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا اُس وقت، زندگی میں پہلی مرتبہ ایک غیر مرد کو میں نے ہاتھ لگایا، میں اس کی کمر سے لپٹ گئی، میں نے بڑی التجا کے ساتھ کہا،

"ان لوگوں کو بھاگ جانے دو، تم ان کا پیچھا نہ کرو!"

میری آواز سُنتے ہی اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، اس نے کہا،

"تم منع کرتی ہو تو نہیں جاتا، ورنہ آج ان کی زندگی کا فیصلہ کر دیتا۔"

موقع ہی ایسا تھا، مجھے خوشامد کرنا پڑی، نہ کرتی تو بھلا عثمان سنتا کسی کی، میں نے کہا،

"تم بڑے بہادر ہو، ان بھگوڑوں کا پیچھا کر کے اپنی توہین نہ کرو!"

وہ رُک گیا!

میں نے دیکھا، اس کی پیشانی سے، اس کے بازو سے، خون کے بڑے بڑے قطرے ٹپک رہے ہیں، میں سہم گئی، میرا دل لرز اٹھا، میں رونے لگی، میں نے کہا،

"تم زخمی ہو!"

وہ مسکرایا،

"ہاں، ـــــــ لیکن معمولی سا!"

میں نے بیتاب ہو کر کہا،

"خون بہہ رہا ہے تمہارے جسم سے!"

وہ بے پروائی سے بولا،

"بند ہو جائے گا!"

میں ضبط نہ کر سکی، میں نے کہا،

"تم بیٹھو، میں پٹّی باندھ دوں، کَس کے!"

وہ مسکراتا ہوا بیٹھ گیا، میں نے اپنی اوڑھنی کے کئی ٹکڑے کئے، خود رقیہ کی چادر لے کر اوڑھ لی، پھر اس کے زخم دھوئے، پھر ان پٹّیوں سے اس کے زخم باندھ دیے پھر میں نے کہا،

"تم بہت کمزور ہو گئے!"

اس نے پہلی مرتبہ مشتاق نظروں سے مجھے دیکھا، مگر فوراً نظریں نیچی کر لیں، اور بڑے معصوم لہجہ میں کہا،

"تو کیا ہوا، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، انشاءاللہ کل تک ٹھیک ہو جاؤں گا!"

نہ جانے اُس روز مجھے کیا ہو گیا تھا، نہ شرم نہ حیا، نہ شان، نہ تمکنت، نہ غرور، نہ پندار، میں نے پھر التجا کی،

"تم یہاں ریت کے فرش پر لیٹ جاؤ تھوڑی دیر!"

وہ لیٹ گیا، جیسے کسی معصوم بچہ سے کوئی بات کہو، اور وہ فوراً مان جائے، مجھے

اس سادگی پر بڑی ہنسی آئی، رقیہ سے تو بالکل ضبط نہ ہو سکا، وہ بول پڑی، ——— اونہہ اس کے الفاظ جی ہی جی میں بھی دوہراتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، بڑی نٹ کھٹ ہے وہ بھی، لیکن اس بیچارے سے کچھ بھی تو جواب نہ دیا گیا، چپ چاپ میری طرف دیکھتا رہا جیسے پوچھ رہا ہو، اس کی باتوں کا جواب دوں یا نہ دوں؟ میں اس کی یہ کیفیت سمجھ گئی، میں نے کہا،

" یہ تو پگلی ہے، تم چپ چاپ لیٹے رہو، جب ذرا توانائی آجائے گی، تو واپس چلیں گے!"

پھر نہ اس نے رقیہ کی طرف دیکھا، نہ اس کی بات کا جواب دیا!

اس کی یہ باتیں جب یاد آتی ہیں، تو نہ جانے کیوں کلیجہ پر سانپ لوٹنے لگتا ہے، جی چاہتا ہے، کاش وہ یہاں ہوتا، کاش وہ یہاں آتا، کاش ہم دونوں اکٹھے ہوتے، بیٹھتے باتیں کرتے، وہ مجھے دیکھتا، میں اسے دیکھتی، ——— لیکن کتنے دن ہو گئے اسے گئے ہوئے مجھے تو اب وہ بھول بھی چکا ہو گا، ——— لیکن کیا میں بھی اسے بھول گئی؟ کیا میں بھی اسے بھول سکتی ہوں؟ کیا وہ میرے دل سے اتر سکتا ہے، ——— نہیں یہ نہیں ہو سکتا، میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی، وہ ہمیشہ میرے دل پر حکومت ———

اتنے میں پھر دستک کی آواز آئی! عائشہ کھڑ بھڑا کر اٹھ بیٹھی، باہر نکلی، تو صبح ہو چکی تھی فجر کا آخر وقت تھا، وہ جلدی سے دروازے پر پہنچی، اس نے دیکھا نعمان کھڑا ہوا ہے، اس نے کہا،

" بیٹی سلیمان سے کہدے نعمان آیا ہے!"

عائشہ نے کہا،

" لیکن وہ تو گئے؟"

نعمان،

" اتنے سویرے ؟ ریحانہ کے ہاں گیا ہوگا، جاتا ہوں، وہیں مل لوں گا اس سے،
——— ریحانہ کی عیادت بھی ہو جائے گی !"

عائشہ،

" جی نہیں، وہاں نہیں، وہ ایک ضروری کام سے مکّہ گئے ہیں، چار پانچ روز کے بعد آئیں گے !"

نعمان،

(حیرت سے) " کیا کہہ رہی ہے لڑکی ؟"

عائشہ،

" سچ کہتی ہوں چچا جان، رات وہ بہت دیر سے آئے، کھانا کھایا، اور کھانا کھاتے ہی، سانڈنی پر سوار ہو کر مکّہ چلے گئے !"

نعمان کچھ دیر سکتہ میں کھڑا رہا، پھر چلا گیا، عائشہ جلدی سے آئی، وقت تنگ ہو رہا تھا، وضو کرنے بیٹھ گئی !

---

(۸)

فاقہ شکنی

۲۴ گھنٹہ کی مسلسل فاقہ کشی نے، خلیل کے اوسان خطا کر دیئے تھے، پھر گرمی کا موسم!

——— درحقیقت اس نے بڑا کارگر حربہ اختیار کیا تھا، اس کا خیال تھا، یہ داؤں پٹ نہیں پڑسکتا، ماں اور باپ دونوں بیقرار ہو جائیں گے، اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کا مضمون پورا کر دکھائیں گے۔

نعمان نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں فرو گزاشت کیا، لیکن حالات کو وہ اپنا تابع نہیں بنا سکتا تھا، اس نے سلیمان کے گھر کی ڈھول بے ڈالی، لیکن ملاقات نہ ہوئی، اسے یقین تھا، پہلی ہی ملاقات میں یہ مرحلہ بڑی آسانی، اور خوش اسلوبی سے طے ہو جائے گا، سلیمان کی مجال نہیں کہ انکار کر سکے، لیکن انسان سوچتا کچھ ہے، اور ہوتا کچھ ہے، ایسے ہی مواقع پر حضرت علیؓ کے اس قول کی صداقت ظاہر ہوتی ہے، عرفت ربی بفسخ العزائم، یعنی ارادوں کے ٹوٹنے سے میں نے اپنے رب کو پہچانا!

نعمان جب تیسری مرتبہ گھر پہنچا، تو سلمیٰ اسے دروازے ہی پر ملی، نعمان نے پوچھا،

"کیوں خیریت ہے؟ یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

سلمیٰ،

"کیا کروں، خلیل کی حالت نہیں دیکھی جاتی، وہ نڈھال ہوا جا رہا ہے، ایک ہی ضدی ہے

لاکھ جتن کر ڈالے، مگر اس کے منہ میں لقمہ نہیں گیا، وہ اَڑا ہوا ہے جب تک عائشہ اس گھر میں نہیں آجائے گی، کھانا نہیں کھاؤں گا، نہیں کھاؤں گا!"

نعمان،

"ٹھیک ہے، آخر ضدّی لڑکا جو ٹھہرا۔"

سلمیٰ،

"اور کیا، ضدّی باپ کا ضدّی بیٹا۔"

نعمان،

"تو پھر تم غسلِ میّت کا انتظام کرو، میں کفن لینے جاتا ہوں!"

سلمیٰ،

"ہائے اللہ، یہ کیا کہہ رہے ہو تم، کون گزر گیا، اِس جہان سے؟"

نعمان،

"نہیں گزرا تو گزر جائے گا!"

سلمیٰ،

"لیکن کون؟ —— کون؟"

نعمان،

"آپ کے فرزند ارجمند اور کون؟"

سلمیٰ،

"تمہارے منہ میں خاک، ایسی باتیں کرتے تمہاری زبان نہیں لڑکھڑاتی؟"

نعمان،

"کیوں لڑکھڑائے، جب صاحبزادے ضدّی ٹھہرے، کسی کا کہنا مانتے نہیں، تو یہی انجام ہونا ہے، آج نہ سہی کل سہی!"

سلمیٰ،

"خدا نہ کرے، آخر عائشہ کوئی آسمان کی حور اور پرستان کی پری تو نہیں، ایک معمولی آدمی کی لڑکی ہے، یہ ہمارے لئے نہیں سلیمان کے لئے باعث فخر ہے کہ ہم اس کی بیٹی کو بیاہنا چاہتے ہیں!"

نعمان،

"ہو گا، لیکن، سلیمان ہے کہاں جو اس فخر کو فخر کے ساتھ قبول کرے؟"

سلمیٰ،

"کیا ہوا؟ ——— زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا اُسے؟"

نعمان،

"نہ زمین نے کھایا، نہ آسمان نے نگلا، لیکن وہ یہاں ہے نہیں!"

سلمیٰ،

"وہی تو پوچھتی ہوں، کہاں چلا گیا کمبخت، کیا کہیں روپوش ہو گیا تمہارے ڈر سے؟"

نعمان،

"وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، لہٰذا میرے ڈر سے روپوش ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

سلمیٰ،

"خدا کے لئے صاف صاف بتا دو، کہاں گیا، میرا تو دم نکلا جا رہا ہے، خلیل کی حالت

دیکھ دیکھ کر، تم اتنے سفاک تو کبھی نہ تھے!"

نعمان،

" نہ کبھی تھا، نہ اب ہوں، ——— مشکل یہ ہے کہ مجھ سے بھی تو خلیل کی یہ حالت

نہیں دیکھی جاتی!"

سلمیٰ،

" تو کیوں نہیں اس کی ضد پوری کر دیتے، ——— ذرا اپنی طرف دیکھو، تم نے

بھی تو ضد کر کے مجھے بیاہا تھا، وہ بھی آخر تمہارا بیٹا ہے، اَڑ گیا ہے کہ شادی کروں گا تو عالیہ

سے، پھر آخر یہ کام کیوں نہیں ہوتا؟"

نعمان،

" دیکھو بھئی، یوں سمجھو، کل میں رات بھر بھاگا، رات گئے تک دو چکر میں نے سلیمان کے

گھر کے کیے، لیکن وہ نہ ملا، معلوم ہوا، ریحانہ کے ہاں گیا ہوا ہے۔"

سلمیٰ،

" توبہ، یہ کہانی تو سن چکی ہوں، کتنی دفعہ دوہراؤ گے اسے!؟"

نعمان،

" پھر باقی رات اس خیال سے نہیں سویا کہ صبح دیر سے آنکھ نہ کھلے، جلدی جلدی فجر کی

نماز پڑھی، اور سیدھا سلیمان کے ہاں پہنچا، کہ اتنے سویرے جاؤں گا، تب تو ملاقات ہو جائے گی

سلمیٰ،

" ہاں پھر، ——— ہوئی ملاقات؟"

نعمان،

"نہیں، ——— وہاں پہنچا تو معلوم ہوا رات کو بہت دیر سے وہ ریحانہ کے ہاں سے لوٹا، اور کسی بہت ضروری کام سے رات ہی کو، سانڈنی پر سوار ہو کر مکّہ چلا گیا!"

سلمیٰ،

(چھاتی پیٹ کر) "ہائے اب کیا ہوگا، ——— میرا خلیل، میرا بچّہ!"

اور وہ رونے لگی!

نعمان نے کہا،

"تم بھی احمق ہو، اور تمہارا لونڈا بھی، رونے دھونے سے کیا حاصل؟ کیا سلیمان لوٹ آئے گا؟"

سلمیٰ،

"نہ لوٹے، میں خود جاتی ہوں اس کے ہاں!"

نعمان،

"تم جا کر کیا کرلو گی؟"

سلمیٰ،

"میں عذرا سے ساری رام کہانی کہہ سناؤں گی، اور اس سے کہوں گی کہ وہ میرے بچّہ کی جان بچالے۔"

نعمان،

"یعنی سلیمان کی عدم موجودگی میں عائشہ کی شادی خلیل کے ساتھ کردے؟"

سلمیٰ،

"ہاں اور کیا!"

نعمان،

"کچھ تمہارا دماغ چل گیا ہے؟ ——— دس ہزار عذرائیں بھی سلیمان کی عدم موجود گی میں کچھ نہیں کرسکتیں، کیا تم نہیں جانتیں، ایسے معاملات میں سلیمان کتنا حسّاس اور باغیرت ہے؟ ——— اول تو عذرا خود سمجھدار عورت ہے، تمہارے بہکاوے میں نہیں آسکتی، لیکن اگر آبھی جائے تو سلیمان واپس آنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ بیوی، بیٹی، اور داماد تینوں کو قتل کردے گا!"

سلمیٰ،

"ہائے میرے اللہ،"

نعمان،

"جی ہاں، ——— وہ اس طبیعت کا آدمی ہے، میں نے عائشہ سے پوچھا تھا، وہ کہہ رہی تھی، چار پانچ روز میں واپس آجائے گا؟"

سلمیٰ،

"تو چار پانچ روز تک کیا ہوگا؟"

نعمان،

"صاحبزادے سے کہو، فاقہ توڑ دیں، اور اُن سے یہ وعدہ کرلو کہ سلیمان کے آتے ہی یہ کام ہوجائے گا!"

سلمیٰ،

"وہ میرے وعدوں کو کچھ نہیں گردانتا، میں بلائے لاتی ہوں، تم ہی سمجھاؤ!"

نعمان،

"جاؤ بلا لاؤ، کمبخت کو، ——— ناطقہ تنگ کر دیا ہے اس کی عشق بازی نے!"

سلمیٰ مسکراتی ہوئی گئی، اور ذرا دیر میں خلیل کو لے کر واپس آئی، اور بیٹے سے مخاطب ہو کر بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا،

"تو میری بات نہیں مانتا، نہ مان، اپنے باپ کی تو مان!"

پھر نعمان نے اس سے کہا،

"بیٹے تم فاقہ کرو، یا خودکشی، جب تک سلیمان نہ آجائے، یہ معاملہ نہیں طے ہو سکتا، وہ ایک ضروری کام سے مکّہ گیا ہے، چند روز میں آجائے گا، اس کے آتے ہی میں وعدہ کرتا ہوں، سب سے پہلے یہی کام ہو گا!"

سلمیٰ نے بیٹے سے کہا،

"اب تو آیا یقین؟"

نعمان،

"لیکن شرط یہ ہے کہ تم فاقہ توڑ دو، اگر تم نے یہ نہ کیا تو پھر تم جانو، اور تمہارا کام، میں بیچ میں نہیں پڑوں گا! ———"

یہ کہہ کر نعمان باہر چلا گیا!

---

(۹)

عثمان

بچپن ہی سے عثمان کو مذہب سے زیادہ لگاؤ تھا، وہ بڑی پابندی سے نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، حفاظ حدیث سے حدیثیں سُنتا تھا، فقہا کی مجالس میں بیٹھتا تھا، اور فقہ سے متعلق ان کے احکام، اجتہادات، سے استفادہ کرتا تھا، وہ جنگ جو اور دلاور بھی تھا، فنونِ جنگ سے پورے طور پر واقف تھا، بڑے بڑے مجمع میں اکیلا تن تنہا گھس جاتا تھا، زندگی کو وہ ایک کھیل سمجھتا تھا، وہ زندہ رہنے کے لئے زندگی کا قائل نہیں تھا، وہ کسی مقصد کے لئے، کسی بڑے کام کے لئے زندہ رہنا چاہتا تھا، اور اس مقصد اور اس کام کے لئے زندگی کو قربان کر دینے کا حوصلہ بھی رکھتا تھا۔

اس نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو یزید کی خلافت کا آخری زمانہ تھا، یزید کے کارنامے اس کے علم میں تھے، اسے حیرت ہوتی تھی کہ وہ کیسے مسلمان تھے، جو ایک طرف تو محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے، اور دوسری طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لختِ جگر کے گلے پر چھرے پھیرتے تھے؟ حالانکہ حسین (علیہ السلام) کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ اسلام کی دعوت دیتے تھے، اسلامی تعلیمات کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے، نیکی اور تقوے کی ہدایت کرتے تھے، راستی اور پاکبازی کی تعلیم دیتے تھے، انصاف اور مساوات کا پرچار کرتے تھے، اور زمور دنی

بادشاہت کے خلاف تھے، موروثی بادشاہت اگر اسلام میں جائز ہوتی، تو پھر علی (کرم اللہ وجہہ) سے بڑھ کر اس منصب کا اور کون مستحق ہوسکتا تھا؟ لیکن اسلام میں وراثت کوئی چیز نہیں۔

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست!

امیر یا خلیفہ کا انتخاب امت اور قوم کے ہاتھ میں ہے، اس نے جسے چاہا منتخب کرلیا، یہ باتیں جب وہ سوچتا تھا، تو اس کا خون کھولنے لگتا تھا، اس کا جی چاہتا تھا تلوار ہاتھ میں لے، اور اُن تمام لوگوں کو قتل کردے، جنہوں نے دُنیاوی حرص وطمع میں آکر، سبط رسول کو قتل کیا۔

پھر اس نے سنا کہ یزید مرگیا، اور اس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت خلافت پر بیٹھا، لیکن وہ چند روز سے زیادہ فرماں روائی نہ کرسکا، اس نے یہ کانٹوں بھرا تاج واپس کردیا، اس نے اعلان کیا میں گناہوں کی یہ پوٹ اپنے سر پر نہیں رکھنا چاہتا، جس کا جی چاہے اس پر قبضہ کرلے، معاویہ بن یزید کی دستبرداری نے اموی خاندان کا زور کم کردیا تھا، ممکن تھا اس خاندان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکومت نکل جاتی، اور صالحین امت اس بار گراں کو اٹھا لیتے، لیکن ایسا نہ ہوا عین وقت پر اسی خاندان کا ایک دوسرا فرد، مروان نمودار ہوا، اس نے تخت خلافت پر قبضہ کرلیا، دمشق میں کوئی اور مدعی خلافت موجود نہیں تھا، آسانی سے اس کا دعویٰ قبول کرلیا گیا اور وہ مالک تخت وتاج ہوگیا، آئندہ کے خطرات کا سدّ باب کرنے لئے اس نے بڑی چالاکی سے کام لے کر، یزید کی بیوہ سے شادی بھی کرلی، اور اس طرح مطمئن ہوکر داد فرماں روائی دینے لگا، لیکن زیادہ دنوں تک نہ جیا، جلد ہی انتقال ہوگیا، اس کے بعد، اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت خلافت پر متمکن تھا!

عبدالملک بن مروان عجیب وغریب خصوصیتوں کا آدمی تھا، تخت خلافت پر بیٹھنے سے پہلے وہ بڑا عابد وزاہد، اور خدا ترس انسان تھا، اس کا زیادہ وقت عبادت وریاضت

کامیابی بھی حاصل کرلی، لیکن حجاز مقدس اب تک اس کے قبضہ میں نہیں آیا تھا، اور بغیر حجاز مقدس پر قبضہ کئے ہوئے، اس کی خلافت مکمل نہیں ہوسکتی تھی، لہذا، اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ہر قیمت پر، ہر ننگ انسانیت، اور خلاف حرمت اسلام حرکت کا ارتکاب کرکے وہ اس مقدس خطہ پر اپنا پرچم لہرا کر رہے گا، اس کام کے لئے اس نے وقت کے سب سے بڑے خوں خوار، اور جلاّد شخص حجاج بن یوسف کو مقرر کیا، اور اسے اجازت دے دی کہ وہ جو طریقہ چاہے برتے، لیکن بغیر حجاز پر قبضہ کئے ہوئے واپس نہ آئے،

حجاز پر حضرت عبداللہ بن زبیر کا قبضہ تھا، یہاں کے لوگ پروانہ وار اُن پر قربان ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر بہت سی قابل فخر خصوصیتوں کے حامل تھے، وہ ایک بہت بڑے صحابی، حضرت زبیرؓ بن العوام کے صاحبزادے تھے، وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے بھانجے تھے، وہ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے تھے، وہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ صدیق کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، وہ بہت سے مجاہدات میں مردانہ وار حصّہ لے چکے تھے، افریقیہ کی مہم زیادہ تر انہی کی ہمّت اور دلاوری کے بل پر فتح ہوئی تھی، وہاں کے بادشاہ جرجیر کا انہی کے دست زبردست نے خاتمہ کیا تھا، اوران سب خصوصیات سے بالا ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بڑے عابد، زاہد متقی، اور پرہیزگار شخص تھے، امانت و دیانت ان پر ختم تھی، بیت المال کی ایک پائی بھی وہ ناجائز خرچ نہیں کرتے تھے، بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے، عدل و انصاف کے راستے میں کسی کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔

عثمان نے پہلے پہل تو یہ خیال کیا کہ یہ بھی ویسے ہی مدعی خلافت ہوں گے، جیسے دمشق کے فرماں روا، وہ کوفہ اور دمشق کی سیر کرتا ہوا، مکّہ پہنچا جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دارالخلافہ تھا، یہاں وہ بڑی بددلی اور مایوسی کے ساتھ آیا تھا، لیکن یہاں آکر اس کی آنکھیں کھُل

میں بسر ہوتا تھا، تلاوت قرآن پاک سے اسے بڑا اشغف تھا، فرصت کے بیشتر لمحات، وہ قرآن کے پڑھنے اور اس کا مفہوم سمجھنے میں صرف کرتا تھا، لیکن تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اس کی مت پلٹ گئی، اب وہ خود خدائی کے خواب دیکھنے لگا، خدا کا خوف اس کے دل سے کافور ہو گیا اس نے ظلم و ستم کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اس کے تصوّر سے بھی روح کانپ جاتی ہے، اس کی ظلم و ستم کی چکّی اتنی تیزی سے چلتی تھی، اور اتنی بے پروائی سے چلتی تھی کہ وہ کسی کو خیال میں نہیں لاتا تھا، مدینہ کے مقدس، اور محترم اصحاب، مکّہ کے معزز اور مکرم اکابر، اس کے ظلم کی زد میں آکر بڑی بڑی لرزہ خیز اذیتوں سے دوچار ہوئے، اس نے نہ رحم سے کام لیا، نہ رعایت سے نہ انسانیت سے نہ شرافت سے، نہ اصول سے نہ معقولیت سے!

عبد الملک کو اپنے عامل، حجاج بن یوسف پر بڑا بھروسہ تھا، اور یہ حجاج ظلم و جور میں، قہر خداوندی کا زندہ نمونہ تھا، یہ ایسا بدبخت انسان تھا، کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں تک کو نہ چھوڑا، حق بات کہنے کے جرم میں ان کی توہین کی، اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں، اس نے مدینہ منورہ، اور مکہ معظمہ کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، اس نے مسجد نبوی، اور حرم کعبہ کی تطہیر کا خیال بھی نہیں کیا، اس نے کعبہ شریف پر سنگ باری کی اس کی مقدس دیواروں کو، جن کی تعمیر میں ابراہیم و اسمٰعیل (علیہم السلام) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ لگے تھے، نقصان پہنچایا، اور ذرا اس کی پروا نہ کی، کہ اپنی حرکتوں سے، وہ اسلام کی روشن اور تابناک تاریخ کو داغ دار کر رہا ہے۔

عبد الملک نے تخت خلافت پر بیٹھ کر سب سے پہلے اُن مقامات کی طرف توجہ کی جو خُونِ حسینؓ کے مدعی تھے، اور جو اس کی ظالم اور فاسق حکومت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، سب سے پہلے اس نے کوفہ وغیرہ پر چڑھائی کی، اور اپنی فوج اور روپے کے

گیئیں، دمشق میں اس نے خلافت کا جاہ و جلال دیکھا تھا، اس نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں کی گاڑھی کمائی سے بیت المال معمور ہے، اور اس بیت المال کا بڑا حصّہ "خلیفۂ" وقت کی فضول خرچیوں کی نذر ہو رہا ہے، عدل ناپید ہے، عیش و طرب کی گرم بازاری ہے، خدا کا خوف دل سے نکل چکا ہے، اور دُنیا کمانے کا سودا ہر شخص کے سر میں سمایا ہوا ہے، لیکن مکہ میں آکر اس نے ایک بالکل نئی دُنیا دیکھی، اس نے دیکھا کہ یہاں قرآن کی حکومت ہے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اگر غلطی کرے تو اسے ٹوکا جاسکتا ہے، سزا دی جاسکتی ہے، بیت المال کا مصرف یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی خدمت کی جائے، امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیر اس کی ایک پائی بھی اپنے اوپر، یا اپنے عزیز و اقربا کے اوپر صرف نہیں ہونے دیتے، ذوق عبادت کا یہ حال ہے کہ سر ہر وقت سجدہ میں جھکا رہتا ہے۔

یہ مناظر دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں، اس نے محسوس کرلیا، یہ ہے اصل اسلام، یہ ہے صحیح قسم کی اسلامی حکومت، اس کا جی چاہا کہ اس حکومت کی خدمت کرے، اس کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردے، چنانچہ ایک روز حرم کعبہ میں نماز کے بعد وہ آزادانہ اور بیباکانہ، حضرت کی خدمت میں پہنچا، اور دست بیعت بڑھادیا، حضرت نے اسے بیعت کرلیا، اور بیعت سے فراغت کے بعد اس نے تہیّہ کرلیا کہ اب وہ صرف اسلام کا ایک سپاہی بن کر زندہ رہے گا۔ اس نے حضرت سے استدعا کی کہ اسے فوج میں بھرتی کرلیا جائے، وہ اسلام کے راستہ میں ہر قربانی کے لئے تیار رہے۔

وہ فوج میں بھرتی کرلیا گیا!

جب حجاج اپنا لشکر گراں لیکر حضرت کے مقابلہ کو آیا، اور اس نے منجنیقوں سے کعبۃ اللہ پر سنگ باری شروع کی، تو بہت سے لوگ دہل گئے، لیکن عثمان پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، اس کا

حوصلہ کچھ اور بڑھ گیا، اس کے عزم جہاد میں کچھ اور زیادہ استواری پیدا ہوگئی، وہ بڑے ذوق وشوق سے اس دن کا انتظار کرنے لگا، جب دونوں طرف کے لشکر میدان جنگ میں آمنے سامنے کھڑے ہوں گے، اور وہ دادِ شجاعت دے رہا ہوگا، دشمنوں کے سر کاٹ رہا ہوگا، اور اپنی گردن راہِ حق میں کٹانے کے لئے پیش پیش ہوگا!

یہ تھا عثمان !———!

(۱۰)

دَورانِ سفر میں!

مسلمانوں کی خانہ جنگیوں سے سلیمان بہت دل برداشتہ تھا، وہ اکثر اپنے دل سے پوچھا کرتا تھا، مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے، ؟ ابھی رسول اللہؐ کے زمانہ کو کچھ ایسی مدّت نہیں گزری، مگر مسلمان ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگے، اور یہ حالت آج ہی سے کب ہے ؟ آنحضرتؐ نے جب اس دُنیا سے پردہ فرمایا اس کے چند ہی سال بعد سے مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، وہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے کی طرف لپکنے لگے، انہوں نے حقیقت کو ترک کر دیا، اور مجاز کا دامن پکڑ لیا، حق سے ان کی دلچسپی ختم ہو گئی، اور باطل سے وہ مرعوب ہو گئے، دین کو وہ بھول گئے، اور دنیا کو انہوں نے مدارِ حیات قرار دے لیا۔

پھر اُس کے ذہن و دماغ میں تاریخ اسلام کے خوں ریز، اور ہولناک واقعات گردش کرنے لگے، خونِ عثمانؓ، شہادت علیؓ، قتل حسینؓ، اور اب ؛

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

کیا اب عبداللہ بن زبیرؓ کی باری ہے، جو امّتِ مسلمہ کے سب سے زیادہ صالح اور زاہد شخص ہیں ؟

اور پھر وہ سوچنے لگتا، دو شخص ہیں، جن میں کش مکش جاری ہے!

عبدالملک بن مروان، ——— اور،

عبداللہ بن زبیر!

سوال یہ ہے کہ یہ دونوں کیوں لڑ رہے ہیں؟ ——— کیا دُنیا کے لئے؟

حصول اقتدار کے لئے؟

دونوں پبلک مین ہیں، دونوں کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح، عوام کے سامنے موجود ہے!

ان میں سے ایک عبدالملک بن مروان ہے، جس کی خصوصیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خاندان بنو امیہ کا فرد ہے، وہ ظالم ہے، سفاک ہے، کینہ پرور ہے، لالچی ہے، لوگوں کا حق غصب کر لیتا ہے، بیت المال کو اپنی موروثی اور جدّی جاگیر سمجھتا ہے، اپنی زبان کو فرمان اور قانون کی حیثیت دیتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اسے قرآن پر چلنے کی تلقین کرے، کسی میں ہمّت نہیں کہ اس کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کر سکے، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو وہ پھر اپنی جان سلامت نہیں لے جا سکتا،

اور ان میں سے دوسرا وہ شخص ہے، جس کی رات ریاضت میں، اور دن عبادت میں بسر ہوتا ہے، جو قوت کا مالک اس لئے نہیں ہے، کہ دوسروں پر ظلم کرے، اس لئے ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہونے دے، حکومت پر قابض اس لئے نہیں ہے کہ خدائی کرے، اس لئے ہے کہ خدا کے احکام نافذ کرے، جس کے تصرف میں بیت المال اس لئے نہیں ہے کہ وہ بے دریغ اور بے درنگ اپنی ذات پر، اپنے خاندان پر، اپنے دوستوں پر، اپنے مداحوں پر، قصیدہ پڑھنے والے شاعروں پر، ہنسی مذاق کرنے والے مصاحبوں پر خرچ کرے، بلکہ اس لئے ہے کہ ایک ایک پائی کا

حساب رکھے۔

اک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا احساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا!

اور صرف ملّی، ملکی، اور دینی مصالح پر صرف کرے، وہ مسجد میں آزادانہ اور بیباکانہ جاتا ہے، ایک عام مسلمان کی طرح، سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتا ہے، اموی فرمانرواؤں کی طرح وہ مسجد میں اپنی حفاظت جان کے لئے چوکی پہرے کے ساتھ نہیں پہنچتا، نہ اپنے لئے الگ اور ممتاز نشست کا انتظام کرتا ہے، وہ اموی خلفاء کی طرح دربار بھی نہیں کرتا، جہاں سب لوگ سر جھکا کر حاضر ہوتے ہیں، اور کسی کو یارائے تکلّم نہیں ہوتا، اس کا دربار عام مسجد میں ہوتا ہے جہاں کسی کے آنے پر پابندی نہیں، جہاں ہر شخص کو آزادیٔ تقریر حاصل ہے، جہاں امت کا ایک معمولی سے معمولی فرد بھی پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ اپنے امیرالمومنین کو ٹوک سکتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے حریف مقابل کی طرح خدا سے بے نیاز نہیں ہے بلکہ دل سے اس کی پرستش کرتا ہے، اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے، اور دوسروں پر اس کے احکام نافذ کرتا ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے، ان میں سے ایک حق پر ہے، ایک باطل پر!

لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ جو حق پر ہے اس پر دُنیا تنگ ہو رہی ہے، اور جو ناحق پر ہے، دُنیا اس کی خوشامد میں لگی ہوئی ہے، جو حق پر ہے وہ اپنے بیٹوں کو بھی بیت المال میں سے کچھ نہیں دیتا، اور جو ناحق پر ہے، وہ الغاروں روپیہ اپنی عیش وعشرت پر صرف کر رہا ہے، اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

اور پھر وہ سوچنے لگتا کیا حق اس لئے ہے کہ پامال ہو، اور باطل اس لئے ہے کہ

سرفراز اور سربلند ہو؟ ———— ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، ورنہ بے گناہ عثمانؓ کا خون کیوں بہتا، ناکردہ گناہ علیؓ کو عین حالت نماز میں کیوں کیا جاتا؟ امام حسنؓ کو زہر کیوں دیا جاتا؟ اور حسینؓ ابن علیؓ کی گردن کربلا کے ریگ زار میں کیوں کاٹی جاتی؟

بہ جرم عشق توام می کشند غوغا ئیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ئیست

اور پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ ابھی شہدائے راہ حق کی یہ فہرست نامکمل ہے، ابھی اس میں اور اضافہ ہوگا، کم از کم عبدالرحمٰن بن زبیرؓ کا!

سلیمان کو حضرت عبداللہ بن زبیر سے بڑی گہری عقیدت تھی، وہ ان کی خاکِ پا بن جانا چاہتا تھا، لیکن مکروہات دنیوی کے باعث اسے فرصت نہیں ملتی تھی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو، اور اپنا دل کھول کر رکھدے، وہ چاہتا تھا، اپنی باقی زندگی انہی کی خدمت میں بسر کردے، وہ سوچا کرتا تھا، زندگی کا بڑا حصہ دُنیا کمانے میں بسر ہوگیا، اب یہ چند روز جو باقی رہ گئے ہیں، کیوں نہ انہیں خدا کے راستے میں صرف کیا جائے،

راستے بھر اسی قسم کے خیالات سلیمان کے ذہن و دماغ میں چکّر کاٹتے رہے، وہ جب اپنی حالت سے عثمان کی حالت کا موازنہ کرتا تھا تو اسے اپنے وجود سے شرم آنے لگتی، اور عثمان پر رشک کرنے کا جی چاہنے لگتا،

مکّہ سے قریب پہنچکر اس نے ایک گھاٹ پر تھوڑی دیر قیام کا ارادہ کیا، بہت تھک گیا تھا، سوچا اونٹ کو پانی بھی پلالے، اور خود ذرا آرام بھی کرلے، پھر تازہ دم ہوکر مکّہ میں داخل ہو، یہاں گھاٹ پر چند آدمی، اور بھی نظر آئے، جو وضع قطع سے سپاہی معلوم ہورہے تھے، یہ اپنے اونٹوں کو پانی پلانے میں مصروف تھے، اور آپس میں بات چیت بھی کررہے تھے،

سلیمان نے ان کی گفتگو میں کوئی مداخلت تو نہیں کی، لیکن بڑے غور اور توجہ سے ان کی باتیں سننے لگا،

ان لوگوں کی باتوں سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ سپاہی ہیں، اور ضرور ان کا حضرت عبداللہ بن زبیر کے لشکر سے تعلق ہے، کیونکہ یہ لوگ بڑے تند الفاظ میں عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف، اور خاندان بنوامیہ کے دوسرے افراد کا تذکرہ کر رہے تھے، اور جب حضرت ابن زبیر کا ذکر اثنائے کلام میں آتا تھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ان کی ذات گرامی سے کتنی والہانہ عقیدت ہے،!

جب یہ لوگ اونٹوں کو پانی پلا چکے تو انہوں نے واپس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں ان میں سے ایک آدمی نے سلیمان سے پوچھا،

"کیا تم مسافر ہو؟"

وہ بولا،

"جی ہاں، میں مسافر ہوں، اور بہت زیادہ تھک گیا ہوں!

اس نے پوچھا،

"کیا مکہ کا قصد ہے؟"

سلیمان نے جواب دیا

"بڑی دور سے آ رہا ہوں، اور مکہ، اپنے ایک عزیز سے ملنے جا رہا ہوں، لیکن میں اس کا صرف نام جانتا ہوں، یہ نہیں جانتا، وہ کہاں رہتا ہے؟"

وہ مسکرایا، اور اس نے کہا،

بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو، اتنی دور و دراز کا سفر کر کے آ رہے ہو، لیکن

یہ نہیں جانتے کہ جس سے ملنا ہے وہ رہتا کہاں ہے؟ مکہ میں ہزاروں گھر ہیں، آخر تم کہاں اسے تلاش کرو گے ؟ اور یہ بھی تو سوچو اس تلاش و تفتیش کے لئے مدت کتنی چاہیئے !"

ایک دوسرے ساتھی نے کہا،

"کم از کم ایک سال !"

اور پھر وہ مسکرا دیا، اس کے ساتھی نے سلیمان سے پوچھا،

"جس سے تم ملنا چاہتے ہو اس کا نام کیا ہے ؟ یہ تو بتاؤ !"

سلیمان نے کہا،

" اس کا نام عثمان ہے، اور وہ حضرت ابن زبیر کے لشکر میں جہاں تک مجھے معلوم ہے شامل ہے !"

وہ چونک پڑا،

"کیا کہا، عثمان ؟ ——— لیکن اس نام کے تو کئی آدمی ہیں، بہر حال تم ہمارے ساتھ چلو، وہاں پہنچکر اس کی تلاش میں ہم تمہاری مدد کریں گے !"

---

(۱۱)

وائے ناکامی!

ان نئے ساتھیوں کے ساتھ سلیمان بڑی آسانی سے مکّہ پہنچ گیا، ان میں سے ایک شخص جس کا نام بشیر تھا، سلیمان کو اپنے گھر لے گیا، وہاں ایک کمرہ صاف کرکے اسے ٹھہرایا، پھر جلدی سے کھانا تیار کراکے لایا، اور کہا،

"کھانا کھاکر آپ آرام کیجئے، پھر سہ پہر کو عثمان کی تلاش میں ہم نکلیں گے!"

سلیمان نے کہا،

"تمہاری اس مسافر نوازی کا بہت بہت شکریہ، لیکن میرے عزیز میں یہاں آرام کرنے نہیں آیا ہوں، مجھے جلد از جلد عثمان سے ملنا ہے، اور اس تک ایک نہایت اہم پیام پہنچانا ہے، وہ پیام اتنا اہم ہے کہ یوں سمجھو کسی کی موت وزیست اسی پر منحصر ہے، سچ کہتا ہوں، مجھے بھوک بھی نہیں ہے، اگر تم آرام کرنا چاہتے ہو تو تھوڑی دیر ستالو، ورنہ مجھے نہ آرام کی ضرورت ہے، نہ کھانے کی، دیکھو میرے توشہ میں کافی کھجوریں موجود ہیں، جب بھی بھوک لگتی ہے ایک پھنکا مار لیتا ہوں!"

بشیر،

"مجھے آپ سے بڑی ہمدردی ہے، اگر آپ آرام کرنا نہیں چاہتے تو میں بھی اصرار

نہیں کرتا، لیکن کھانا تو آپ کو کھانا پڑے گا، زیادہ نہیں دو چار لقمے سہی، ——— میری خاطر سے!"

سلیمان،

"تم نہیں مانتے تو خیر، دو چار لقمے کھا لوں گا!"

بشیر،

"شکریہ، بس تو آیئے!"

دونوں نے ساتھ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے کے بعد، سلیمان نے پھر تقاضہ کیا

بشیر نے کہا،

"چلیئے! ایک عثمان تو یہاں سے تھوڑی دور پر رہتا ہے، میرا گہرا دوست ہے، بڑا بہادر اور جیالا ہے، اسلام کے راستے میں کٹ مرنا اپنی زندگی کا مقصد جانتا ہے، تلوار اتنی اچھی چلانا جانتا ہے، کہ کیا کہوں، یہ معلوم ہوتا ہے بجلی کوندگئی، ساتھ ہی ساتھ بڑا طرار بھی ہے باتیں بڑی دلچسپ کرتا ہے، شعرائے ماضی و حال کے اشعار بھی اسے بکثرت یاد ہیں ———"

شاید ابھی وہ اپنے دوست عثمان کی تعریف و توصیف میں کچھ اور کہتا، لیکن سلیمان نے اس کی زبان روک دی،

"بس بس میں سمجھ گیا ———"

بشیر،

"کیا سمجھے آپ؟"

سلیمان،

"یہ وہی میرا یوسف گم گشتہ ہے، جس کی تلاش میں میں نکلا ہوں۔"

بشیر،

" یقین ہے آپ کو ؟"

سلیمان،

" ہاں، ——— کامل یقین، ——— یہ وہی عثمان ہے، اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

بشیر،

" تو بڑے خوش قسمت ہیں، آپ اتنی جلدی آپ کی پریشانی رفع ہوگئی !"

سلیمان،

" ہاں، ——— لیکن میری خوش قسمتی پر مبارک باد بعد میں دینا، پہلے مجھے اس کے آستانہ تک پہنچا تو دو !"

بشیر،

" بس اب پہنچے ہی سمجھئے، ——— وہ دیکھئے مسجد حرام کے قریب جو چھوٹا سا مکان نظر آرہا ہے بس وہیں وہ رہتا ہے !"

سلیمان خاموش ہوگیا، اور تیزی سے چلنے لگا، بشیر نے مسکراتے ہوئے کہا،

" آپ تو اتنے تیز چل رہے ہیں کہ میرے لئے آپ کا ساتھ دینا مشکل ہوا جارہا ہے !"

سلیمان نے رفتار دھیمی کر دی، وہ بھی اپنی اس اضطرابی کیفیت پر مسکرانے لگا !

تھوڑی دیر میں یہ دونوں اس گھر تک پہنچ گئے، بشیر نے دستک دی، لیکن کوئی جواب نہ ملا، پھر دستک دی، تو ایک حبشی گھر کے اندر سے برآمد ہوا، بشیر نے پوچھا،

" عثمان ہیں ؟"

وہ بولا،

"جی نہیں، ——— ابھی تھوڑی دیر پہلے کہیں ہیں!"

یہ سنکر سلیمان کا خون خشک ہوگیا، وہ بڑی امیدوں، اور آرزوؤں کے ساتھ یہاں آیا تھا، لیکن عثمان کی غیبت کی خبر سنکر،

بس خوں ٹپک پڑا انگہ انتظار سے!

اس نے بڑی بے بسی اور بے کسی کے ساتھ بشیر سے پوچھا،

"اب ———؟"

بشیر نے حبشی سے دریافت کیا،

"کچھ پتہ ہے، کہاں گئے ہیں؟"

وہ بولا،

"یہ تو میں نہیں جانتا!"

بشیر،

"نہ یہ معلوم ہے کب تک آئیں گے؟"

حبشی،

"یہ عرض کرنا بھی مشکل ہے، ممکن ہے ابھی آجائیں، ممکن ہے، رات گئے تک نہ آئیں، ممکن ہے دو تین دن نہ آئیں، آپ تو جانتے ہیں!"

بشیر،

"ہاں، جانتا ہوں، بڑا سیلانی آدمی ہے، اچھا کہہ دینا میں آیا تھا!"

حبشی،

" ضرور عرض کر دوں گا!"

بشیر سلیمان سے مخاطب ہوا،

" بڑا افسوس ہوا، لیکن کیا کیا جائے، اتفاق، آئیے چلئے!"

سلیمان،

" نہیں بھئی، میں اب کہیں نہیں جانے کا، تم جا سکتے ہو!"

بشیر،

" لیکن یہاں اکیلے بیٹھ کر آپ کیا کریں گے؟"

سلیمان،

" انتظار ــــــــ کسی نہ کسی وقت وہ آئے گا، اور سب سے پہلے یہیں آئے گا!"

بشیر،

" ممکن ہے وہ مجھ سے ملنے میرے گھر گیا ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے!"

سلیمان،

" ہاں ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ تمہارے ہاں آیا ہو، تو تم اسے یہاں بھیج دینا، کہہ دینا سلیمان آیا ہے، وہ فوراً میرا نام سنتے ہی چلا آئے گا!"

بشیر،

" اچھی بات، یہی سہی، ــــــــ لیکن نہیں آپ میرے ساتھ چلئے!"

سلیمان،

" تم تو بچوں کی طرح ضد کرنے لگے، صاحبزادے، میں یہیں اچھا ہوں،"

بشیر،

"سُنیئے تو، —— آپ میرے ساتھ چلئے، پہلے گھر چلتے ہیں، اگر وہاں وہ مل گیا تو خیر، ورنہ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت ابن زبیر کے آستانہ پہ ہوگا، زیادہ وقت وہ وہیں صرف کرتا ہے، ہم وہاں چلے چلیں گے، اور یہاں ہم بتائے جاتے ہیں کہ اگر وہ ہماری عدم موجودگی میں آجائے تو اسے وہیں بھیج دیا جائے!"

بات معقول تھی، سلمان کی سمجھ میں آگئی، اس نے کہا،

"تجویز تو معقول ہے، چلو، اس بہانے حضرت ابن زبیر کی زیارت بھی ہو جائے گی!"

بشیر نے پھر دستک دی، حبشی پھر نمودار ہو گیا، بشیر نے کہا،

"ہم لوگ جاتے ہیں، لیکن اگر ہمارے جانے کے بعد عثمان آجائے تو تم کہدینا، میں آیا تھا، اور حضرت ابن زبیر کے ہاں اس کا انتظار کر رہا ہوں!"

حبشی،

"بہت خوب!"

(۱۲)

موت کا راستہ

سلیمان بشیر کے ساتھ پھر اس کے مکان پہنچا، لیکن معلوم ہوا عثمان یہاں نہیں آیا،

بشیر نے کہا،

"آیئے، حضرت کے ہاں چلیں!"

اور دونوں حضرت ابن زبیر کے آستانے پر روانہ ہو گئے، حضرت کا آستانہ یہاں سے تھوڑی ہی دور پر تھا، وہاں پہنچکر سلیمان اور بشیر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، حضرت کے انتظار میں، کچھ لوگ پہلے ہی سے یہاں بیٹھے تھے، لیکن حضرت تشریف فرما نہ تھے، بشیر نے تحقیق کی تو معلوم ہوا مسجد میں تشریف رکھتے ہیں، اور اب آنے ہی والے ہیں، بشیر نے سلیمان سے کہا،

"یقیناً عثمان حضرت کے ساتھ ہی ہے، اور انہی کے ساتھ آئے گا، لہذا ہمیں یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیئے!"

حضرت ابن زبیر کے شوق دیدار میں سلیمان یہ بھول گیا تھا، کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ اب نہ اسے عثمان یاد تھا، نہ ریحانہ، اس نے بڑے اطمینان سے کہا،

"عثمان حضرت کے ساتھ ہو یا نہ ہو، آئے یا نہ آئے، میں تو اب بغیر دیدار کئے یہاں سے

ملتا نہیں !"

بشیر کو سلیمان کی اس قلب ماہیت پر بڑی حیرت ہوئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں، خاموش ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد حاضرین میں ایک ہلچل سی ہوئی، معلوم ہوا حضرت تشریف لا رہے ہیں، سلیمان کا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا، اتنے میں حضرت تشریف لائے، اُن کے ساتھ چند آدمی اور تھے، ان میں ایک عثمان بھی تھا !

بشیر نے عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چپکے سے سلیمان سے پوچھا،

" دیکھئے، وہ میرا دوست عثمان یہی ہے ــــــ آپ نے پہچانا ؟"

سلیمان نے جواب دیا،

" ہاں وہی ہے !"

بشیر،

" آپ یہیں بیٹھئے، میں اسے بلائے لاتا ہوں جاکر"

سلیمان،

" نہیں نہیں ایسا نہ کرو"

بشیر،

(حیرت سے) یہ کیوں ؟ ــــــ کیا آپ اس سے ملنا نہیں چاہتے ؟"

سلیمان،

" ملنا چاہتا ہوں، اور ملوں گا، لیکن یہاں نہیں"

بشیر،

" میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

سلیمان،

" مجھے حضرت کا دیدار کرنے دو، ان کی باتیں سن لینے دو، یہ نعمت روز روز نہیں ملتی، پھر جب مجلس برخاست ہو گی، تو عثمان سے ملاقات ہو ہی جائے گی، وہ کہیں بھاگا تو نہیں جاتا آخر !"

بشیر، یہ جواب سُن کر خاموش ہو گیا، ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کہے،

" حضرت وہ تو نہیں بھاگا جا رہا، لیکن آپ تو بھاگے جا رہے تھے، لیکن یہاں آکر نہ جانے کیا ہو گیا ہے آپ کو، یا یہ آں شور اشوری یا بہ ایں بے نمکی !"

یہ سب کچھ اس نے دل ہی دل میں کہہ لیا، زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا،

اتنے میں حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا،

" یا حضرت، حجاج اپنے خوں آشام لشکر کے ساتھ آگیا ہے !"

حضرت نے وقار اور تمکنت کے ساتھ ارشاد فرمایا،

" ہاں مجھے معلوم ہے !"

وہ آدمی کہنے لگا،

" ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس نے عبدالملک بن مروان سے اجازت حاصل کر لی ہے کہ وہ جو چاہے کرے !"

حضرت نے فرمایا،

" مجھ تک بھی یہ خبر پہنچی ہے !"

ایک اور آدمی نے کہا،

" حجاج کی بربریت، سفاکی، اور شقاوت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، اب تک وہ جہاں

بھی گیا ہے، اس نے بڑی بے دردی، اور سنگ دلی کے ساتھ گردنیں کاٹی ہیں، اور خوں بہایا ہے ماں کو بیٹی سے، لڑکے کو باپ سے، شوہر کو بیوی سے، بہن سے بھائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اپنی تلوار کے زور اور بل پر جدا کر دیا ہے، یقیناً یہی کھیل وہ یہاں بھی کھیلے گا، اور ضرور کھیلے گا۔——"

ایک اور آدمی بیچ میں بول پڑا،

" ہمیں اپنی زندگی کی تو ذرا بھی فکر نہیں ہے، ہم موت سے ذرا بھی نہیں ڈرتے، لیکن جب اپنے بچوں اور عورتوں کا خیال آتا ہے تو کلیجہ تھرتھرانے لگتا ہے، دل لرزنے لگتا ہے!"

یہ باتیں سنکر عثمان سے ضبط نہ ہو سکا، وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اور اس نے کہا،

" ہاں حجاج آگیا، میں جانتا ہوں، وہ اپنے ساتھ موت کو لے کر آیا ہے، وہ نہیں جانتا انسانیت کسے کہتے ہیں، اور رحم کس چیز کا نام ہے، وہ خوں آشام ہے، سنگ دل ہے، ظالم ہے جفا پیشہ ہے، سفاک ہے، وہ اپنے مخالفوں سے لڑتا نہیں، ان کا انتظار کرتا ہے، اور وہ بھی نہایت قساوت کے ساتھ، —— لیکن دوستو، میں پوچھتا ہوں، ان باتوں میں سے کون بات ایسی ہے، جو پہلے سے ہمیں معلوم نہ تھی، ؟ جب ہم نے امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن زبیر کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، تو کیا ہم نے خدا کی راہ میں اپنی جان، مال، عزت آبرو، ناموس، ہر چیز کے قربان کرنے کا عہد نہیں کیا تھا، —— پھر اب ہمارے پاؤں کانپ کیوں رہے ہیں اور ہمارا دل دھڑک کیوں رہا ہے؟ —— ہم نے جب بیعت کی تھی، ہمیں معلوم تھا، ہم عبدالملک بن مروان کی ظالم حکومت کے خلاف صف آرا ہو رہے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ عبدالملک کے کارندوں میں ایک شخص حجاج بھی ہے، جس کی صورت اگرچہ آدمیوں جیسی ہے، لیکن جس کی سیرت اور کردار میں درندگی کے تمام جوہر موجود ہیں، —— اور ہم اتنے سادہ لوح اور بھولے نہ تھے کہ یہ سمجھ لیتے، عبدالملک فرشتہ ہے، اور حجاج فرشتۂ رحم، جو کچھ آج ہمارے

سامنے ہے اس کا اندازہ ہم نے پہلے سے کرلیا تھا، حجاج اپنی پوری قوت و طاقت صرف کردینے کے بعد اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا کہ ہمیں مار ڈالے، ہماری جان لے لے، ہمیں بے دردی کے ساتھ قتل کردے، ——— پھر کیا خدا کے دین کی سربلندی کے مقابلہ میں، یہ فانی زندگی زیادہ عزیز ہے ؟ ——— میں نہایت صفائی کے ساتھ کہدینا چاہتا ہوں کہ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے، ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ میدان سے ہٹ جائیں، آج اگر کوئی میدان سے ہٹنا چاہے تو اسے اس کی اجازت مل جائے گی، لیکن جنگ شروع ہونے کے بعد، اگر کوئی پیٹھ پھیرے گا تو اس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی، ——— یہ سوالات بڑے اچھے موقع پر چھڑے ہیں بہتر ہے کہ ان کا ابھی، یہیں، اور اسی وقت دو ٹوک فیصلہ ہوجائے۔"

عثمان کی اس پُرزور، اثر انگیز، اور ولولہ خیز تقریر نے حاضرین پر بڑا اچھا اثر کیا، کچھ لوگ مذبذبین میں تھے، اور جن کے دلوں میں کمزوری آچکی تھی، وہ تو ایک خاموش تھے لیکن دوسروں کے قلوب میں مرنے، مرمٹنے، اور فنا ہوجانے کا جذبہ پھر سے پیدا ہوگیا تھا، عثمان کی تقریر کے بعد ایک سناٹا سا چھا گیا، کسی میں یارائے تکلم باقی نہ رہا، سب دم بخود اور گم سم بیٹھے تھے !

اتنے میں حضرت نے لب کشائی کی، آپ نے فرمایا،

" عثمان نے جو کچھ کہا ہے، وہ عین میرے خیالات کی ترجمانی ہے، اگرچہ تم لوگوں نے، میرے ہاتھ پر خدا کے راستے میں ہر قسم کی قربانی کی بیعت کی ہے، لیکن میں تم لوگوں کو مجبور نہیں کرنا نہیں چاہتا، مجھے کسی پر، حتیٰ کہ اپنے بیٹوں پر بھی اختیار نہیں ہے، کہ میں انہیں کسی کام کیلئے مجبور کروں، مجھے صرف اپنی ذات پر، اپنی جان پر اختیار حاصل ہے، اور اسے میں خدا کے لئے خدا کے راستے کے لئے وقف کرچکا ہوں، میں تم ہی میں کا ایک فرد ہوں، تمہارے ساتھ اُٹھا

بیٹھتا، کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہوں، تم میری زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہو، میں بادشاہت نہیں چاہتا، میں موروثی خلافت کو، اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف سمجھتا ہوں، میں غیر الٰہی اور انسانی خدمت کے سامنے بھی سر نہیں جھکا سکتا، میں قرآن اور اسوۂ رسول کی بے حرمتی بھی نہیں دیکھ سکتا، میں فسق و فجور کی گرم بازاری بھی نہیں برداشت کر سکتا، میں حکومت کو خدا کی امانت سمجھتا ہوں، عیش و عشرت کا ذریعہ نہیں، موجودہ حکمران امانت میں خیانت کر رہے ہیں، وہ اسلام کے پرستار بنتے ہیں، لیکن خدا کا حکم نہیں مانتے، ان کا فرض ہے کہ لوگوں کے اخلاق کی تطہیر کریں، لیکن خود رذائل اخلاق میں مبتلا ہیں، مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیئے، جو ایسے ماحول میں بسر ہو، یہ زندگی، میرے وجود پر ایک بار ہے، اور یہ بار، روز بروز ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے میرے لئے، میں اس زندگی کا بوجھ اتار پھینکنا چاہتا ہوں، میں اس زندگی سے تھک گیا ہوں، عاجز آ گیا ہوں، مجھے نہیں چاہیئے یہ زندگی اور اس کے یہ منعمات، لیکن یہ سب کچھ میں اپنے لئے کہہ رہا ہوں، تمہارے لئے نہیں، کسی اور کے لئے بھی نہیں، تم کو، تم سب کو اپنی اپنی زندگی پر اختیار ہے، تمہیں زندہ رہنے کا بھی حق ہے، اور مرنے کا بھی، ان دونوں میں سے جو راستہ چاہو، اختیار کر لو، ——— میں نے تو موت کا راستہ اختیار کر لیا ہے، اور وہی مجھے پسند ہے، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" !

یہ مختصر سی تقریر کر کے حضرت اٹھے، اور دوسرے کمرے میں چلے گئے !

حضرت کے اٹھتے ہی مجلس برخاست ہو گئی، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو پُرنم نہ ہو، ——— وہ تک رو رہے تھے، جو ابھی ابھی حجاج بن یوسف کی دہشت سے لرزہ

براندام دکھائی دے رہے تھے۔

اور سب سے زیادہ ابتر حالت سلیمان کی تھی!

روتے روتے سلیمان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی تھی، وہ سر جھکائے رو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار جاری تھا، یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے عثمان ایک آدمی سے باتوں میں مصروف تھا، اس نے اب تک نہ بشیر کو دیکھا تھا، نہ سلیمان کو، بشیر نے اسے آواز دے کر بلایا، اور کہا،

"دیکھو، یہ کون صاحب ہیں ——— تمہی سے ملنے آئے ہیں!"

عثمان دیکھتے ہی پہچان گیا، وہ سلیمان سے لپٹ گیا، اس نے کہا،

"چچا آپ؟ ——— کب آئے آپ؟!"

---

(۱۳)

سُلیمان اور عثمان

عثمان، سُلیمان کو لے کر اپنی قیام گاہ پر آیا، پہلے تو اس نے خاطر تواضع کا سلسلہ شروع کرنے کی کوشش کی، لیکن سلیمان نے صاف انکار کر دیا، اس نے گلوگیر آواز میں کہا،

" بیٹے، میں تجھے لینے آیا ہوں!"

یہ سنتے ہی عثمان چونک پڑا، اس نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

" لیکن، میں کسی قیمت پر بھی نہیں جا سکتا، ہرگز نہیں جا سکتا!"

" تجھے چلنا پڑے گا!"

عثمان،

" آپ میرے بزرگ ہیں، بے انتہا احترام ہے، میرے دل میں آپ کا، اس کے علاوہ اور کوئی حکم آپ دے کر دیکھ لیجئے، دل و جان سے اس کی تعمیل کروں گا، لیکن اس مرحلہ پر مکہ نہیں چھوڑ سکتا، یہاں میری ضرورت ہے!"

سلیمان،

" میرے بچے" میں جانتا ہوں تو کیا کہہ رہا ہے؟ میں سمجھتا ہوں، تیرے جذبات

کی کیفیت کیا ہے، لیکن اس کے باوجود، میرا اصرار اپنی جگہ پر قائم ہے، اور شدّت سے قائم ہے !"

عثمان،

"کیوں آخر ہ—— ایسی کون سی خاص بات ہے کہ میرا چلنا ضروری اور ناگزیر ہے ؟"

سلیمان،

"وہی تو تو سنتا نہیں، اور انکار کئے جا رہا ہے، پہلے میری بات تو سُن لی ہوتی!"

عثمان،

"فرمائیے، میں سُنوں گا۔"

سلیمان،

"ریحانہ بیمار ہے !"

یہ سُن کر عثمان بے قرار ہو گیا، اس نے ایک عجیب اضطراب کے عالم میں پوچھا،

"اماں بیمار ہیں ؟ —— اب کیسی طبیعت ہے ان کی، اچھی تو ہیں ؟"

سلیمان،

"نہیں میرے بیٹے، میں جھوٹ نہیں بولوں گا !"

عثمان چیخ پڑا،

"وہ زندہ تو ہیں ؟"

سلیمان،

" یہ بھی نہیں کہہ سکتا ——— میں جب چلا ہوں، ریحانہ کی حالت بہت نازک تھی، اس کا دم لبوں پر اٹکا ہوا تھا!"

عثمان،

" آہ، ——— یہ میں کیا سُن رہا ہوں!؟!"

سلیمان،

" اور اس حالت میں بھی وہ تجھے یاد کر رہی تھی، اس کی آنکھیں صرف تیرے دیدار کی منتظر تھیں، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہو سکا، سارے کام میں نے چھوڑے، اور یہاں آگیا کہ تجھے ساتھ لے کر چلوں تاکہ اگر اس کی زندگی ہے تو تجھے دیکھ کر وہ زندگی کا کیف حاصل کر سکے، اور اگر وقت مقررہ آگیا ہے، تو تجھے دیکھ کر وہ آرام واطمینان کے ساتھ اس دُنیا سے سدھارے!"

عثمان،

" چچا خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے، میری اماں زندہ ہیں، وہ ابھی نہیں مریں گی بتائیے، وہ زندہ ہیں نا؟"

سلیمان،

" مجھے یقین ہے، وہ اب تک زندہ ہے، لیکن تم چلنے میں جتنی تاخیر کرو گے، اتنے ہی اس کی زندگی کے امکانات کم ہوتے جائیں گے؟"

عثمان،

" آہ، آہ، ——— میں کیا کروں؟ اے میرے خدا میں کیا کروں؟"

سلیمان،

"عزم سفر"

عثمان،

"یہ بھی تو نہیں ہو سکتا!"

سلیمان،

"آخر کیوں؟ کس لئے؟"

عثمان،

"ایک طرف محبت ہے، ایک طرف فرض ہے، نہ میں محبت کو ٹھکرا سکتا ہوں، نہ فرض کو قربان کر سکتا ہوں!"

سلیمان،

"نہیں، تم نے غلط کہا،

عثمان،

"چچا آپ نہیں سمجھتے، آپ میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں کر سکتے، میں نے جو کچھ کہا ہے، صحیح کہا ہے!"

سلیمان،

"تم ابھی نادان ہو، تم فرض اور محبّت میں تفریق کر رہے ہو، لیکن نہیں جانتے تمہارا سب سے بڑا اور اہم فرض ماں کی خدمت ہے!"

عثمان،

"اور جہاد؟ ——— ؟"

سلیمان،

"وہ بھی فرض ہے، لیکن ثانوی، پہلا فرض نہیں، ماں کی خدمت مقدّم ہے، اور جہاد مؤخر، تم مسلمان ہو، لیکن اتنا نہیں جانتے!"

عثمان،

"جانتا ہوں، —— لیکن (ٹھنڈی سانس بھر کے) جہاد جہاد ہی ہے، اس کا مقابلہ کوئی فرض نہیں کر سکتا، ماں کی خدمت بھی نہیں، —— چچا آپ واپس جائیے، میں نہیں جاؤں گا، میں یہیں رہوں گا، جس طرح میں اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کر رہا ہوں، اسی طرح، میں نے اپنی ماں کی جان بھی خدا کے راستے میں بھینٹ چڑھا دی!"

سلیمان،

"لیکن بے وقوف لڑکے، —— تو اپنی جان کا مالک ہے، اپنی ماں کی جان کا نہیں، —— ہاں وہ تیری جان کی مالک ہے۔"

عثمان،

"آپ مجھے جہاد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں، میں آپ کی بات نہیں مانوں گا!"

سلیمان،

"میں تیرا دشمن نہیں دوست ہوں، ورنہ اتنی دُور سے کیوں آتا۔"

عثمان،

"ہاں آپ میرے دوست ہیں، لیکن نادان دوست، میں آپ کی بات نہیں مان سکتا!"

سلیمان،

"گویا تو نے فیصلہ کر لیا ہے، کہ ایک چھوٹا فرض ادا کرے گا، لیکن ایک بڑے

فرض کو نظر انداز کر دے گا، تیری مثال اس مسلمان کی سی ہے جو روزہ رکھتا ہے، نماز نہیں پڑھتا، حج کرتا ہے، زکوٰۃ نہیں دیتا، قرآن پڑھتا ہے، لیکن اس کے مفہوم ومعنٰی پر غور نہیں کرتا!"

عثمان،

" اور کہہ لیجئے، جو آپ کا جی چاہے۔ لیکن میں اپنے راستے سے نہیں ہٹ سکتا، یہ میرا آخری، اور اٹل فیصلہ ہے، ——— میں نے سمجھ لیا کہ میری ماں مر گئی، اب آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں، ——— جائیے، واپس جائیے!"

یہ باتیں سنکر سلیمان ضبط نہ کر سکا، اس نے عثمان کے منہ پر زور کا ایک چانٹا رسید کیا وہ گردن جھکا کر رونے لگا، خود سلیمان بھی ضبط نہ کر سکا، وہ اٹھا، اور عثمان کو کلیجہ سے لگا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اس نے کہا،

" میرے بچے مجھے معاف کر دے!"

عثمان نے جواب دیا،

" آپ میرے بزرگ ہیں، غلطی میری تھی، معافی مجھے مانگنی چاہئے!"

سلیمان،

" غلطی بڑوں سے بھی ہو سکتی ہے، اور ان کا بھی یہ فرض ہے کہ اسے تسلیم کر لیں، ——— اچھا ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے ہم حضرت ابن زبیر کی خدمت میں چلیں، وہ جو فیصلہ کر دیں گے، ہم دونوں اس کے پابند ہوں گے، ——— بول اب تو تجھے اعتراض نہیں!؟"

عثمان خوش ہو گیا، اس نے کہا،

" بالکل نہیں!"

---

(۱۴)

اٹل فیصلہ!

نمازِ مغرب کے بعد، عثمان اور سلیمان، حضرت عبداللہ بن زبیر کی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے، عثمان نے سلیمان کا تعارف کرایا، حضرت بہت تپاک اور حسنِ اخلاق سے پیش آئے، سلیمان نے حضرت سے اپنی عقیدت، اور ان کی دعوت سے اپنی قلبی وابستگی کا اظہار کرنے کے بعد ریحانہ کی مایوس کن علالت اور عثمان کے لئے اس کی بیقراری اور اضطراب کی تفصیل بیان کرنے کے بعد عرض کیا،

" یا حضرت میں صرف اس لئے حاضر ہوا تھا کہ اسے ریحانہ کی حالت سے اطلاع دوں اور واپس لے جاؤں، لیکن یہ نہیں مانتا۔"

حضرت نے عثمان کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا، اور فرمایا،

" تم کیوں نہیں جاتے؟ —— تمہیں تامل کیوں ہے جانے میں؟"

سلیمان،

" یہ سمجھتا ہے، کہ جہاد کا فرض، ماں کی خدمت پر مقدّم ہے!"

حضرت نے فرمایا،

" بالکل غلط —— ماں کی خدمت ہر چیز پر مقدم ہے، حتیٰ کہ جہاد پر بھی۔"

عثمان،

" یاحضرت کیا واقعی یہی بات ہے ؟"

حضرت نے فرمایا،

" ہاں، ـــــــ تم نہیں جانتے ماں کتنی بڑی نعمت ہے، اور خدا نے ماں کو کتنا بڑا اور بلند درجہ مرحمت فرمایا ہے، تمہیں فوراً اپنی ماں کے پاس واپس جانا چاہئے، کیا تمہیں نہیں معلوم میں نے پہلے اپنی والدۂ محترمہ سے اجازت لے لی، پھر جہاد کا فیصلہ کیا ؟ ـ تمہارا سب سے بڑا جہاد ماں کی خدمت ہے، اس میں تمہیں دوہرا ثواب ملے گا ـــــــ !"

عثمان،

" یاحضرت، دوہرا ثواب کیسا ؟"

حضرت نے فرمایا،

" ماں کی خدمت کا، اور جہاد کا ."

عثمان،

(خوش ہوکر) " تو اگر میں چلا جاؤں تو بھی میرا جذبۂ جہاد رائگاں نہیں جائے گا؟ مجھے جہاد کا ثواب ملے گا ؟"

حضرت نے ارشاد فرمایا،

" ہاں ضرور ملے گا "

عثمان،

" تو اب میں بڑی خوشی سے جاؤں گا ."

حضرت ابن زبیر،

" جاؤ، جب خدا انہیں صحت دے، اور وہ اجازت دیں، تو پھر تم شوق سے واپس آسکتے ہو!"

عثمان،

" وہ ضرور واپس آنے کی اجازت مجھے دیں گی، بچپن سے وہ مجھے مجاہدوں کے قصے سناتی آئی ہیں، اور دعائیں کرتی رہی ہیں کہ خدا مجھے ایک مجاہد بنائے۔"

سلیمان،

" آمین!"

حضرت ابن زبیر،

" انشاء اللہ، ان کی یہ دعا ضرور پوری ہوگی، ماں کی دعا بہت جلد مقبول ہوتی ہے، ذرا سوچو تو وہ اپنے بچے کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھاتی ہے، کیسے کیسے مصائب سہتی ہے، کیسی کیسی دشواریوں کا مقابلہ کرتی ہے، اُس سے بڑھ کر اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرنے کا حق اور کسے ہو سکتا ہے؟ خدا کے دربار میں ماں سے بڑھ کر اور کس کی سفارش ہو سکتی ہے؟"

عثمان،

" یا حضرت میری تشفی ہو گئی، اب میں پورے انشراح قلب کے ساتھ جاؤں گا لیکن رہ رہ کر ایک خیال دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔"

حضرت ابن زبیر،

" وہ کون سا خیال؟"

عثمان،

"ابھی کل کی بات ہے، کہ حضور کے مواجہ میں، میں نے ایک تقریر کی تھی، اور لوگوں کو جہاد پر اکسایا تھا، اور جب وقت آیا، تو میں میدان سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوں، میرے ساتھی مجھے بھگوڑا، اور بزدل کہیں گے!"

حضرت ابن زبیر،

"نہیں، یہ خیال دل سے نکال دو، ——— تم میدان جہاد سے پیچھے کب ہٹ رہے ہو؟ ایک میدان سے دوسرے میدان کی طرف جا رہے ہو، جس طرح یہ جہاد ہے، اسی طرح وہ بھی جہاد ہے، تم یہاں رہ کر بھی جہاد کا ثواب حاصل کرتے، اور وہاں جا کر بھی یہ ثواب حاصل کرو گے!"

سلیمان،

"بڑا نادان ہے، اتنی صاف، اور واضح بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی!"

عثمان،

"اب آگئی! بالکل آگئی!"

سلیمان،

"تو پھر اب چل"

عثمان،

"چلئے ———"

حضرت سے مصافحہ کر کے دونوں اٹھ کھڑے ہوئے، چلتے چلتے عثمان نے کہا
"یا حضرت دعا کیجئے کہ میں اپنی ماں کو زندہ پاؤں، اور جلد از جلد حضور کے قدموں میں پھر پہنچ جاؤں!"

" حضرت نے فوراً ہاتھ اُٹھا کر دعا کی، اور تسلی دیتے ہوئے کہا،
" تم بالکل نہ گھبراؤ، خدا پر بھروسہ رکھو، انشاء اللہ تم اپنی ماں کو زندہ پاؤ گے
اور مجھے امید ہے تم بہت جلد یہاں واپس آؤ گے!"
سلیمان اور عثمان، حضرت کے دربار سے خوش خوش واپس چلے آئے۔
گھر پہنچنے کے بعد، سلیمان نے عثمان سے پوچھا،
" تو پھر اب کب ارادہ ہے؟"
عثمان،
" صبح نماز فجر کے بعد"
سلیمان،
" آج ہی نماز عشاء کے بعد کیوں نہیں؟"
عثمان،
" مجھے ایک سانڈنی کا انتظام بھی تو کرنا ہے"
سلیمان،
" میرے پاس بھی تو سانڈنی ہے، کیا وہ کام نہیں دے سکتی!"
عثمان،
" اس پر آپ بیٹھیں گے، پھر آپ کے ساتھ سامان بھی تو ہے!"
سلیمان،
" یہ تم سے کس نے کہا کہ میں بھی واپس جا رہا ہوں؟"
عثمان،

(حیران ہوکر) "یعنی آپ نہیں جائیں گے؟"

سلیمان،

"ہرگز نہیں جاؤں گا!"

عثمان،

"لیکن یہ کیوں؟"

سلیمان،

"تم تو دوہرے ثواب لوٹو، دو دو جہادوں کی عزت حاصل کرو، اور میں ایک ثواب بھی نہ پاؤں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

عثمان،

"یعنی آپ حضرت کے لشکر میں ——"

سلیمان،

"ہاں —— میں حضرت کے لشکر کا ایک سپاہی بن کر یہاں رہوں گا —— تمہارے لئے دعا کروں گا، اور تمہارا انتظار کرتا رہوں گا!"

عثمان،

"یہ نہیں ہوسکتا، آپ ساتھ چلیں، اور جب میں واپس آؤں، تو آپ بھی آجائیں"

سلیمان،

"ہوسکتا تھا، اگر میری ماں زندہ ہوتی، لیکن وہ مرچکی ہے، میں بے فکر ہوں — تم اپنی منزل کھوٹی نہ کرو، جاؤ، عذرا اور عائشہ سے میری خیریت کہدینا، —— خدا حافظ!"

عثمان کوئی جواب نہ دے سکا، چپ چاپ چلا گیا!

(۱۵)

بہی کھاتہ

عثمان کو بھیجکر، سلیمان کے دل کا بوجھ اُتر گیا، ——— اُسے آج سے ایک نسل پہلے کا وہ زمانہ یاد آگیا، جب ریحانہ، ایک نوعمر اور نوخیز لڑکی تھی، جب اُس کے حسن و جمال کا چرچا، قبیلہ کے ہر گھر میں ہوتا تھا، جب اس کے اُمیدواروں میں وقت کے بہت سے اولوالعزم، اور حُسن پرست نوجوان شامل تھے، جب اس کی نگاہ تیر و خنجر کا کام کرتی تھی، جب اس کی آواز سحر و اعجاز کی یاد تازہ کرتی تھی، جب اس کی تعریف میں شعراء قصیدے کہتے تھے، جب اُسے دیکھنے کے لئے لوگ نقد جاں نثار کرنے کو تیار رہتے تھے، ——— آج وہی خوبصورت اور طرح دار و نازک بدن، اور گلفام لڑکی، ایک بوڑھی عورت بن چکی ہے، جس کے لئے حُسن پرست نگاہوں میں کوئی کشش نہیں، جس کی آواز سننے کی حسرت کسی کے دل میں نہیں پیدا ہوتی، جس کا دیدار کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا، جس کی زندگی اور موت سے کسی کو، حتیٰ کہ اس کے شوہر تک کو کوئی دلچسپی نہیں!

لیکن نہیں ———!

ایک شخص ہے جواب بھی اس دُنیا میں اُسے سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے،

جس کی نگاہ میں اب بھی اس کی وقعت اور محبت ہے، جو اب سے تین ۳ سال پہلے تھی!

وہ شخص ہے سلیمان!

سلیمان سوچنے لگا، زمانہ کتنا برق خرام ہے، ابھی کل کی بات معلوم ہوتی، جب، ریحانہ کو میں نے دیکھا تھا، اور دیکھتا رہ گیا تھا، اسے دیکھ کر میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، اس کی مسکراہٹ میرے لئے قیامت سے کم نہ تھی، اس کے تبسم میں مجھے زندگی ملتی تھی، زندگی کی ہلچل اور شورش ملتی تھی، اس کی باتوں میں، میرے لئے کیا کچھ نہ تھا۔ —— نشاط، مسرت طرب، سب کچھ نہ جانے کیا کیا؟ میں اس کے نقش قدم کو دیکھتا تھا، اور جی چاہتا تھا اسے آنکھوں سے لگاؤں، میں اس کی حسین وجمیل دل فریب اور طرب خیز باتیں سنتا تھا، اور جی چاہتا تھا کہ بس سنتا رہوں، یہاں تک کہ یہ زندگی ناپائدار ختم ہو جائے، میں اسے دیکھتا تھا تو اپنے اندر ایک نئی ترنگ اور امنگ محسوس کرنے لگتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی نخلستان میں، کسی گھاٹ کے کنارے، صحرا کے کسی عارضی ٹیلے پر ہم ٹیلے پر بیٹھے ہیں، اور پہروں ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے تھے ہم میں سے کوئی بھی تو باتیں کرتے کرتے نہیں تھکتا۔

پھر وہ اپنی اوڑھنی سنبھالتی ہوئی اٹھتی تھی، اور چلی جاتی تھی، —— ایک دل نواز تبسم کے ساتھ!

وہ چلی جاتی تھی، اور میں اسے تکا کرتا تھا، دیکھا کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی، نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی میرے تصور کی نگاہ اسے دیکھتی رہتی تھی، —— دیکھتی رہتی تھی، نہ جانے کب تک، دھوپ ڈھل جاتی تھی، سورج تھک کر غروب ہونے کی تیاریاں کرنے لگتا تھا، لیکن میری نگاہیں اپنا کام کرتی رہتی تھیں، وہ اسے دیکھتی رہتی تھیں

تکتی رہتی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ یہیں ہے، میرے پاس، میرے قریب، میرے دل کے بالکل قریب بیٹھی، میرے دل کی دھڑکن سُن رہی ہے، اور مسکرا رہی ہے، ——— ریحانہ کے پاس ایک ہی تو پونجی تھی، ——— تبسّم! ——— دل نواز اور روح پرور تبسّم!

اسی طرح محبت کرتے کئی سال گزر گئے، ! جیسے جیسے زمانہ گزرتا رہا، ہماری محبت پختہ ہوتی رہی، ترقی کرتی رہی، بڑھتی رہی، جیسے عشق پیچاں کا درخت، بڑھتا ہے تو آس پاس کے سارے رقبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، یہی کیفیت میری محبت کی تھی، میری محبّت نے ریحانہ کے وجود کو ڈھانپ لیا تھا، بغیر میرے ذکر کے ریحانہ کا ذکر لوگوں کی مجلس میں کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتا تھا،

سب لوگ یہ سمجھتے تھے، میری اور ریحانہ کی شادی ہو جائے گی!

اور یہ بات مشکل ہی کون سی تھی، ریحانہ کے ماں باپ مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے، وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ ریحانہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں پکڑا دیں، ریحانہ بھی یہی سمجھتی تھی، اس کا خیال تھا وہ میری بن چکی ہے، وہ بھی تو مجھ سے محبت کرنے لگی تھی، ایک روز میں نے اس سے پوچھا تھا،

"ریحانہ کیا تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

وہ کہنے لگی،

"ہاں کرتی ہوں!"

میں نے پوچھا،

"مجھ میں وہ کون سی بات ہے جو تمہیں پسند آگئی؟"

وہ بولی،

" یوں تو بہت سی باتیں ہیں، لیکن سب سے زیادہ جو چیز مجھے تمہاری پسند ہے جانتے ہو
وہ کیا ہے ؟"

میں نے کہا،

" میں کچھ نہیں جانتا، تم ہی بتاؤ!"

اس نے ایک ادا سے مجھے دیکھا اور کہا،

" تمہاری پاک بازی سے، ——— اتنے دنوں میں تمہاری آنکھوں نے، تمہاری زبان نے، تمہارے ہاتھوں نے کبھی بھولے سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی، جس سے میں سمجھتی کہ تم پاکبازی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ سکتے ہو، حالانکہ ہم گھنٹوں اور پہروں تنہائی میں بیٹھے، جہاں خدا کے سوا ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا، ——— کیا یہ کوئی معمولی بات ہے !"

اور پھر اس نے پہلے سے قیامت خیز ادا کے ساتھ میری طرف دیکھکر آنکھیں جھکا لیں،

اور پوچھا،

" ایک بات پوچھوں بتاؤ گے ؟"

میں نے کہا،

" تم کوئی بات پوچھو، اور میں نہ بتاؤں، ——— ضرور بتاؤں گا!"

اس نے لجاتے ہوئے کہا،

" کیا شادی کے بعد بھی، میں تمہاری نگاہ میں اتنی ہی عزیز و محترم رہوں گی!"

بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا،

" نہیں، ———"

وہ چونک پڑی، کچھ نہ بولی، حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی، میں نے کہا،

" اپنی نظروں میں تم کو ہمیشہ عزیز اور محترم رکھنے کے لئے جانتی ہو میں نے کیا تدبیر سوچی ہے؟"

اس کے منہ سے پھر کوئی لفظ نہ نکلا، البتہ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی رہیں،

میں نے اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھتے ہوئے کہا،

" میں نے سوچا ہے کہ تم سے شادی نہ کروں!"

یہ سنتے ہی اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا، وہ کچھ خفا سی ہو گئی، اس نے اپنے معصوم دل میں میرے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اپنے دل میں ایک چھوٹی سی دُنیا بسائی تھی، ایک نئی، نرالی، اور بڑی من موہنی دُنیا! ——— میرے یہ الفاظ سنکر اسے ایک دھچکا سا لگا، ——— میں نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی، میں نے کہا،

" ریحانہ تم مجھے غلط نہ سمجھو، میں تم سے بھاگتا نہیں، ہمیشہ کے لئے تمہارا بن جانا چاہتا ہوں، ———!"

وہ بات کاٹ کر بولی،

" ہمیشہ کے لئے الگ رہ کر؟"

میں نے کہا،

" ہاں، ——— دوری عشق کو بڑھاتی ہے، نزدیکی اسے ختم کر دیتی ہے، ہم دونوں اگر ایک دوسرے کے رفیق زندگی بن گئے، تو جانتی ہو کیا ہو گا؟"

وہ بے دلی کے ساتھ بولی،

" بتائیے کیا ہو گا؟"

میں نے کہا،

" ہم تم ایک سطح پر آجائیں گے، ممکن ہے کبھی مجھے تمہاری، اور تمہیں میری کوئی

بات ناگوار بھی گزرے، میں شوہر بن جاؤں گا، تم بیوی بن جاؤگی، پھر ہمارے ہاں اولاد ہوگی ——— پھر کچھ تقاضے ہوں گے، جو ہم دونوں کے دل میں پیدا ہوں گے، میں شوہر کی حیثیت سے تم سے کچھ مطالبات رکھوں گا، تم بیوی کی حیثیت سے مجھ سے کچھ مطالبات رکھوگی پھر ہماری زندگی کاروبار بن جائے گی، محبّت نہ رہے گی، میں محبت کا تقدس اور احترام زندگی کی آخری سانس تک قائم رکھنا چاہتا ہوں، میں تمہیں اپنی سطح پر نہیں لانا چاہتا، اسی سطح پر رکھنا چاہتا ہوں، جہاں تم ہو، میں شوہر نہ بن کر زندگی بھر تمہیں پوج سکتا ہوں، لیکن اپنی ذات پر مجھے ہرگز اتنا اعتماد نہیں کہ یہ سمجھ لوں کہ شادی کے بعد بھی، میری یہ وضعداری اسی شان سے نبھتی چلی جائے گی، پھر ایک بات اور بھی یاد رکھو، محبّت کا سوز بڑی قیمتی چیز ہے میں اس نعمت کو کھونا نہیں چاہتا، ——— پالینے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ذوقِ تجسّس ختم ہوگیا اور کھو دینے کا مطلب یہ ہے کہ تلاش کا جذبہ کچھ اور بڑھ گیا، میں تمہیں پاکر اتنے نفع میں نہیں رہوں گا جتنا کھو کر، ممکن ہے تم مجھے بے وقوف سمجھو، لیکن ایک وقت آئے گا کہ تم میری ان باتوں کا وزن محسوس کروگی!"

میری یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں، وہ چُپ ہوگئی!

پھر اس کی شادی قبیلہ کے ایک شریف نوجوان حسّان کے ساتھ ہوگئی!"

پھر وہ ایک خوبصورت سے بچّہ کی ماں بن گئی،

اور، ——— پھر اس کی جوانی کا سورج ڈھل گیا، اور وہ بوڑھی ہوگئی!

اس طویل وقفہ میں، اس نے میری باتوں کو پرکھا، اور ایک ایک کو سچ پایا!

——— اور اتنے تجربوں کے بعد وہ میری قائل ہوئی!

قبیلہ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح حسّان بھی اس کے عشق کا دم بھرتا تھا،

اس شادی سے وہ اتنا خوش تھا جس کی انتہا نہیں، شادی کے بعد وہ ایک شریف شوہر ثابت ہوا، لیکن سچا عاشق نہیں، میں اس کا شوہر نہ بن سکا، لیکن میری سچی محبت بڑھتی ہی رہی، اس پر زوال نہیں آیا، وہ کم نہیں ہوئی!

حسان کاروبار اور تجارت کے پیچھے سرگرداں ہے، آج یہاں، کل وہاں، اور میں ——— ؟ اس ساری مدت میں، دل و جان سے میں اسے چاہنے کے سوا کچھ نہ کرسکا، اگرچہ نہ میں نے اپنی بیوی کا حق مارا، نہ اپنی بچّی کا، بیوی کا حق بیوی کو دیا، اور بچّی کا بچّی کو، اور اپنے آپ کو ریحانہ کے قدموں میں ڈال دیا، میرا اور اس کا معاملہ حق اور حقوق کی زد میں کبھی آ ہی نہ سکا۔

آج وہ بیمار رہی، بیمار نہیں لب گور، ممکن ہے مر چکی ہو، میں اپنی جان دے کر بھی اسے نہیں بچا سکتا، اگر یہ ممکن ہوتا تو میں بڑی خوشی اور فخر سے اپنی زندگی اس کی زندگی پر قربان کر دیتا ——— لیکن میں نے غلط سوچا، میں نے اس کی جان بچا لی، عثمان اس کی زندگی ہے، میں نے اس کی زندگی اسے واپس کر دی، وہ اب بچ جائے گی وہ اب زندہ رہے گی!——— اور پھر نہ جانے کیوں دفعتہً اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے!

(۱۶)

چال

سلیمان کے جانے کے دوسرے دن، عذرا نے عائشہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا،

" بیٹی، میں دیکھتی ہوں، تیرا چہرہ اب بھی اُترا ہوا ہے، تو کچھ پریشان اور مضمحل سی دکھائی دیتی ہے، پوچھتے پوچھتے تھک گئی، لیکن نہ تو منہ سے بولتی ہے نہ سر سے کھیلتی ہے!"

وہ ایک ادا کے ساتھ بولی،

" اماں آپ تو یونہی نہ جانے کیا سمجھ رہی ہیں، کوئی بات بھی تو نہیں ہے!"

عذرا نے ماں کی پوری کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا،

" میں تجھ سے بحث تو کرتی نہیں، لیکن تیری حالت آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں، خیال جھٹلایا جاسکتا ہے، مشاہدہ نہیں جھٹلایا جا سکتا ———— لیکن خیر اس عمر میں کبھی کبھی یہ انجان پنے کی کیفیت طاری بھی ہو جایا کرتی ہے!"

بڑی معصومیت کے ساتھ عائشہ نے پوچھا،

" اماں پھر اس کے دور کرنے کی ترکیب؟"

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، عذرا نے کہا،

" جا بیٹی دیکھ کون آیا ہے؟"

وہ جاتی ہوئی بولی،

" نعمان چچا ہوں گے، ——— وہی آج کل پھیرے پر پھیرے لگا رہے ہیں!"

عائشہ نے دروازہ کھولا، تو واقعی نعمان کھڑا تھا، اس نے بڑی محبت بھری نظروں سے عائشہ کو دیکھا اور کہا،

" بیٹی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

وہ بولی،

" آپ کی دعا ہے!"

نعمان،

" عذرا بہن کہاں ہیں؟"

عائشہ،

" اندر بیٹھی ہیں، ——— آیئے!"

نعمان عائشہ کے ساتھ اندر پہنچا، عذرا اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی، نعمان نے بیٹھتے ہوئے کہا،

" کہو سلیمان کی کوئی خبر آئی؟"

عذرا تبسّم ضبط نہ کر سکی،

" آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں، کل رات کو تو وہ سدھارے ہیں، اتنی جلدی خبر کہاں سے آجائے گی؟"

نعمان داڑھی کھجانے لگا،

" ہاں یہ تو ٹھیک ہے!"

عذرا سے ضبط نہ ہو سکا، پوچھ بیٹھی،

"کوئی خاص کام ہے اُن سے ؟"

وہ بولا،

"ہاں ہے تو بڑا ضروری کام، لیکن جب تک وہ نہ آجائیں کیا ہو سکتا ہے ؟"

عذرا نے بات کو طول نہ دینا چاہا،

"ہاں اور کیا !"

تھوڑی دیر خاموشی رہی، پھر نعمان نے اپنے خیالات مجتمع کرتے ہوئے کہا،

"میں بھی کچھ عجیب خبط الحواس سا ہو گیا ہوں، اس وقت میں سلیمان کے سلسلہ میں نہیں آیا تھا !"

عذرا،

"پھر کیا بات تھی ؟"

نعمان،

"سلمیٰ کئی دن سے کہہ رہی تھی کہ عذرا بہن سے ملنے کا بے حد جی چاہتا ہے، میں جاؤں گی، میں جاؤں گی، میں جاؤں گی، آج میں قبیلہ کا گشت کر کے گھر پہنچا، تو سلمیٰ وہاں نہیں تھی، میں سمجھا شاید یہاں آئی ہو گی، !"

عذرا،

"نہیں یہاں تو نہیں آئیں، بھلا ہم غریبوں کے ہاں وہ کیوں آنے لگیں ؟ !"

نعمان،

"توبہ کرو، غریب اور امیر کا کیا سوال۔ رہے بیٹھیں، سلیمان سے میرے جتنے پُرا-

اور گہرے تعلقات ہیں؛ ساری دُنیا جانتی ہے، اور میں تو اب تک اس خوش فہمی میں تھا کہ سلمیٰ سے تمہارا ابھی بڑا گہرا بہناپا ہے!"

عذرا،

"ہے تو، لیکن ادب آداب کے ساتھ، کہاں وہ کہاں ہم، مہینوں ملاقات نہیں ہوتی، میں بھی کچھ گھر کے کاموں میں ایسی الجھی رہتی ہوں کہ کئی دفعہ سوچا اپنی آن توڑوں، اور مل آؤں جاکر، لیکن کمبخت گھر کے بکھیڑے فرصت ہی نہیں لینے دیتے، اور آج کل پر معاملہ ٹل جاتا ہے"۔

نعمان،

"خیر کوئی بات نہیں، فرصت نہیں ملی نہ سہی، اس سے تعلقات تھوڑی کمزور ہوتے ہیں!"

عذرا،

"امید تو یہی ہے"

نعمان،

"میرے خیال میں سلمیٰ یہیں کے ارادے سے گھر سے نکلی ہے، معلوم ہوتا ہے راستہ میں کہیں اور اٹک گئی، شاید آتی ہی ہو"۔

عذرا،

"دیکھتے ہیں آپ کا خیال کہاں تک سچ ہے"۔

نعمان،

"دیکھ لینا، ——— اچھا میں تو ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں، لیکن وہ آئیگی ضرور، (مسکرا کر) اس کی دعوت کا انتظام کر رکھو!"

عذرا،

"گھر والوں سے کوئی تکلّف نہیں ہوتا، میں تو سلمیٰ کو اپنی بہن سمجھتی ہوں، آجائینگی جو کچھ گھر میں ہوگا کھالیں گی!"

نعمان،

"اور کیا، میں تو مذاق کر رہا تھا، ——— اچھا میں تو چلا۔"

عذرا،

"لیکن جب سلمیٰ بہن آ رہی ہیں تو آپ کیوں جا رہے ہیں، بیٹھئے!"

نعمان،

"ضرور بیٹھتا، لیکن ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، پھر آجاؤں گا!"

عذرا،

"تو پھر ایسا کیجئے، کہ گھوم پھر کے کھانے کے وقت آجایئے، سلمیٰ بہن بھی ہوں گی، آپ بھی کھا لیجئے گا!"

نعمان،

"تم جانتی ہو، میں تکلّف نہیں کرتا، لیکن میری ایک جگہ دعوت ہے، ——— اسی لئے تو اطمینان سے سلمیٰ آ رہی ہے، وہ تو کچھ زیادہ کھاتی نہیں، لیکن یہ خلیل بڑا اپیٹو ہے، میرے حصّہ کا کھانا بھی اسی کو کھلا دینا، ماں کے ساتھ وہی آئے گا!"

یہ کہکر نعمان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، اور چلا گیا۔

نعمان کے جانے کے بعد، عائشہ نے کہا،

"اماں میں سمجھ گئی، نعمان چچا کیوں بار بار آ رہے ہیں، سلمیٰ خالہ کس لئے آنے والی ہیں

اور ان کے ساتھ خلیل صاحب کیوں ہوں گے ؟"

عذرا،

" ہاں کچھ کچھ سمجھ تو میں بھی رہی ہوں۔"

عائشہ،

" لیکن ایک بات سُن لیجئے خوب غور سے۔"

عذرا،

" کون سی بات ؟"

عائشہ،

" میں خلیل سے اتنی ہی نفرت کرتی ہوں، جتنا کوئی مسلمان شیطان سے کرتا ہے !"

عذرا ہنسنے لگی۔

" لیکن بیٹی آئے ہوئے مہمان کو لوٹایا تو نہیں جاسکتا، ذرا یہ بھی تو سوچ !"

عائشہ،

" میں کب کہتی ہوں، انہیں لوٹا دیجئے، ــــ میں خود چلی جاتی ہوں یہاں سے!"

عذرا،

" کچھ پاگل ہوئی ہے ؟ کہاں جائے گی ؟"

عائشہ،

" ریحانہ خالہ کے ہاں ــــ وہ بہت بیمار ہیں، ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں، حسّان خالو نہ جانے کہاں گئے ہیں، اور کب آئیں گے، ابا جان ان کی دیکھ بھال، اور تیمارداری کیا کرتے تھے، کسی ضروری کام کے باعث وہ بھی مکّہ چلے گئے، رہ گئے نوکر چاکر

تو انہیں کیا پڑی ہے کہ سچّے دل سے خدمت کریں، ——— میں جاؤں گی، مجھے
جانے دو، میری امّاں!"

عذرا،
"میں منع نہیں کرتی!"
عائشہ خوش ہو گئی!

---

(۱۷)

ناخواندہ مہمان

عائشہ نے جلدی جلدی کپڑے بدلے، ضروری چیزوں کی ایک پوٹلی بغل میں دبائی اور گھر کی ایک ملازمہ کے ساتھ ریحانہ کے ہاں چلی گئی۔

عائشہ کو گئے ہوئے مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے، کہ سلمیٰ آگئی ــــ خلیل بھی اس کے ساتھ تھا!

عذرا نے بڑے تپاک اور خوش اخلاقی کے ساتھ ان ناخواندہ مہمانوں کا استقبال کیا، خلیل نے بڑے ادب کے ساتھ عذرا کو سلام کیا، اس نے دعا دی، سر پر ہاتھ پھیرا، اور محبّت بھرے لہجہ میں پوچھا،

"بیٹے اچھے تو رہے، ــــــــ بہت دنوں میں آئے!"

خلیل،

"جی ہاں ادھر کچھ ایسا مصروف رہا کہ حاضر ہی نہ ہو سکا، ورنہ میرا تو یہی چاہتا ہے کہ ــــــــــ"

سلمیٰ،

"آپ ہی کے پاس بیٹھا رہوں، کیوں رے یہی کہہ رہا تھا نا؟"

ترس رہی ہیں۔"

عذرا،

"لیکن وہ ہو بھی یہاں"

سلمیٰ،

"کیا کہا، ؟ ——— وہ یہاں نہیں ہے ؟"

عذرا،

"نہیں، ہوتی تو آنہ جاتی۔"

سلمیٰ،

"کہیں پاس پڑوس میں گئی ہوگی، آجائے گی، ذرا دیر میں"

عذرا،

"وہ ریحانہ بہن کے ہاں گئی ہے ——— بیچاری بڑی سخت بیمار رہیں کئی دن سے

سلمیٰ،

"اے ہوگا، بیمار ہیں تو ہم کیا کریں، تم بھی عجیب چیز ہو، لے کے وہاں بھیجدیا عائشہ کو

عذرا،

"کیوں، اس میں کیا ہے ؟"

سلمیٰ،

"نہ جانے کیا بیمار ہیں، کیسی بیماری ہے، میری تو آج تک ہمت نہیں پڑی، انہیں دیکھنے جانے کی، اور تم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اٹھا کے میری چاندسی بچّی کو وہاں بھیج دیا۔"

عذرا،

"ہاں بہن یہ تو تم نے ٹھیک کہا، لیکن اب تو وہ گئی، وہ بیچاری تو جابھی نہیں رہی تھی میں نے زبردستی بھیجا ہے اُسے۔"

سلمیٰ

"حد کردی حماقت کی، آخر کیا ضرورت تھی تمہیں زبردستی کرنے کی؟ ——— ایسی ہی بھاری تھی وہ تم پر تو میرے پاس بھیجدیا ہوتا میری بچّی کو، میں رکھتی اسے کلیجہ سے لگاکر، ——— جلدی آنے کی تاکید کردی ہے نا؟"

عذرا،

"ہاں کر تو دی ہے۔"

سلمیٰ،

"تو آتی ہی ہوگی پھر۔"

عذرا،

"اتنی جلدی کیسے آئے گی۔"

سلمیٰ،

"پھر کیا دو چار روز میں آئے گی؟"

عذرا،

"اور کیا، ——— تیمارداری کو گئی ہے، کچھ صورت دکھانے تو نہیں گئی ہے ——— ریحانہ کے گھر سے، اور ہمارے گھر سے جو گہرے تعلقات ہیں، ان کا تقاضہ بھی یہی تھا، کہ وہ وہاں جاتی!"

سلمیٰ،

عذرا،

" یہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی، بہت پرانی ہو چکی ہے، کوئی نئی بات کہو!"

سلمیٰ،

" کہیں گے، ذرا انتظار کرو، سلیمان بھائی مکّہ سے واپس آلیں تب!"

خلیل نے کہا،

" اماں چلو ریحانہ چچی کو دیکھ آئیں!"

سلمیٰ سہم کر بولی،

" اے نوج، میں جاؤں، ——— نہ تجھے جانے دوں گی! چپ چاپ بیٹھ لڑکے!"

(۱۸)

جلے دل کے پھپھولے

عذرا نے لاکھ لاکھ اصرار کیا، مگر خلیل نے کھانا نہیں کھایا، مجبوراً سلمیٰ کو بات بنانا پڑی۔

" رات سے اس کی طبیعت خراب ہے، کل اس نے نہ جانے کیا کیا الّم غلّم کھا لیا تھا، ورنہ تم سے کوئی تکلّف تو ہے نہیں!"

عذرا، اور سلمیٰ جب کھانا کھانے بیٹھیں تو خلیل اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا،

" میں جاتا ہوں!"

سلمیٰ،

" کہاں جاتے ہو، ساتھ چلنا"

خلیل،

" نہیں میں جاتا ہوں"

عذرا،

" بیٹھو نا بیٹے، چلے جانا، اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو آئے ہو!"

خلیل،

" ابھی کہاں، بڑی دیر ہو گئی، اور مجھے اس وقت ایک بہت ضروری کام سے ایک جگہ

جاناہے، ورنہ کوئی بات نہ تھی !"

سلمیٰ اُٹھ کھڑی ہوئی،

" اچھا بہن اب اجازت دو، سلیمان بھائی آئیں تو انشاءاللہ پھر آؤں گی !"

خلیل کے برہم تیور دیکھ کر سلمیٰ اپنے ارادہ کے خلاف جارہی تھی، اس بات کو عذرا نے محسوس کرلیا، اسی لئے زیادہ اصرار نہیں کیا۔

" اچھا، لیکن آنا ضرور!"

سلمیٰ،

" اے لو، آؤں گی کیوں نہیں، دھول لے لوں گی تمہارے گھر کی، گھبرانہ جاؤ میرے بار بار کے آنے سے تب کی بات !"

عذرا،

" منہ دھو رکھو، ایسا نہیں ہوسکتا، تم یہاں رہنے لگو، تب تو مجھے اور بھی خوشی ہوگی"۔

سلمیٰ نے جاتے جاتے کہا،

" دیکھیں گے !"

گھر پہنچنے کے بعد، سلمیٰ خلیل پر برس پڑی،

" بڑا بدتمیز ہے تو!"

خلیل،

" کیا کیا میں نے ؟"

سلمیٰ،

" تو نے شرمندہ کیا مجھے، یہ اک دم وہاں سے بھاگ کھڑے ہونے کی کیا سوجھی تھی؟"

خلیل،

" بیکار وہاں بیٹھ کر کیا کرتا ؟ ——— عائشہ تو تھی نہیں ؟

سلمیٰ،

" بے غیرت کہیں کا، ——— عائشہ نہیں تھی تو وہاں بیٹھنا ہی حرام تھا، عذرا ایک چالاک عورت ہے، وہ تیرے انداز کو اچھی طرح سمجھ گئی۔"

خلیل،

" سمجھ جائے، کیا کرلے گی ہمارا ؟"

سلمیٰ،

" کچھ تو پاگل ہو گیا ہے، ؟ ——— آج کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے ؟"

خلیل،

" میں تو نہیں وہ بڑھیا ضرور پاگل ہو گئی ہے، جس نے میرے آنے کا ذکر سنکر عائشہ کو ریحانہ کے ہاں بھیج دیا، اتنا غصّہ آیا ہے مجھے اس حرکت پر کہ بس چلتا تو چوٹی کاٹ لیتا اس کی۔"

سلمیٰ،

" یہ لو، ——— کسے کہہ رہا ہے تو ؟"

خلیل،

" تمہاری عذرا بہن کو، اور کس کو، اماں مجھے اس وقت بہت غصّہ آرہا ہے۔"

سلمیٰ،

" کس پر غصّہ آرہا ہے،"

خلیل،

" تم پر بھی، عذرا پر بھی، اور عائشہ پر بھی، تم تینوں مجرم ہو!"

سلمیٰ،

" وہ کیسے؟ ——— میری کیا خطا ہے؟ عذرا نے کیا بگاڑا ہے تیرا، اور عائشہ بیچاری تو وہاں موجود ہی نہ تھی، اُسے کیوں بیچ میں لے آیا تو؟"

خلیل،

" وہی بے چاری تمہاری عائشہ تو پس کی گانٹھ ہے، وہ قطعاً میرے آنے کا ذکر سُن کر ریحانہ کے ہاں گئی ہے۔"

سلمیٰ،

" یہ کیسے جانا تو نے؟"

خلیل،

" وہ مجھ سے جلتی ہے!"

سلمیٰ،

" عائشہ تجھ سے جلتی؟ ——— تو اس سے محبّت کرتا ہے، اور وہ تجھ سے جلتی ہے، پھر تو اس سے شادی کیوں کرنا چاہتا ہے؟"

خلیل،

" شادی تو میں کروں گا، اسی سے کروں گا، اور ضرور کروں گا، لیکن اگر اس بدتمیزی، اور بیہودگی کی سزا نہ دوں تو میرا نام خلیل نہیں۔"

سلمیٰ،

" کیا کہہ رہا ہے تو؟ ——— تو عائشہ کو سزا دے گا، شادی کے بعد؟"

خلیل،

" ہاں کیوں نہیں؟ جو سزا کے قابل کام کرے گا، اُسے سزا ہی ملے گی، انعام نہیں مل سکتا!"

سلمیٰ،

" اچھا ہوا تو نے ابھی سے بتا دیا، ——— اب بھیّا تو جانے اور عائشہ کے والدین جانیں، میں تو اب اس بیچ میں پڑتی نہیں۔"

خلیل،

" تم ہی نے تو آج مجھے ذلیل کرایا ہے۔"

" سلمیٰ،

" میں نے؟ میں نے؟"

خلیل،

" ہاں تم نے، صرف تم نے؟ کیا ضرورت تھی وہاں جانے سے پہلے کہلوانے کی کہ میں آ رہی ہوں، اور میرے ساتھ خلیل بھی آ رہا ہے؟"

سلمیٰ،

" تو اس میں کون سا غضب ہو گیا پگلے؟"

خلیل،

" دیکھ لیا تم نے؟ عائشہ کھسک گئی وہاں سے، اور اگر بے سان گمان دفعتہً وہاں پہنچ جاتیں، تو عائشہ بھی ملتی اور اس کا باپ بھی ملتا،"

سلمیٰ،

"بیٹے مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہو گا؟ میں کچھ عالم الغیب تو نہیں؟"

خلیل،

"میں تو ہوں؟ —— اسی لئے تو منع کر رہا تھا، لیکن تم تو یہ آس لگائے بیٹھی تھیں کہ تمہارے آنے کی خبر سُن کر وہ سولہ سنگار کر کے بیٹھے گی، اور تم جی بھر کے اس کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کرو گی! —— کر لیا نظارہ؟ طبیعت خوش ہو گئی؟"

سلمیٰ،

"مجھے ایسی جلی کٹی باتیں کیوں سنا رہا ہے لڑکے؟ کیا عائشہ کے نہ ملنے کا مجھے صدمہ نہیں؟"

خلیل،

تمہیں صدمہ ہے، اور مجھے غصّہ ہے، تم اپنا صدمہ بھول جاؤ گی، اور میرا غصّہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہو گا، جب تک میں انتقام نہ لے لوں! —— میں سب کچھ بھول سکتا ہوں، اپنی توہین نہیں بھول سکتا۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں، کہ نعمان داخل ہوا، اُسے دیکھ کر خلیل خاموش ہو گیا اور نعمان سے بغیر بات کئے برہمی کے عالم میں باہر نکلا چلا گیا۔

نعمان نے سلمیٰ سے پوچھا،

"ہو آئیں سلیمان کے ہاں؟"

وہ بولی،

"ہاں ہو آئی، لیکن عائشہ سے ملاقات نہ ہو سکی، وہ ریحانہ کے ہاں گئی ہوئی تھی

نعمان،

"کوئی مضائقہ نہیں، آج نہیں پھر سہی، کسی اور دن ہو آنا!"

سلمیٰ،

"ہو تو آؤں گی، لیکن تمہارے ضدّی لڑکے کو کون سمجھائے۔"

نعمان،

"کیوں کیا ہوا؟"

سلمیٰ،

"وہ بگڑ رہا ہے، کہتا ہے، عائشہ کا ریحانہ کے ہاں جانا، اور گھر پر نہ ملنا، میری توہین ہے، بڑے غصّہ میں ہے، وہ تو کہو تمہارا لحاظ کرتا ہے، تمہیں آتا دیکھ کر چپ ہو گیا۔"

نعمان،

(ہنس کر) "بچّہ ہے ابھی، ــــــ اس عمر میں سب ہی ایسے ہوتے ہیں، اس وقت غصّہ میں ہے، تھوڑی دیر میں سمجھا دینا، سمجھ جائے گا!"

سلمیٰ،

"مجھے تو اس سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے، ــــــ آج تو اُس نے وہ نیلی پیلی آنکھیں دکھائی ہیں کہ خدا کی پناہ!"

نعمان،

(قہقہہ لگا کر) "آخر عورت ہونا، ڈر گئیں، اچھا چھوڑو اس قصّہ کو، مجھ پر چھوڑ دو، میں کسی وقت سمجھا دوں گا، خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو، ورنہ ان باتوں میں رکھا کیا ہے؟"

---

(۱۹)

بستر علالت

عائشہ ریحانہ کے ہاں مجسّم قلق و اضطراب بن کر پہنچی تھی، وہاں پہنچ کر اس کا اضطراب سکون سے بدل گیا، خود بخود اس کا دل ٹھہر گیا، اور ایک اطمینان کی سی کیفیت محسوس کرنے لگی۔

ریحانہ کی حالت بدستور نازک تھی، کئی گھنٹے کی مسلسل بے ہوشی کے بعد اب اُسے ہوش آیا تھا، وہ عائشہ کو بہت پیار کیا کرتی تھی، بہت عزیز رکھتی تھی اسے، اپنے سرہانے بیٹھا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی، اُس نے کمزور، اور نحیف آواز میں پوچھا،

"میری بچی تو کب آئی؟"

وہ بولی،

"تھوڑی دیر ہوئی آئی ہوں، ——— خالہ اب میں آپ کے پاس رہوں گی جب تک آپ اچھی نہیں ہو جائیں گی ———!"

ریحانہ نے پوچھا،

"کیا تجھے اُمید ہے میں اچھی ہو جاؤں گی؟"

عائشہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے!

"انشاء اللہ آپ ضرور اچھی ہوں گی، کیوں نہیں ہوں گی، دُنیا میں کون ہے جو بیمار نہ پڑتا ہو، جیسے سب اچھے ہوتے ہیں آپ بھی ہو جائیں گی!"

ریحانہ نے اپنا کمزور ہاتھ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر، عائشہ کے سر پر رکھ دیا اور بولی،

"میری بچّی!"

عائشہ نے سر جھکا دیا، اور محبّت بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگی، پھر ریحانہ نے پوچھا،

"تیرے باپ سلیمان نہیں آئے آج!"

عائشہ نے کہا،

"خالہ جان، وہ تو مکّہ گئے ہیں!"

ریحانہ میں طاقت آگئی،

"مکّہ گئے ہیں؟"

"جی کل رات کو بڑی تیز رفتار سانڈنی پر بیٹھ کر!"

ریحانہ کے چہرے پر رونق آگئی!

"ہاں، —— وہ مکّہ گئے ہیں —— میری زندگی لینے، عائشہ تو کتنی خوش قسمت ہے، کتنے اچھے باپ کی بیٹی ہے تو!"

وہ بولی،

"آپ جیسی ماں جسے مل جائے، اس کی خوش قسمتی پر تو رشک کرنے کا جی چاہتا ہے"

"تجھے معلوم ہے سلیمان نے مکّہ کا سفر کیوں اختیار کیا ہے"؟

عائشہ نے جواب دیا،

" جی ہاں جانتی ہوں، وہ کہہ رہے تھے، ریحانہ کا دم لبوں پر اٹکا ہوا ہے، عثمان کی یاد نے اُسے زندگی، اور موت کی کش مکش میں گرفتار کر رکھا ہے، وہ ماہیٔ بے آب کی طرح عثمان کی یاد میں تڑپ رہی ہے، اور وہ نالائق اس سے دُور، بہت دور مکّہ میں بیٹھا ہے، مجھ سے ریحانہ کی حالت دیکھی نہیں جاتی، میں جاؤں گا، اور اُسے لے کر آؤں گا، ـــــــ یہ کہہ کر وہ اسی وقت ـــــ آدھی رات کو ـــــــ

ریحانہ،

" آدھی رات کو ؟"

عائشہ،

" جی ہاں، اسی وقت آدھی رات کو سانڈنی کسی، اور روانہ ہوگئے ۔"

ریحانہ،

" عذرا نے منع نہیں کیا، اتنے ناوقت سفر پر جانے کو ؟"

عائشہ،

" نہیں، وہ تو آپ کا ذکر سنکر رونے لگیں، انہوں نے ابا سے کہا، جاؤ فوراً جاؤ اور جس طرح بنے عثمان کو لے کر آؤ ۔"

ریحانہ،

" عذرا عثمان کو چاہتی ہے ؟"

عائشہ،

" جی بہت زیادہ، وہ تو اکثر عثمان کو یاد کیا کرتی ہیں، ـــــ جب یہاں تھے

تو ہمارے یہاں اکثر آیا کرتے تھے!"

ریحانہ،

" بہت شرارتیں کرتا ہوگا؟"

عائشہ،

" جی بالکل نہیں، شرارت ذرا بھی نہیں کرتے تھے۔"

ریحانہ،

" پھر بیٹھا بیٹھا کیا کرتا تھا؟"

عائشہ،

" اچھی اچھی باتیں کرتے تھے، کہانیاں سناتے تھے، پرانے شعراء کے اشعار پڑھتے تھے۔"

ریحانہ،

" اور —— اور ——؟"

عائشہ،

" شوقِ جہاد کا اظہار کیا کرتے تھے۔"

ریحانہ،

" ہاں میرا بچہ مجاہد ہے۔"

عائشہ،

" ایمان دار مجاہد!"

ریحانہ،

" تیری نظروں میں اس کی وقعت ہے؟"

عائشہ،

" جی بہت زیادہ!"

ریحانہ،

" کیوں بھلا؛ آخر کس لئے؟"

عائشہ،

" میں نے اُن سے اچھا آدمی نہیں دیکھا، بہادر، نڈر، با ادب، شریف، نیک، پاک نہاد، ——"

ریحانہ،

" ارے تو تو قصیدہ پڑھنے لگی اس کی شان میں؟"

عائشہ،

" وہ ایک مرتبہ میری جان بھی تو بچا چکے ہیں، وہ بڑے اچھے آدمی ہیں خالہ!"

ریحانہ،

" ہاں میرا بچہ بڑا اچھا، بڑا نیک، بڑا بہادر، بڑا شریف ہے، ——"

اور یہ کہتے کہتے ریحانہ کے ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے —— وہ بے ہوش ہو گئی!

---

(۲۰)

حماقت!

خلیل کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، نعمان کی شفقتوں، اور سلمیٰ کے لاڈ نے اسے گستاخ بنا دیا تھا، یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ عذرا نے عائشہ کو عمداً ریحانہ کے گھر بھیج دیا تھا، خلیل اسے اپنی توہین سمجھتا تھا، وہ بڑا جلد باز آدمی تھا، معاملہ کا دو ٹوک فیصلہ کر دینا چاہتا تھا، یا عائشہ کے ساتھ فوراً شادی، ورنہ اعلان جنگ، نعمان اگرچہ شیخ قبیلہ تھا، اس کے اثر و اقتدار اور رعب داب کی کوئی انتہا نہیں تھی، لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سلیمان، اپنے کردار، اخلاق، سیرت، شجاعت، اور سخاوت کے باعث، ہر شخص کی آنکھ کا تارا تھا، وہ یہ بھی جانتا تھا، قبیلہ کے لوگ، سلیمان سے عقیدت بھی رکھتے ہیں، اور اس کا احترام بھی کرتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بھی واقف نہیں تھا کہ اگر اس نے سلیمان سے بگاڑ دی، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ خود قبیلہ میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، بہت سے لوگ اگر اس کا ساتھ دیں گے، تو بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو سلیمان کا ساتھ دیں گے، جنگ دو سرداری، پھر نہیں کہا جا سکتا، اس جنگ کا انجام کیا ہوگا؟ اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ یہی وجہ تھی کہ وہ معاملہ کو سلجھانا چاہتا تھا اور شرافت کے ساتھ طے کرنا چاہتا تھا، لیکن خلیل فوری فیصلہ پر اڑا ہوا تھا، نعمان کے

سامنے تو وہ زیادہ تر خاموش رہتا تھا، لیکن سلمیٰ کے سامنے اس کی بن آتی تھی، جو چاہتا تھا کہتا تھا، اور جو مرضی ہوتی تھی کروا لیتا تھا، ایک روز اس نے ماں سے کہا،

" آخر وہ پیر فرتوت سلیمان کب آئے گا ؟"

سلمیٰ :۔" میں کیا جانوں بیٹے ؟——— آجائے گا جلد ہی !"

خلیل :۔" یہ تو میں بہت دنوں سے سُن رہا ہوں۔"

سلمیٰ :۔" تو تمہی بتاؤ میں کیا کروں ؟ یہاں ہوتا تو سب کچھ ممکن تھا، اب وہ ہے نہیں، تو کیا کیا جا سکتا ہے !"

خلیل :۔" یہ سب بہانہ سازیاں ہیں، ورنہ اب بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

سلمیٰ :۔" تو بتاؤ کیا ہو سکتا ہے ؟ میں کروں گی ؟"

خلیل :۔" آپ عذرا کے ہاں پیام لے کر جائیے "۔

سلمیٰ :۔" لیکن وہ شوہر کے سامنے بے بس ہے، کچھ نہ کر سکے گی۔"

خلیل :۔" کم سے کم اس کے کان میں توڈال دیجئے ۔"

سلمیٰ :۔" تمہارے ابا جو منع کرتے ہیں، ورنہ جی تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا !"

خلیل :۔" ان سے نہ کہئیے ۔"

سلمیٰ :۔" چُپ چاپ پیام دے آؤں جا کر ؟"

خلیل :۔" ہاں کیا حرج ہے اس میں ؟"

سلمیٰ :۔" تو سوچ لے اونچ نیچ کو، میں چلتی ہوں"۔

خلیل :۔" سوچ لیا، چلئے ابھی میرے ساتھ !"

سلمیٰ :۔" یہ لو، تم بھی چلو گے ؟ تمہاری کیا ضرورت ہے ؟"

خلیل :- بہت ضرورت ہے، میرے سامنے عذرا کو انکار کرتے نہ بن پڑے گا۔"

سلمیٰ :-" کیا وہ ڈرتی ہے تم سے ؟"

خلیل :-" ہاں وہ میری طاقت سے واقف ہے! —— قبیلہ کی سب ہی عورتیں مجھ سے خائف رہتی ہیں۔"

سلمیٰ خلیل کی باتوں میں آگئی، اور نعمان کو اطلاع و اجازت کے بغیر، عذرا کے ہاں پہنچی، وہ شوہر کے اب تک نہ آنے سے پریشان تھی، سلمیٰ نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

" کیا بات ہے بہن، آج بہت افسردہ نظر آرہی ہو ؟"

وہ کہنے لگی،

" انہیں گئے ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں، نہ خود آئے، نہ کوئی اطلاع بھیجی، سنتی ہوں وہاں کے حالات بھی روز بروز خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔"

سلمیٰ :-" ہاں بہن سنا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے، —— خدا انہیں خیریت سے لائے!"

خلیل :-" عذرا خالہ، عائشہ اب تک نہیں آئی!؟"

اس بے تکے سوال پر، سلمیٰ نے اسے گھورا، لیکن وہ کب ان باتوں کو خاطر میں لاتا تھا، اس نے پروا بھی نہ کی، بلکہ عذرا کا جواب سننے سے پہلے ایک اور سوال کر ڈالا،

" آخر کب تک رہے گی وہ وہاں ؟"

سلمیٰ :- (بگڑ کر) " تجھے کیا ؟ تجھے کیا واسطہ ؟ خاموش بیٹھ!"

خلیل نے ماں کی گھُرکیوں پر توجہ بھی نہ کی، عذرا سے پوچھا،

"عذرا خالہ جواب دیجئے!"

عذرا:- "بیٹا وہ وہیں ہے، اور جب تک ریحانہ کو صحت نہیں آجاتی، یا

وہ مکّہ سے واپس نہیں آجاتے، اُسے وہیں رہنا پڑے گا!"

خلیل:- "آخر کیوں؟ کیا ضرورت ہے وہاں رہنے کی؟ مہمانداری دو ایک

دن کی ہوتی ہے، اتنے دنوں کی تو نہیں ہوتی۔"

عذرا نے بڑے سنجیدہ، لیکن صاف الفاظ میں جواب دیا،

"ان باتوں سے تمہیں کیا سروکار؟ کس سے ہمارے کیا تعلقات ہیں؟ یہ

ہم جانتے ہیں، ہمی جان سکتے ہیں، دوسروں کو پوچھنے یا اعتراض کرنے کی کیا ضرورت

ہے؟ تم اگر کہیں جاؤ، اور وہاں رہ پڑو جاکر، تو میں ہرگز سلمیٰ بہن سے نہیں پوچھوں گی

خلیل کیوں گیا ہے، اور کیوں نہیں آتا؟"

سلمیٰ:- "بہن اس کی باتوں کا بُرا نہ مانو، یہ تو پاگل ہے اچھا خاصا ——

لیکن اتنا تو میں بھی کہتی ہوں، کہ اب اسے بلالو!"

عذرا:- "بلا کیسے لوں؟ —————— اس بڑھاپے میں، نہ میرا طلاق لے

کا جی چاہا ہے، نہ گردن کٹانے کا۔ اگر انہوں نے مکہ سے آکر یہ سنا کہ میں نے عائشہ کو، ریحانہ

کے اچھے ہوئے بغیر بلالیا، تو پھر میری خیریت نہیں، آج تک انہوں نے کبھی میری توہین

نہیں کی، ہمیشہ محبّت اور عزت سے پیش آئے، لیکن اس معاملہ میں اگر میں نے حد سے

تجاوز کیا، تو جانتی ہوں میری خیریت نہیں، آخر اتنے دن ہوگئے شادی کو، کیا میں

ان کی طبیعت، اور مزاج نہیں پہچانتی؟"

خلیل:۔ "آخر ریحانہ کو اس گھر میں اتنا کیوں مانا جاتا ہے؟ ——— ضرور کچھ دال میں کالا ہے!"

عذرا:۔ (برہمی کے ساتھ) "خلیل بیٹے، اگر آدمیوں کی طرح بیٹھ سکتے ہو تو بیٹھو ورنہ چلے جاؤ یہاں سے!"

خلیل:۔ (غصہ میں) "میں چلا جاؤں؟ آپ مجھے اپنے گھر سے نکال رہی ہیں؟ مجھے؟ خلیل کو؟"

عذرا:۔ (فیصلہ کن لہجہ میں) "تم نہیں، اگر تمہارے باپ بھی ایسی باتیں کریں گے تو کھڑے کھڑے انہیں چلتا کردوں گی، تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟"

خلیل:۔ "میں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہوں یہ بتاؤں؟ میں کیا ہوں آپ نہیں جانتیں؟"

عذرا:۔ "تم جاتے ہو یا آدمی بلاکر تمہیں دھکے دے کر نکلواؤں یہاں سے ——— ؟ ——— بدتمیز۔"

سلمیٰ ان باتوں سے سہم گئی، لرز گئی، نہ وہ خلیل کو زیادہ روک سکتی تھی، نہ عذرا کو کچھ کہہ سکتی تھی، اور دل ہی دل میں یہ بھی ڈر رہی تھی کہ اگر کہیں نعمان کو ان باتوں کی سُن گُن مل گئی، تو اور غضب ہو جائے گا، اس وقت خلیل سے تو کچھ امید تھی نہیں، پھر بھی جو کچھ امید تھی، وہ عذرا کی شرافت سے تھی، اس نے کہا،

"بہن، جیسا میرا بچّہ ویسا تمہارا بچّہ، کہیں کوئی بچّوں کی بات پر خفا ہوتا ہے؟"

عذرا:۔ "یہ تمہارا خیال ہے کہ اب تک میں چُپ ہوں، اگر عائشہ نے اس طرح سے بات کی ہوتی، تو آگ لگادیتی اس کے منہ میں، حالانکہ میں اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں، اولاد اگر مؤدب، اور باتمیز نہیں، تو پھٹکار ہے ایسی اولاد پر!"

سلمیٰ :۔ "وہ تو ٹھیک ہے پیاری بہن، لیکن یہ خلیل تو دیوانہ ہے، دیوانہ!"

عذرا :۔ "دیوانہ ہے تو تم یہاں لائیں کیوں اُسے ؟"

سلمیٰ :۔ "غلطی ہو گئی، معافی چاہتی ہوں !"

عذرا :۔ "محبّت اولاد سے نہ کی جائے گی، تو کس سے کی جائے گی، لیکن میں دیکھ رہی ہوں، تم اور نعمان بھائی خلیل سے محبت نہیں دشمنی کرتے ہو، بھلا اُن ماں باپ کو کیا کہوں جو محبت میں اولاد کو بگاڑ دیں۔"

سلمیٰ :۔ "سچ کہتی بہن، ——— بات یہ ہے کہ آج کل اسے صدمہ بہت ہے"

عذرا :۔ "صدمہ کیسا ؟ کس قسم کا ؟"

سلمیٰ :۔ (سر کھجاتے ہوئے) "بات یہ ہے کہ میں اس کی شادی جلد از جلد کر دینا چاہتی، یہ تجربہ کی بات ہے، شادی کے بعد، نالائق بچّے سُدھر جاتے ہیں !"

عذرا :۔ "یہ بالکل نئی بات سُن رہی ہوں، لیکن بحث کی ضرورت نہیں، سمجھ جاتے ہوں گے، ——— پھر تم خلیل کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں ؟"

سلمیٰ :۔ "کر تو رہی تھی، لیکن معاملہ بگڑ گیا۔"

عذرا :۔ "وہ کیسے ؟ کس طرح ؟"

سلمیٰ :۔ (جھوٹ بولتے ہوئے) "میں اس کی شادی رقیہ سے کر رہی تھی، جانتی ہو رقیّہ کو ؟"

عذرا :۔ "اُسے کیوں نہ جانوں گی، عائشہ کی سہیلی ہے، ہر وقت آتی رہتی ہے ہمارے گھر میں !"

سلمیٰ :۔ "سچ کہنا کیسی لڑکی ہے ؟"

عذرا :۔ "بہت اچھی، باہنر، باسلیقہ، خوب رو، طرحدار، پڑھی لکھی !
——— جس سے اس کی شادی ہو گی، اس کی قسمت چمک جائے گی، اور پھر دولت مند بھی ہے !"

سلمٰی :۔ "ہاں یہی سب باتیں تو میں نے بھی سوچی تھیں، لیکن قسمت کو کیا کروں ؟"

عذرا :۔ "کیا ہوا آخر ؟ ——— کیا انکار کر دیا اس کے ماں باپ نے ؟"

سلمٰی :۔ "توبہ کرو، انکار کیا کریں گے ؟ وہ تو الٹے خوشامدیں کر رہے ہیں۔"

عذرا :۔ "پھر کیا بات ہوئی ؟"

سلمٰی :۔ "یہ کمبخت خلیل نہیں پسند کرتا اُسے ذرا بھی !"

عذرا :۔ "رقیہ نہ پسند کرتی تو ایک بات بھی تھی، لیکن یہ صاحبزادے کس برتے پر اُسے ناپسند فرما رہے ہیں ؟"

سلمٰی :۔ "اب کیا کہوں تم سے، لیکن بے کہے رہا بھی نہیں جاتا۔"

عذرا :۔ "نہیں اگر کوئی راز کی بات ہے تو نہ کہو، مجھے دوسروں کے راز جاننے کا ذرا بھی شوق نہیں۔"

سلمٰی :۔ "راز کیا ہو گا، اور وہ بھی تم سے ؟ اصل میں رقیہ نے اسے طعنہ دے دیا تھا !"

عذرا :۔ (حیران ہو کر) "رقیہ اسے کہاں ملی تھی ؟ ——— جھوٹ ——— میں نہیں مانتی۔"

سلمٰی :۔ "سن تو لو میری بہن، ؟ سن لینے میں کیا حرج ہے !"

عذرا :۔ "سن تو رہی ہوں، ——— لیکن میں جانتی ہوں، رقیہ کتنی

نیک اور شرمیلی لڑکی ہے، وہ مرد تو مرد، کسی عورت سے آنکھ چار کر کے بات نہیں کر سکتی
———— نہ کہ طعنہ دے!"

سلمیٰ:۔" تو گویا ہم جھوٹے ہیں!"

عذرا:۔" تم کیوں جھوٹی ہوتیں، جھوٹا وہ ہے جس نے تمہیں یہ غلط اطلاع دی!"

خلیل:۔ گویا آپ مجھے جھوٹا کہہ رہی ہیں؟———— اماں چلو، میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتا!"

سلمیٰ:۔" تو چپکا بیٹھا رہ، ———— ہاں بہن واقعہ یہ ہوا، کہ رقیہ نے اسے طعنہ دیا کہ ————

اتنے میں نہ جانے کہاں سے گھومتا گھامتا نعمان آگیا،

نعمان کو دیکھ کر خلیل کا خون خنک ہو گیا، اور سلمیٰ زرد پڑ گئی!

نعمان:۔" ارے تم لوگ یہاں کب آئے؟"

سلمیٰ:۔" آ گئے، اپنے ہی گھر تو آئے ہیں"

نعمان:۔" (ہنس کر)" میں کب کہتا ہوں غیر کا گھر ہے، اچھا کیا آ گئیں، لیکن اس نالائق خلیل کو کیوں لائیں؟ ضرور اس نے کوئی بدتمیزی کی بات کی ہو گی ————
کیوں عذرا بہن!"

عذرا (بے رخی سے)" سلمیٰ بہن سے پوچھئے، یا خود خلیل سے پوچھ لیجئے!"

ان الفاظ میں جو تلخی تھی، اسے نعمان نے محسوس کر لیا!

وہ سمجھ گیا، ضرور کوئی ناگوار بات ہوئی ہے، لیکن اس نے بات کو طول دینا

مناسب نہ سمجھا،

نعمان :۔ "بڑا نالائق ہے۔"

عذرا :۔ "میرا تو کچھ حرج نہیں، تمہاری اولاد ہے، اتنا کہے دیتی ہوں، اگر یہی لچھن رہے تو آگے چل کر رو دُ گے!"

سلمیٰ نے پہلو بدلا، وہ محسوس کر رہی تھی، اگر کہیں آج کی باتیں نعمان کو معلوم ہو گئیں تو غضب ہو جائے گا، التجا بھری نظروں سے عذرا کو دیکھنے لگی، نعمان نے پوچھا،

"کیا کوئی خاص بات ہوئی؟"

عذرا نے سلمیٰ کی التجا پڑھ لی تھی، بات کا رُخ بدلتے ہوئے بولی،

"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں، ——— میرا مطلب یہ تھا، ماشاء اللہ، نوجوان لڑکا ہے، یونہی گھوما کرتا ہے، کسی کام میں لگاؤ، مصروف رکھو اسے، ورنہ زندگی بگڑ جائے گی اس کی!"

سلمیٰ نے شکر گزار نظروں سے عذرا کو دیکھا، نعمان نے ایک قہقہہ لگایا، اور کہا،

"ہاں، دیکھو، اسے شکنجہ میں کسنے کا پروگرام بنا رہا ہوں، لیکن تمہیں میری مدد کرنی پڑے گی!"

عذرا :۔ "میں کسی خدمت اور مدد سے باہر نہیں، لیکن رقیہ کے ماں باپ سے کچھ نہ کہوں گی!"

نعمان :۔ "(متعجب ہو کر) رقیہ کے ماں باپ سے؟ کیا مطلب؟"

عذرا :۔ "رقیہ ہی کے ساتھ بات چیت ہو رہی ہے نا خلیل کی شادی کی؟"

نعمان :۔ "توبہ کرو، میرے، سلمیٰ کے، خلیل کے، دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا

کہ اس سے رشتہ کیا جائے، بلکہ مجھے تو معلوم ہوا ہے اس کا رشتہ اس کے خالہ زاد بھائی سے طے ہو چکا ہے!"

عذرا:- (مسکراکر) "کیا اس کے ماں باپ خلیل سے رشتہ نہیں چاہتے؟"

نعمان:- "بالکل نہیں بھئی ——— کیوں چاہیں گے آخر؟ کوئی بات بھی تو ہو!"

عذرا:- "اچھا تو یہ گپ ہے؟"

نعمان:- "ہاں جھوٹ، اور وہ بھی سفید جھوٹ، نہ جانے کس بے وقوف نے تم سے یہ بات کہدی، کون تھا وہ؟"

عذرا:- "ہوگا ——— جب معلوم ہو گیا بات بے بنیاد ہے، تو پھر کرید کی کیا ضرورت ہے؟ ——— اچھا یہ بتاؤ، تم کیسے آ گئے اس وقت؟"

نعمان:- "بھئی گھر سے یہ سوچ کر چلا تھا کہ سلیمان بھائی کی خبر لوں کہ آئے یا نہیں؟"

عذرا:- "وہ ابھی کہاں آئے؟ نہ جانے کب آئیں گے؟ ——— خط بھی کوئی نہیں آیا!"

نعمان:- "اور عائشہ کہاں ہے؟ وہی ریحانہ کے ہاں؟"

عذرا:- "ہاں وہیں ہے، ——— خدا کرے ریحانہ بہن جلد اچھی ہو جائیں! ——— کل رات میں بھی گئی تھی، بہت کمزور ہو گئی ہیں!

نعمان:- "جب تک سلیمان بھائی نہیں آجاتے عائشہ غالبًا وہیں رہے گی؟"

عذرا:- "اور کیا؟ ——— ریحانہ کو بھی بڑی تسکین ہے اس کی موجودگی سے!"

---

(۲۱)

دستک!

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، آج ریحانہ پر مسلسل اور پے در پے کئی دفعہ بیہوشی کے دورے پڑے تھے، تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد غشی طاری ہوتی تھی، ہوش آجاتا تھا، پھر بیہوشی طاری ہو جاتی تھی، عائشہ، ریحانہ کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی، وہ جب سے آئی تھی، بڑی دل سوزی کے ساتھ ایک بیٹی کی طرح، ریحانہ کی خدمت کر رہی تھی، اس وقت بھی ریحانہ بیہوش پڑی تھی، اور وہ اس کی پٹّی سے لگی بیٹھی تھی، جتنی تدبیریں ہوش میں لانے کی ہوسکتی تھیں، سب کر ڈالیں، اور اب اس نے آخری حربہ اختیار کیا!

یعنی رونے لگی!

بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے!

بڑی دیر گزر گئی!

پھر ریحانہ نے آنکھ کھولی، عائشہ بدستور موجود تھی، اور جاگ رہی تھی!

ریحانہ نے کمزور آواز میں پوچھا،

"بیٹی، کتنی رات آگئی!"

وہ بولی،

"آدھی سے زیادہ رات بیت گئی خالہ!"

ریحانہ:۔ "اور تو اب تک جاگ رہی ہے؟"

عائشہ:۔ "نیند نہیں آتی، جب آئے گی سو جاؤں گی!"

ریحانہ:۔ "آہ! میں کتنی بدقسمت ہوں؟ ——— کسی کو مجھ سے سکھ نہیں پہنچتا، موت بھی تو نہیں آتی!"

عائشہ:۔ "خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے، موت آئے آپ کے دشمنوں کو۔"

ریحانہ:۔ "نہیں بیٹی، اب زندگی سے اکتا گئی ہوں!"

عائشہ:۔ "آخر کیوں؟ خدا نے چاہا تو جلد اچھی ہو جائیں گی آپ، آج صبح میں نے طبیب سے پوچھا تھا، وہ کہہ رہا تھا، بیماری جڑ پکڑ چکی ہے، بڑی دیر میں جائے گی، لیکن چلی جائے گی!"

ریحانہ:۔ "وہ باتیں بناتا ہے، میں جانتی ہوں، میری حالت کیا ہے؟ میں اب نہیں بچ سکتی، بس ایک حسرت تھی!"

عائشہ:۔ "وہ کیا بتایئے خالہ جان، وہ کون سی حسرت ہے جس نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے؟"

ریحانہ:۔ "عثمان کو ایک نظر دیکھ لینے کی، وہ اب تک نہیں آیا، ——— اب کیا آئے گا؟"

عائشہ:۔ "ضرور آئیں گے، ابّا اسی لئے گئے ہیں کہ ساتھ لے کر آئیں، بس اب آیا ہی چاہتے ہیں۔"

ریحانہ:۔ "اسی امید میں اتنے دن بیت گئے، میں لب گور ہو گئی، بیہوشی کے

دورے اور زیادہ شدید ہو گئے، ایک دن دیکھ لینا ایسا ہوگا کہ بیہوشی کا کوئی دورہ زندگی کی آخری سانس بن جائے، پھر آنکھ نہ کھُلے گی، پھر اگر عثمان آیا بھی تو کیا؟
——— نہ جانے وہ کہاں ہے؟"

عائشہ:۔ "راستے میں ہوں گے، آپ فکر نہ کیجئے، وہ ضرور آئیں گے، بڑی محبّت کرتے ہیں آپ سے!"

ریحانہ:۔ "ہاں کرتا تھا، مگر اب نہیں کرتا۔"

عائشہ:۔ "یہ کیسے جانا آپ نے؟"

ریحانہ:۔ "اس کی بے رخی سے، بے پروائی سے۔"

عائشہ:۔ "کوئی ایسی ہی مجبوری ہوگی، ورنہ وہ ہَوا کے دوش پر سوار ہو کے آتے!"

ریحانہ:۔ "نہیں ان باتوں سے میں نہیں بہل سکتی، اب میں مایوس ہوتی جارہی ہوں!"

یہ کہتے کہتے ریحانہ رونے لگی، عائشہ نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا،

"خدا کے لئے نہ روئیے، اس طرح آپ اور کمزور ہو جائیں گی، کہیں خدا نخواستہ پھر بے ہوشی کا دورہ نہ پڑ جائے!"

ریحانہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"پڑ جانے دو ——— بیٹی ذرا سوچو تو، میں نے اس لڑکے کے لئے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں، کیسے کیسے دُکھ جھیلے، کیسی کیسی بیماریاں سہیں، لیکن یہ میرا نہ ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے پاؤں میں سنیچر ہے، کیا مجال ہے، جو گھر پر ٹک جائے، آج یہاں

کل وہاں، اسی طرح گھومتا رہتا ہے، وہ یہ سوچتا بھی نہیں، ماں اس کے فراق میں مر رہی ہے، اسے اپنی دلچسپیوں سے کام !"

عائشہ عثمان کی طرف داری کرتی ہوئی بولی،

"کچھ وہ سیر سپاٹے کو تو گئے نہیں ہیں، آپ ہی تو اُس دن تعریف کر رہی تھیں کہ مذہب کے نام پر جان دیتے ہیں، قوم کے لئے ہر وقت سر کٹانے کو تیار رہتے ہیں، خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لئے بڑے سے بڑے خطرے کی پروا نہیں کرتے، صرف ایک ہی تمنا اُن کے سینے میں چھدا کرتی ہے کہ اسلام کی حرمت پر قربان ہو جائیں !"

ریحانہ نے جل کر کہا،

"ہاں بس وہی تو اسلام کو سمجھا ہے اس دُنیا میں !"

عائشہ بولی،

آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ اس عمر کے دوسرے لڑکے آوارگی کرتے ہیں، شعروشاعری میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سیرو شکار کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں، حُسن پرستی اور لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں، مگر عثمان نے ان بُرائیوں میں سے ایک بُرائی بھی نہیں قبول کی ——— کہہ رہی تھیں نا ؟"

ریحانہ :- "ہاں کہہ رہی تھی !"

عائشہ :- "پھر آج اتنی خفا کیوں ہیں ؟"

ریحانہ :- "اس کی نالائقی سے !"

عائشہ :- "نہیں وہ برے نہیں ہیں، اباجان سے جیسے ہی آپ کی علالت کا حال سُنیں گے، فوراً آئیں گے !"

ریحانہ:۔ " اباجان، ——— بیچارے سلیمان کی شرافت، ہمدردی، اور انسانیت کو دیکھو، کچھ بھی نہ سوچا، مجھ تک سے نہ کہا، راتوں رات، اٹھا اور دور دراز سفر پر روانہ ہوگیا!"

عائشہ:۔ " وہ آپ کا بہت خیال کرتے ہیں۔"

ریحانہ:۔ " ہاں وہ تو کرتے ہیں، لیکن یہ عثمان، یہ تو میرا بیٹا ہے، اسے تو سب سے زیادہ خیال کرنا چاہئے تھا میرا۔"

عائشہ:۔ " کرتے ہیں، بہت کرتے ہیں!"

ریحانہ:۔ " تو کیا جانے بڑبڑ بولے چلی جارہی ہے۔"

عائشہ:۔ " خوب جانتی ہوں، ایک دفعہ میرے ہی گھر میں بیٹھے تھے، ذکر آپ کا اور حسّان خالو کا چلا، کہنے لگے، یوں تو میں اپنے باپ کو بھی بہت چاہتا ہوں، لیکن ماں سے تو مجھے عشق ہے، ان کی کوئی تکلیف نہیں برداشت کر سکتا!"

ریحانہ:۔ (مسکراکر) خوب تو اس کی وکالت کر رہی ہے، میں اپنے لڑکے کو اتنا نہیں جانتی، جتنا تو جانتی ہے، کیوں؟"

عائشہ:۔ " خالہ جان، جانتی تو آپ بھی زیادہ ہیں، لیکن اس وقت غصّہ میں تصویر کا ایک ہی رُخ نظر آرہا ہے آپ کو!"

ریحانہ:۔ (پیار سے) " آخر تو اس کی طرفداری کیوں کر رہی ہے؟"

عائشہ:۔ (بھولے پن سے) " تو میں ان کی بُرائی کیسے سُن لوں؟"

ریحانہ کو ہنسی آگئی۔

" واقعی بڑی بھولی لڑکی ہے تو، میرے منہ سے بھی اس کی بُرائی نہیں سُنے گی؟"

عائشہ:۔" بات یہ ہے کہ آپ کو ان کی مجبوریوں کا علم نہیں ہے، جب وہ آئیں گے، تو آپ ضرور خوش ہو جائیں گی۔"

ریحانہ:۔" ہو چکی خوش، ——— اور وہ آنے ہی کیوں لگا؟"

عائشہ:۔" دیکھیئے، انہی باتوں میں رات ختم ہو گئی، سویرا ہوا ہی چاہتا ہے، جاگنے سے آپ کی صحت اور خراب ہو جائے گی، اب ذرا دیر سو رہیئے۔"

ریحانہ:۔" تو سو جا، میری بچی، مجھے بھی نیند آجائے گی!"

عائشہ:۔ (ضد کرتے ہوئے) میں کوئی بیمار تو ہوں نہیں، سو جاؤں گی، لیکن آپ سو جایئے فوراً!"

ریحانہ نے اس کے کہنے سے منہ ڈھانپ لیا، عائشہ بھی اس کے قریب ہی بستر پر لیٹ گئی!

اتنے میں دستک کی آواز آئی،

ریحانہ چونک پڑی،

"بیٹی دیکھنا کون ہے؟ ———

عائشہ بھی کھڑبھڑا کر اُٹھ بیٹھی!

اتنے میں پھر دستک کی آواز سنائی دی، ریحانہ نے کہا،

"ضرور کوئی ہمارے ہاں دستک دے رہا ہے!"

عائشہ بولی،

"جاتی ہوں خالہ!"

پھر وہ تیزی کے ساتھ دروازے پر پہنچی، اس نے جھانک کر دیکھا، تو ایک شخص

کھڑا نظر آیا، اندھیرے میں اس کی صورت اچھی طرح نظر نہ آئی، وہ سوچنے لگی،

"نہ جانے کون ہے یہ شخص؟ —— دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں؟"

اتنے میں، وہ شخص آگے بڑھا، اب اس کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا،

یہ عثمان تھا!

دروازہ کھول کر وہ اُلٹے پاؤں واپس آگئی!

ریحانہ نے پوچھا،

"کون ہے بیٹیا؟"

قبل اس کے کہ عائشہ جواب دے، عثمان آموجود ہوا، وہ بیتابی کے ساتھ ماں کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم کو میں نے زندہ پایا، —— اب کیسی طبیعت ہے امّاں؟"

خوشی سے ریحانہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، لیکن اس نے اپنی کیفیت ظاہر نہ ہونے دی، بے رخی کے ساتھ جواب دیا،

"کیسی بھی ہوں، تجھے کیا!؟"

عثمان پھر ماں کے پاؤں سے لپٹ گیا۔

"میری اماں! میری اماں!"

---

(۲۲)

دنگا!

عثمان کے آنے سے واقعی ریحانہ کو ایک نئی زندگی مل گئی، اگرچہ وہ ابھی تک بسترِ علالت پر دراز تھی، لیکن بیٹے کے قرب نے اس کے اعصاب اور صحت پر بہت اچھا اثر کیا تھا، چلتے وقت عثمان سے سلیمان نے تاکید کردی تھی کہ وہ اس کے عزمِ جہاد کا گھر پر اعلان نہ کرے، بلکہ کوئی بات بنا کر عذرا وغیرہ کو مطمئن کردے، کہ وہ چند ماہ میں سفر سے واپس آجائے گا! چنانچہ عثمان نے عذرا کو بھی بتا دیا، وہ بیچاری اصل حال سے ناواقف تھی مطمئن ہو گئی۔

لیکن عثمان کی آمد نے، اور سلیمان کی غیبت نے نعمان کے گھر میں ایک تہلکہ مچا دیا! ——— خلیل کا تو یہ عالم تھا، کہ وہ مارِ دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا، اس نے اپنی ماں سلمٰی سے صاف صاف کہدیا،

" سلیمان کا نہ آنا ایک بہت گہری سازش ہے، وہ اس لئے نہیں آیا، کہ میری اور عائشہ کی شادی نہ ہو سکے!

سلمٰی نے کہا،

" ہاں بیٹا قیاس تو میرا بھی یہی ہے، لیکن آخر سلیمان کب تک نہ آئے گا؟"

خلیل :۔ "ممکن ہے وہ عمر بھر نہ آئے ۔"

سلمیٰ :۔ "توبہ کرو، ایسا کہیں ہو سکتا ہے، تمہارے ڈر سے وہ اپنا گھر بار، بیوی بچے سب چھوڑ دے گا ؟ ــــــ ضرور آئے گا، اور جیسے ہی آئے گا ہم پیام دیں گے، اور یہ بتا دیتی ہوں کہ اسے ہمارا پیام منظور ہی کرنا پڑے گا !"

خلیل :۔ "وہ اب اُس وقت آئے گا، جب عائشہ کی شادی ہو چکی ہو گی !"

سلمیٰ :۔ "پاگل ہوا ہے لڑکے، ــــــ عائشہ کی شادی کس سے ہو جائے گی ؟"

خلیل :۔ "عثمان سے ــــــ سلیمان کا نہ آنا، اور عثمان کا آجانا، کچھ تو معنیٰ رکھتا ہے !"

سلمیٰ :۔ "(کچھ سوچتے ہوئے) ہاں بات تو معقول ہے، ضرور کچھ دال میں کالا ہے، ــــــ پھر ؟"

خلیل :۔ "پھر کیا، چلو عذرا کے پاس، اسے پیام دو، مان جائے تو خیر، ورنہ پھر ــــــ"

سلمیٰ :۔ "ورنہ پھر تم کیا کرو گے ؟"

خلیل :۔ "زور بازو کا مظاہرہ کروں گا، چھین لوں گا عائشہ کو ان لوگوں سے پھر دیکھوں گا میرے مقابلہ پر کون آتا ہے ؟"

سلمیٰ :۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے یہ سب کچھ واقعی ہو کر رہے گا !"

خلیل :۔ "میں اپنے جیتے جی اسے برداشت نہیں کر سکتا، کہ سلیمان کا گھر مجھے ٹھکرا دے، اور میرا رقیب روسیہ، عثمان کامیاب ہو جائے !"

سلمیٰ :۔ "عثمان کا تیرا کیا مقابلہ ؟ کہاں تو کہاں وہ ؟ ــــــ سارا قبیلہ

سلمیٰ :۔ "بات یہ ہے کہ سلیمان بھائی نہ جانے کب آئیں ؟"

عذرا :۔ "خدا چاہے تو جلد ہی آجائیں گے !"

سلمیٰ :۔ "اچھا ایک بات کرو، تو بے شک ہم سلیمان بھائی کا انتظار کرلیں گے"

عذرا :۔ "وہ کون سی بات ہے ؟"

سلمیٰ :۔ "عائشہ کو ریحانہ کے ہاں سے بلالو۔"

عذرا :۔ (تیوری چڑھاکر) "یہ کیوں ؟"

سلمیٰ :۔ "جوان لڑکی کا پرائے گھر میں رکھنا مناسب نہیں۔"

عذرا :۔ "اس کی فکر تو مجھے ہونی چاہئے، اس لئے کہ وہ میری لڑکی ہے
دوسرے جسے تم "پرایا گھر" کہہ رہی ہو، اسے میں اپنا ہی گھر سمجھتی ہوں، ریحانہ کے
ہم لوگوں کے جو تعلقات ہیں، ان کا اندازہ صرف ہم ہی کرسکتے ہیں، پھر میں یہ بھی جانتی
ہوں کہ ریحانہ کو، عائشہ سے کتنی محبت ہے، پیٹھ پیچھے کی بات ہے، لیکن میں ڈنکے کی
چوٹ کہتی ہوں، کہ اگر عائشہ، اور عثمان میں سے ایک کا انتخاب لازمی قرار دے دیا
جائے تو ریحانہ عثمان کو چھوڑ دے گی، اور عائشہ کو لے لیگی !"

سلمیٰ :۔ "اخاہ، ——— یہ بات ہے ؟"

عذرا :۔ "ہاں، ——— میری صحت ہمیشہ خراب رہی، وہ ریحانہ ہی
تو تھی، جس نے مہینوں نہیں برسوں، اس کا گو موت تک اپنے ہاتھ سے کیا،
پوچھو تو عائشہ کی پرورش اور پرداخت میں میرا حصہ کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے ریحانہ کا ہے، وہ
اب کچھ دنوں سے آگئی تھی یہاں، ورنہ ہمیشہ وہیں رہی، اور بہت خوش رہی !"

سلمیٰ :۔ "ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے !"

خلیل:۔ "ہونے دو ٹھیک، اب عائشہ وہاں نہیں رہ سکتی!"

عذرا:۔ "تم یہ حکم دینے والے کون؟"

خلیل:۔ "پہلے عثمان وہاں نہیں تھا، اب ہے، یہ کیونکر ممکن ہے، کہ دونوں ایک گھر میں رہیں!"

عذرا:۔ "پھر وہی، ——— آخر تم ان چیزوں سے اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

خلیل:۔ "میں نہ لوں تو کون لے گا؟ ——— ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔"

سلمیٰ:۔ "ہاں بہن، ضد نہ کرو، بلا لو، عائشہ کو وہاں سے، ——— کچھ اونچ نیچ ہو جائے، ———"

عذرا:۔ (بگڑ کر) خبردار، ——— تمہیں اس طرح کی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں!"

سلمیٰ:۔ "نہ ہوئے آج سلیمان بھائی۔"

عذرا:۔ "وہ کیا کر لیتے؟"

سلمیٰ:۔ "پھر تمہاری ایک نہ چلتی، ابھی عائشہ کو بہو بنا کر اپنے ساتھ لے جاتی!"

خلیل:۔ "اور عثمان منہ دیکھتا رہ جاتا!"

اسی اثنا میں عثمان آگیا، ——— عثمان کو آتا دیکھ کر سلمیٰ ذرا گھبرا گئی، لیکن خلیل کے دم خم میں کوئی فرق نہیں آیا، عثمان کو بالکل نہیں معلوم تھا یہاں اب تک کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی؟ وہ بڑی شگفتہ روئی، اور خندہ جبینی سے، ان سب سے ملا، اس نے سلمیٰ کو سلام کیا، اور مصافحہ کے لئے خلیل کی طرف ہاتھ بڑھایا، لیکن خلیل تو بھرا بیٹھا تھا

اس نے نہ مصافحہ کیا، نہ سلام کا جواب دیا، سلمیٰ ڈری کہیں ان دونوں میں یہیں جنگ نہ چل جائے، وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، اس نے خلیل سے کہا،

"چلو بیٹا اب چلیں!"

وہ بولا،

"نہیں اماں میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا، جب تک فیصلہ نہ ہوجائے!"

سلمیٰ بے بسی کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟ —— کیا اس بڑھاپے میں مجھے ذلیل کروگے؟۔ —— اس وقت چلو، پھر کسی وقت اس مسئلہ کا تصفیہ کرلیں گے!"

عثمان نے کہا،

"سلمیٰ خالہ بیٹھیے، اگر میرے آنے سے آپ کی گفتگو میں خلل پڑا ہے، تو پھر کسی وقت آجاؤں گا!"

خلیل:۔ "بہت بہت شکریہ، —— ہم اس وقت ایک بڑے اہم موضوع پر فیصلہ کن گفتگو کر رہے ہیں، اور قطعاً اسے پسند نہیں کرتے کہ کوئی تیسرا اسے سُنے یا اس میں حصّہ لے!"

عثمان:۔ "بہت مناسب، میں جاتا ہوں۔"

عذرا:۔ "عثمان تم میرے پاس آئے ہو، جب میں تم سے جانے کو نہیں کہتی، تو کیسے چلے جاؤگے؟ —— بیٹھو!"

خلیل:۔ "اماں دیکھ لیا!"

سلمیٰ:۔ "ہاں بیٹے جو نہ دیکھنا تھا وہ دیکھ لیا!"

خلیل :- "اب بھی آپ مجھے الزام دیں گی ؟"

عثمان :- "آخر معاملہ کیا ہے ؟ ——— میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا !"

خلیل :- "آجائے گا، اچھی طرح آجائے گا، ابھی وقت نہیں آیا !"

عذرا :- "خلیل ہوش کی باتیں کرو، خبردار، جو تم نے عثمان سے ایسی ویسی باتیں کی ہوں گی !"

خلیل :- "تو کہدیجئے، صاف صاف، آپ عثمان کو مجھ پر ترجیح دیتی ہیں !"

عذرا :- "ہاں کہہ دیا، سُن لو کان کھول کے۔"

خلیل اُٹھ کھڑا ہوا۔

" اماں چلو، ——— اب یہاں ایک منٹ بھی بیٹھنا منظور نہیں !"

سلمٰی :- "چل بیٹا چل، واقعی، اب بیٹھنا بالکل بیکار ہے !"

خلیل :- "میں سمجھ گیا، سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا !"

عذرا :- "انگلیاں ٹیڑھی کرکے بھی دیکھ لو۔"

خلیل نے کوئی جواب نہیں دیا، اور زور زور سے زمین پر پاؤں رکھتا ہوا چلا گیا، جاتے جاتے سلمٰی نے کہا،

" عذرا بہن تم سے یہ اُمید نہ تھی !"

عذرا نے کوئی جواب نہیں دیا،

عثمان حیرت سے ان لوگوں کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا !

---

(۲۳)

عثمان اور عذرا

اِن لوگوں کے جانے کے بعد بھی عثمان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا، اسے خاموش دیکھ کر عذرا نے کہا،

"بیٹے چُپ کیوں بیٹھے ہو؟"

وہ کہنے لگا،

"خلیل کی بدتمیزی پر مجھے بڑا غصہ آ رہا ہے، آخر اس کو آپ نے اتنا سر کیوں چڑھا لیا ہے؟"

عذرا بولی،

"میں کیوں سر چڑھاتی، موئے لُچّے کو، وہ خود ہی آیا تھا!"

عثمان:۔ "کس لئے آیا تھا؟"

عذرا:۔ "یہ سنو گے تو اور زیادہ غصہ آجائے گا تمہیں؟"

عثمان:۔ "اب تو وہ لوگ گئے، ــــــ کہئے!"

عذرا:۔ "شادی کا پیام لے کر آئے تھے۔"

یہ سُن کر عثمان کا چہرہ زرد پڑ گیا، وہ مبہوت سا ہو گیا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی

سانس بھر کر پوچھا،

"پھر آپ نے منظور کر لیا ؟"

عذرا:۔ "توبہ کرو بیٹا، میں تو میں کوئی ڈائن بھی اپنی لڑکی کا رشتہ ایسے آوارہ سے منظور نہیں کرے گی۔"

عثمان:۔ "شاید اسے یہ زعم ہے کہ وہ شیخ قبیلہ کا لڑکا ہے !"

عذرا:۔ "ہوا کرے، شیخ قبیلہ نہیں والیِ ملک کے لڑکے سے بھی ہم اپنی مرضی کے خلاف نہ کریں !"

عثمان:۔ "بے شک ۔۔۔۔۔۔ تو آپ نے انکار کر دیا ؟"

عذرا:۔ "فوراً ۔۔۔۔۔۔ کیوں تمہیں اعتراض ہے کچھ ؟"

عثمان:۔ "جی نہیں، میں اس معاملہ میں کیا بول سکتا ہوں، لیکن کم از کم عائشہ کا عندیہ تو لے لیا ہوتا ۔۔۔۔۔۔ ممکن ہے دونوں میں محبت ہو، اور اسی بِرتے پر وہ پیام دینے آیا ہو !"

عذرا:۔ "عائشہ اتنی ذلیل نہیں ہے کہ ایسے لوگوں سے محبّت کرے، وہ تو نفرت کرتی ہے اس سے !"

عثمان:۔ "نفرت کرتی ہے ! یہ کیسے جانا آپ نے ؟"

پھر عذرا نے نعمان کی باربار آمد، سلمیٰ کی خوشامد، اور خلیل کی ہیرا پھیری کا تذکرہ کرکے کہا،

"وہ تو ریحانہ بہن کے ہاں جاتے جاتے مجھ سے صاف الفاظ میں کہہ گئی ہے کہ اسے نفرت ہے خلیل سے !"

عثمان یہ باتیں سنکر بہت خوش ہوا، اس نے کہا،
" پھر آپ نے انکار کر کے بہت خوب کیا!"
عذرا:۔ "تم نے ایک اور لطیفہ نہیں سنا!"
عثمان:۔ "جی وہ کیا؟"
عذرا:۔ "سلمیٰ بہن کہہ رہی ہیں، عائشہ کو ریحانہ کے ہاں سے بلا لو!"
عثمان:۔ (تیوری پر بل ڈال کر) "کیوں؟"
عذرا:۔ "کہتی تھیں پرائے گھر میں نوجوان لڑکی کا رہنا ٹھیک نہیں ہے!"
عثمان:۔ "پھر آپ نے کیا کہا؟"
عذرا:۔ (مسکرا کر) "بتاؤ کیا کہا میں نے؟"
عثمان:۔ "نہیں آپ بتائیے!"
عذرا:۔ "بتا دوں گی، پہلے تمہارا امتحان لے لوں؟ —— ہاں تو کیا کہا ہوگا میں نے؟"
عثمان:۔ "آپ نے کہا ہوگا، وہ گھر پرایا کہاں سے ہوا؟ ہم لوگ کچھ غیر ہیں؟"
عذرا:۔ "شاباش! پاس ہو گئے تم امتحان میں، —— میں نے یہی جواب دیا تھا!"
عثمان:۔ (خوش ہو کر) "اچھا پھر؟"
عذرا:۔ "پھر کیا؟ بس جل گئے ماں بیٹے؟ —— پوچھو ہیں جھوٹ کیسے بول دیتی ہے عائشہ کی ساری پرورش پرداخت، ریحانہ کے سوا کس نے کی ہے —— میرا تو یہ خیال ہے اور میں نے سلمیٰ سے کہہ بھی دیا کہ عائشہ، اور عثمان میں

اگر ایک کا انتخاب ضروری ہو، تو ریحانہ بے تامل عثمان کو چھوڑ دے گی، اور عائشہ کو اختیار کرلے گی!"

عثمان:- (گرم جوشی سے) "بالکل سچ کہا آپ نے؛ واقعی یہی بات ہے، اماں مجھے اتنا نہیں چاہتیں، جتنا عائشہ کو چاہتی ہیں، اور سچی بات یہ ہے کہ عائشہ بھی انہیں بہت پیار کرتی ہے!"

عذرا:- "کرنا ہی چاہیئے۔"

عثمان:- "میں جاکر، یہ سارا قصّہ اماں کو سناؤں گا۔"

عذرا:- "کیا کروگے سنا کر، وہ بیار رہیں، خواہ مخواہ صدمہ ہوگا انہیں۔"

عثمان:- "صدمہ کیوں ہوگا؟ وہ تو خوش ہوں گی آپ کا جواب سنکر!"

عذرا:- (مسکراکر) اچھا سنادینا، لیکن ذرا بیٹھو تو، کچھ باتیں تو کرو۔"

عثمان:- "جی بیٹھا ہوں ابھی جا نہیں رہا!"

عذرا:- "اُنہیں کہاں چھوڑا تم نے؟"

عثمان:- "جب میں چلا ہوں تو وہ مکّہ ہی میں تھے، لیکن عنقریب دمشق جانے والے تھے۔"

عذرا:- "کیوں وہاں کیوں جارہے تھے؟"

عثمان:- "ہوگا کوئی کام"

عذرا:- "آنے کو کب کہہ رہے تھے؟"

عثمان:- "غالبًا جلد ہی آجائیں گے، ——— پھر بھی دو تین مہینے تو لگ ہی جائیں گے ——— عذرا خالہ آپ یہاں اکیلی ہیں، عائشہ کے بغیر آپ کو تکلیف تو واقعی بہت

ہوتی ہوگی؟"

عذرا:۔"جس دن تکلیف ہوگی، اُس دن میں بھی وہیں ریحانہ کے پاس اُٹھ آؤں گی!"

عثمان ہنسنے لگا۔

" آپ تو لاجواب کردیتی ہیں!"

عذرا کو بھی ہنسی آگئی۔

" پھر کیوں اس طرح کی باتیں کرتا ہے؟"

عثمان:۔" اچھا یہ تو بتائیے، اگر میں کسی دن خلیل صاحب کی سرکوبی کردوں تو آپ توخفا نہیں ہوں گی!"

عذرا:۔ (سہم کر)" نہیں بیٹے، ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگتے!"

عثمان:۔" کیا آپ سمجھتی ہیں وہ مجھ سے جیت جائے گا؟ —— بڑا بزدل ہے!"

عذرا:۔" ہوا کرے، سارا قبیلہ اس کے ساتھ ہے، وہ شیخ قبیلہ کا لڑکا ہے!"

عثمان:۔" وہ شیخ قبیلہ کا لڑکا ہے یہ سچ ہے، لیکن سارا قبیلہ اس کے ساتھ ہے یہ غلط ہے، —— ہر شخص اس سے نالاں ہے!"

عذرا:۔" ہوا کرے، —— تمہیں اس کے منہ لگنے کی کیا ضرورت ہے؟"

عثمان:۔" تاکہ دماغ کی گرمی ذرا نکل جائے!"

عذرا:۔" نا بیٹا، نہ حسّان بھائی یہاں ہیں، نہ عائشہ کے باپ، ان دونوں کی عدم موجودگی میں، تمہارا خلیل سے اُلجھنا ٹھیک نہیں!"

عثمان:۔" اچھا آپ منع کرتی ہیں، تو چُپ ہوا جاتا ہوں، لیکن یہ کہے دیتا ہوں

اگر کبھی خلیل نے مجھ سے کچھ چھیڑ خانی کی تو ایسا مزاج درست کروں گا کہ عمر بھر یاد کریں گے حضرت، میں آپ کا اتنا با اخلاق نہیں ہوں !"

عذرا:- "نہیں وہ تم سے نہیں الجھے گا، میں نے اندازہ کر لیا، جھجکتا ہے تم سے ورنہ ابھی بیٹھتا، چلا نہ جاتا !"

عثمان:- "شاید آپ کو معلوم نہیں، ایک مرتبہ بہت دن ہوئے حضرت سے میری جھوڑ ہو چکی ہے، ایسا اٹھا کر پٹخا میں نے کہ بھاگتے ہی بن پڑی !"

عذرا:- "ہوگا، یہ باتیں چھوڑو، ——— یہ بتاؤ، تمہاری ماں کیسی ہیں اب؟"

عثمان:- "اچھی ہیں اب تو !"

عذرا:- "عائشہ ان کی خیر خبر رکھتی ہے اچھی طرح ؟"

عثمان:- "بہت اچھی طرح، ——— اماں کہتی تھیں، جب ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی، تو رات رات بھر جاگ کر اس نے تیمارداری کی !"

عذرا:- "یہ اس کا فرض تھا !"

عثمان:- "ہاں، اور اس فرض کو اس نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا !"

عذرا:- "میں ایک بات سوچ کر سہم جاتی ہوں، اختلاج سا ہونے لگتا ہے مجھے !"

عثمان:- "کون سی بات ہے وہ ؟"

عذرا:- "یہ خلیل کا معاملہ اگر نازک صورت اختیار کر گیا تو کیا ہوگا ؟ ——— یہاں قبیلہ میں رہنا مشکل ہو جائے گا، پھر کہاں جائیں گے ہم لوگ ؟"

عثمان:- (بے پروائی سے) خالہ آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، خلیل کیا کر سکتا ہے ہمارا؟ قبیلہ کچھ نعمان کا زرخرید غلام تو نہیں ہے ؟ ——— بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر اس نے

اپنی روش نہ بدلی، تو اپنے ساتھ وہ اپنے باپ کو بھی لے ڈوبے گا!"

عذرا:۔" یہ کس طرح؟"

عثمان:۔" قبیلہ کے لوگ خلیل کی حرکتوں سے بہت متنفر ہو چکے ہیں، اگر خاموش ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ فتنہ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے، لیکن اگر خلیل کی یہ حرکتیں جاری رہیں تو ایک دن آپ سُن لیں گی، قبیلہ والوں نے عثمان کو معزول کر دیا، اور کسی دوسرے شخص کو شیخ چُن لیا!"

عذرا:۔ (یقین نہ کرتے ہوئے) "کیسی بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے لڑکے، کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟"

عثمان:"ضرور ہوگا، دیکھ لیجئے گا ایک دن، ———— خود مجھ سے بہت سے آدمی کہہ چکے ہیں، ابھی کل کا واقعہ ہے، نعمان کے بھائی سلمان کے ہاں بہت سے لوگوں کی دعوت تھی، دعوت کے بعد باتیں چھڑ گئیں، اور وہ باتیں خلیل ہی کی بیہودگی کے بارے میں تھیں وہاں بہت سے لوگوں نے حلف اٹھایا کہ وہ نعمان کے بجائے سلمان کو اپنا سردار بنائیں گے"

عذرا:۔" اور سلمان راضی ہو گیا؟ ———— وہ تو بھائی سے بہت ڈرتا ہے!"

عثمان:۔" اسی وقت تک ڈرتا ہے جب تک اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے!"

عذرا:۔" تم تو نہیں وعدہ کر آئے کچھ؟"

عثمان:۔" کل تو میں خاموش رہا، لیکن اب اگر یہ سوال اٹھا تو ضرور بولوں گا۔"

عذرا:۔" بھیّا خدا کے لئے تو ان جھگڑوں میں نہ پڑنا! ———— سلمان جانیں اور نعمان، ہمیں کسی سے مطلب نہیں!"

---

(۲۴)

گھونسلہ

عائشہ اور عثمان دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے، پوجتے تھے، ایک دوسرے کو، لیکن اب تک دل کی بات زبان تک نہ آسکی تھی، جب سے عثمان آیا تھا، اس کا زیادہ وقت گھر ہی میں صرف ہوتا تھا، دن میں ایک مرتبہ عذرا کے ہاں جاکر، خیر خبر لے آتا تھا، کوئی کام ہوتا تھا تو کردیتا تھا، باقی زیادہ وقت گھر میں بسر ہوتا تھا، ریحانہ اب تک بستر علالت پر دراز تھی، اب اس کے قدم صحت کی طرف بڑھ رہے تھے، لیکن بہت آہستگی کے ساتھ، عائشہ پورے انہماک کے ساتھ اس کی خدمت کر رہی تھی، وہ ایک ایک سانس میں اسے سو سو دعائیں دیتی تھی، واقعی اگر اس کی لڑکی ہوتی تو وہ بھی اس سے زیادہ نہ کر پاتی، جتنا عائشہ کر رہی تھی، عثمان عائشہ کے جذبہ خدمت گزاری سے بہت متاثر تھا، جی چاہتا تھا، شکریہ ادا کرے، لیکن موقعہ نہ ملتا تھا، وہ صرف شکریہ ہی ادا کرنا نہیں چاہتا تھا، اور بھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا، یوں باتیں کرنے کا وقت گھر میں کم نہیں ملتا تھا، خوب باتیں ہوتی تھیں، لیکن ویسی ہی باتیں جو ماں کے سامنے ہوسکتی ہیں، اور اب جب سے وہ آیا تھا، اس کے دل میں ایک طوفان انگڑائیاں لینے لگا تھا، وہ کچھ اور نہیں چاہتا تھا، صرف یہ چاہتا تھا کہ اس طوفان کا حال عائشہ کو سنا دے، اور بس!

ہر روز صبح صبح، عائشہ گھاٹ پر پانی لینے جاتی تھی، عثمان بھی ایک چکر ضرور گھاٹ کا لگا لیتا تھا، لیکن اسے کبھی موقعہ نہ ملا، کہ عائشہ تنہا ملے، اور وہ اس سے اطمینان و یکسوئی کے ساتھ باتیں کر سکے!

لیکن آج یہ موقعہ مل گیا!

عثمان نے کہا،

"بہت دن ہو گئے، تم سے باتیں نہیں ہوئیں عائشہ ——— !"

عائشہ مسکرائی، اس کے موتی کے سے دانت چمکنے لگے، اس نے ایک ادا کے ساتھ کہا،

"ہر روز تو ہم باتیں کرتے ہیں!"

وہ بولا،

"ہاں کرتے ہیں، لیکن میں تم سے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ ملنا چاہتا ہوں، — پہلے یہ نعمت خوب ملتی تھی، اب ترس گیا ہوں!"

وہ کہنے لگی،

"پہلے کب؟"

عثمان نے کہا،

"جب تک میں مکہ نہیں گیا تھا ——— یاد کرو، اسی گھاٹ پر نخلستان کے گوشوں میں، ریت کے عارضی تودوں پر، ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں، ہم باتیں کیا کرتے تھے، اور اب جب سے آیا ہوں، کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا!"

وہ بولی،

"یہ نہ کہئیے ـــــــ اگر آدمی کو اپنے اوپر اعتماد ہو تو کسی دوسرے پر اعتماد وعدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ــــــ مجھے اپنے اوپر اعتماد ہے!"

عثمان :- "تو پھر بتاؤ، میں تمہارا کہاں انتظار کروں؟"

عائشہ :- "آج ہی، ابھی؟"

عثمان :- "ہاں عائشہ ـــــــ کیوں کچھ تکلیف ہو گی تمہیں؟"

عائشہ :- "نہیں بالکل نہیں، ـــــــ وہ دیکھئے، سامنے جو نخلستان ہے، وہیں چلئے میں پانی رکھ کر ابھی آئی ـــــــ!"

اور یہ کہہ کر وہ گھر چلی گئی، عثمان نخلستان میں پہنچا، یہ وہی جگہ تھی، جہاں یہ دونوں اکثر بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے!

عثمان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جس جگہ یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے، وہ جگہ نہ صرف یہ کہ قائم ہے بلکہ ویسی ہی صاف ستھری ہے، جیسے کوئی اس کی رکھوالی کرتا رہا ہو، وہ یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ نسیم بہار کی طرح اٹھکیلیاں کرتی عائشہ آگئی، اس نے آتے ہی بڑے انداز کے ساتھ کہا،

"کیا دیکھ رہے ہیں اتنے غور سے آپ یہاں زمین پر ـــــــ؟"

عثمان :- "میں دیکھ رہا ہوں، یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم لوگ بیٹھا کرتے تھے، باتیں کیا کرتے تھے ـــــــ!"

عائشہ :- "ہاں ـــــــ پھر؟"

عثمان :- "لیکن اس پر گرد نہیں جمی، یہاں گھاس نہیں اُگی، اسے جانوروں نے خراب نہیں کیا، یہاں کانٹے نہیں ابھرے ـــــــ آخر کیوں؟"

عائشہ مسکرائی،

" بتادوں آپ کو یہ راز ؟"

عثمان :۔" ہاں ضرور بتاؤ۔"

عائشہ :۔" میں اس کی رکھوالی کیا کرتی تھی !"

عثمان :۔" تم اس کی رکھوالی کیا کرتی تھیں ؟"

عائشہ :۔" ہاں، —— میں روز یہاں آتی تھی، اسے جھاڑ بہار کر صاف کرتی تھی کچھ دیر بیٹھتی تھی، پھر چلی جاتی تھی !"

عثمان :۔" اکیلی ؟ تن تنہا ؟"

عائشہ :۔" نہیں، —— اکیلی کیوں ہوتی ؟"

عثمان :۔ (اضطراب کے ساتھ) " کون ہوتا تھا تمہارے ساتھ ؟"

عائشہ :۔" آپ، —— آپ کا خیال، آپ کی یاد !"

عثمان خوش ہوگیا،

" سچ ؟ —— سچ ؟ —— واقعی عائشہ تم مجھے یاد کیا کرتی تھیں ؟"

عائشہ :۔" ہاں —— ہر روز، ہر ساعت، —— ایک لمحے کے لئے بھی آپ نہیں بھولے !"

عثمان :۔" اوہ، میں کتنا خوش قسمت ہوں !"

عائشہ :۔" آپ بھی مجھے یاد کیا کرتے تھے ؟"

عثمان :۔" بہت زیادہ !"

عائشہ :۔" پھر اتنے دنوں تک باہر کیوں رہے ؟"

عثمان :۔ "ایک مذہبی فریضہ تھا، جسے انجام دے رہا تھا !"

عائشہ :۔ "خبر کیوں نہ لی ؟"

عثمان :۔ "ہر خط میں تمہاری خیریت اماں سے دریافت کیا کرتا تھا !"

عائشہ :۔ "انہوں نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا !"

عثمان :۔ "نہ بتایا ہوگا، اور تمہیں الگ سے خط لکھ بھی نہیں سکتا تھا، ــــــ بار بار سوچتا تھا لکھوں، پھر رہ جاتا تھا، رک جاتا تھا، !"

عائشہ :۔ "کیوں ؟ جھجک کی وجہ ؟"

عثمان :۔ "سوچتا تھا کہیں تم بُرا نہ مانو، ــــــ نہ جانے تمہارے دل میں میری جگہ ہے یا نہیں ؟"

عائشہ :۔ "آپ کا کیا خیال ہے ؟"

عثمان :۔ "یہی پوچھنے کو تو تمہیں بلایا ہے، ــــــ بتاؤ عائشہ سچ سچ بتادو !"

عائشہ :۔ "میرے دل میں آپ کے سوا کسی کی بھی جگہ نہیں ہے !"

عثمان :۔ (بے خود ہو کر) "عائشہ، ــــــ تم نے مجھے زندہ کر لیا، نئی زندگی بخش دی !"

عائشہ :۔ "اب تو آپ شاعروں کی ایسی باتیں کرنے لگے !"

عثمان :۔ "لیکن شاعر ہمیشہ جھوٹ نہیں بولتے، کبھی کبھی سچ بھی بول دیتے ہیں !"

عائشہ :۔ "نہ میں شاعر ہوں، نہ شاعروں کو جانتی ہوں !"

عثمان :۔ "کل میں نے عذرا خالہ سے جو باتیں سُنیں، ان میں اپنایت تھی، محبت تھی تعلق خاطر تھا، میں نے سوچا تمہارا دل بھی ٹٹول دیکھوں !"

عائشہ:۔" پھر کیا پایا آپ نے؟"

عثمان:۔" وہی جو سوچا تھا! ــــــ جس کی توقع تھی، ــــــ جس کی آرزو تھی! ــــــ عائشہ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، بہت زیادہ!"

عائشہ شرما گئی، اس نے سر جھکا لیا!

عثمان:۔" یہاں آکر مجھے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔"

عائشہ:۔" کون سی بات؟"

عثمان:۔" یہ کہ میرا ایک رقیب بھی ہے!"

عائشہ کی تیوری پر بل پڑ گئے، اس نے قدرے غصّہ کے ساتھ کہا،

" رقیب؟ ــــــ کیا آپ کی مراد خلیل سے ہے؟"

عثمان:۔" ہاں اسی سے، ــــــ وہ عذرا خالہ کے پاس اپنی ماں کو لے کر آیا تھا، کہ تم سے شادی کا پیام دے!"

عائشہ پر یہ سنکر بجلی گر پڑی، اس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ کہا،

" پھر اماں نے کیا کہا؟"

عثمان:۔" وہی جو انہیں کہنا چاہیئے تھا، ــــــ انکار صاف انکار!"

عذرا پھول کی طرح کھل گئی،

" میری اماں بڑی اچھی ہیں!"

عثمان:۔" ہاں بہت زیادہ، وہ خلیل اور سلمیٰ کے سامنے میری تعریفیں کرتی رہیں!"

عائشہ:۔" بہت جلے ہوں گے دونوں؟"

عثمان:۔" بہت زیادہ ــــــ بلکہ یوں کہو جل کر بھسم ہو گئے!"

عائشہ ہنسنے لگی،

عثمان:۔ "خلیل صاحب تو مجھ سے بھی اکڑے ہوئے ہیں، کسی دن ایسی خبر لوں گا کہ یاد کریں گے!"

عائشہ:۔ "میں تو ان کی خبر لے بھی چکی، ——— اسے بھی عمر بھر یاد رکھیں گے!"

پھر عائشہ نے اُس طمانچہ کی کہانی سنادی، جو ایک دن اس نے خلیل کے گال پر لگایا تھا!

عثمان:۔ "بہت اچھا کیا، شاباش!"

عائشہ:۔ "پھر اُس دن کے بعد اُس نے مجھ سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی!"

عثمان:۔ "کس منہ سے کرتا!؟"

عائشہ:۔ "لیکن مجھے ڈر لگتا ہے عثمان۔"

عثمان:۔ "کس سے؟ کس طرح کا؟ کس بارے میں؟"

عائشہ:۔ "کہیں خلیل کوئی فتنہ نہ کھڑا کردے؟"

عثمان:۔ "یہ باتیں میرے سوچنے کی ہیں، تم کیوں انہیں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی ہو! ——— میرا جی چاہتا ہے کہ ———"

عائشہ:۔ "کہئے کہئے چپ کیوں ہو گئے؟"

عثمان:۔ "میں صرف تمہاری رائے لینا چاہتا ہوں، وہی کروں گا، جو تم چاہو گی!"

عائشہ:۔ "تو کہئے نا! ——— کہئے!"

عثمان:۔ "سوچتا ہوں، اماں سے تقاضا کروں کہ وہ میرے لئے پیام دے دیں عذرا خالہ کو!"

عائشہ:۔ "ضرور کہئے، ——— اچھا ہے پھر یہ خلیل کا فتنہ خود ہی ختم ہو جائے گا!"

عثمان:۔ "لیکن اگر عذرا خالہ نے انکار کر دیا؟"

عائشہ:۔ "یہ نہیں ہو سکتا، وہ آپ کو بہت چاہتی ہیں۔"

عثمان:۔ "یہ تو مجھے بھی یقین ہے، لیکن یہ عذر تو ضرور کریں گی کہ جب تک سلیمان خالو نہیں آجاتے، کچھ نہیں ہو سکتا، اور یہ عذر ایسا ہے جسے ماننا ہی پڑے گا!"

عائشہ:۔ "تو پھر ابا آتے ہی ہوں گے! ——— آخر کب تک آنے کو کہا تھا انہوں نے؟"

عثمان ابھی کوئی جواب نہیں دے پایا تھا، کہ کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی!

خلیل نے بڑی برہمی اور اس سے زیادہ سخت لہجہ میں پوچھا

خلیل:۔ "تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عثمان:۔ "باتیں کر رہے ہیں ——— لیکن تمہیں کیا؟"

خلیل:۔ "یہ پاک دامن صاحبہ جو تمہارے پہلو میں بیٹھی تھیں، انہیں شرم نہ آئی، یہاں آتے؟"

عثمان:۔ "خلیل تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

خلیل:۔ "اب تک میں زبان سے باتیں کر رہا تھا، لیکن اب شاید ہاتھ سے بات کرنی پڑے گی!"

عثمان:۔ "میں تیار ہوں، آؤ کر لو، مقابلہ!"

خلیل:۔ "تو یوں کہئے، عشق صادق اب اس مرحلہ تک پہنچ چکا ہے کہ خون خرابہ کے لئے بھی تیار ہو!"

عثمان :۔" خلیل آخری بار میں کہتا ہوں ، ہماری گفتگو کے بیچ میں عائشہ کا ذکر نہ آنے پائے !"

خلیل :۔" ورنہ کیا ہوگا ؟ کیا کرو گے تم ؟"

عثمان :۔" تمہارا منہ توڑ دوں گا ! ——— اگر لڑنا چاہتے ہو لڑو ، واپس جانا چاہتے ہو تو اس کی بھی اجازت ہے ، لیکن عائشہ کا نام اب تمہاری زبان پر نہ آئے !"

عثمان کی یہ تیکھی باتیں سنکر خلیل نے اپنا جائزہ لیا تو کمزور پہلو نظر آیا ، لہذا اس کا لب و لہجہ بدل گیا ، اس نے کہا ،

" آخر عائشہ یہاں کیوں آئی ؟"

عثمان :۔" کیوں نہ آتی ؟ ——— زر خرید ہے کسی کی ؟ منگیتر ہے کسی کی ؟ دبیل ہے کسی کی ؟ ——— وہ آئی ، آئے گی ، ہزار بار آئے گی ، اسے کوئی نہیں روک سکتا !"

خلیل :۔" کیا تم اس سے محبت کرتے ہو ؟"

عثمان :۔" ہاں کرتا ہوں "

خلیل :۔" وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے ؟"

عائشہ :۔" ہاں کرتی ہوں ، پھر ؟ ——— اُس دن تمہیں سبق مل چکا ہے ، پھر بھی ، تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے !"

خلیل :۔" یہ دوسرا گال بھی حاضر ہے ، اس پر بھی اپنے پنجہ کے نشان ثبت کردو یہ سر حاضر ہے ، اس پر ٹھوکریں لگاؤ ، میں موجود ہوں ، مار ڈالو مجھے ، لیکن ——— لیکن تمہیں عثمان کو چھوڑنا پڑے گا ، تمہیں میرا بننا پڑے گا ، تم نعمان کی بہو بنو گی !"

عائشہ :۔" یہ کچھ نہیں ہوگا ، ــــــ جاگتے ہیں خواب دیکھنا چھوڑ دو!"

خلیل :۔" میں جو خواب دیکھتا ہوں، وہ حقیقت بن جاتاہے، خواہ اسے جاگتے میں دیکھوں، یا سوتے میں، ــــــ میرا نام خلیل ہے، میں نعمان کا بیٹا ہوں، اور نعمان کے جلال و جبروت کا ہر شخص قائل ہے !"

عائشہ :۔" میں نہیں قائل ہوں ــــــ جو کچھ تم کر سکتے ہو تم کرلو، جو کچھ نعمان کرسکتاہے وہ کرلے !"

خلیل :۔" تم تو بڑی بے زبان تھیں، بات کرنا تمہیں آتا ہی نہ تھا، پھر آج کیا بات ہے کہ قینچی کی طرح تمہاری زبان چل رہی ہے ؟"

عثمان :۔"یہ باتیں چھوڑو، میرا کہنا مانو، جہاں سے آئے ہو، وہیں واپس چلے جاؤ!"

خلیل :۔" گویا میں اپنی شکست تسلیم کرلوں !"

عثمان :۔" شکست تو تمہیں اسی دن تسلیم کرلینی چاہئے تھی، جس دن تمہارے گال پر عائشہ کا طمانچہ پڑا تھا !"

خلیل :۔" میرے گال پر طمانچہ پڑا تھا، ــــــ اس واقعہ کا تمہیں بھی علم ہے؟ اپنی اتنی بڑی توہین میں برداشت نہیں کرسکتا !"

عثمان :۔" لیکن ابھی میرے سامنے تم نے اپنا دوسرا گال خود پیش کیا تھا، یاد ہے؟"

خلیل :۔" میں نہیں چاہتا کہ بات بڑھے، ــــــ عثمان تم یہاں سے چلے جاؤ جب تم آنکھوں سے اوجھل ہوجاؤ گے، تب عائشہ یہاں سے جائے گی، ــــــ تمہارے گھر نہیں، اپنے گھر، وہاں میرے والد اور والدہ اس کے انتظار میں بیٹھے ہیں فوراً ہی قاضی آئے گا اور ہمارا نکاح ہوجائے گا !"

عثمان ہنس پڑا۔

خلیل :۔"تمہیں ہنسی کس بات پر آئی ؟"

عثمان :۔" تمہاری بے وقوفی پر، ——— عائشہ نے ابھی کہا تھا، جاگتے میں خواب دیکھنے کی عادت چھوڑ دو، لیکن تم برابر خواب دیکھے چلے جا رہے ہو، ——— میرے بھائی جو تم چاہ رہے ہو، وہ نہیں ہو گا، عائشہ میرے ساتھ جائے گی، میری رفیقہ حیات بنے گی !"

خلیل :۔" جب تک میں زندہ ہوں، یہ نہیں ہو سکتا ؛"

عثمان :۔" تو خودکشی کر لو، ——— یہ تو ہو گا، اور ہو کر رہے گا !"

عائشہ :۔" میں تم سے نفرت کرتی ہوں، ——— جو عورت تم سے نفرت کرتی ہے، اس سے شادی کرنے کی تمنا چھوڑ دو !"

خلیل :۔" نفرت محبت میں بدل سکتی ہے ——— میں تمہیں محبت کرنا سکھا دوں گا !"

عائشہ :۔" مجھے یہ سبق آپ سے لینے کی ضرورت نہیں، ——— خلیل میرے پیچھے نہ پڑو، اسی میں عافیت ہے، یہی مناسب ہے !"

خلیل :۔" اچھا تم یہاں سے چلو تو !"

عائشہ :۔" ہاں میں یہاں سے جاؤں گی، ——— لیکن ریحانہ خالہ کے پاس !"

خلیل :۔" (غصہ میں) تم نے اگر اس طرف قدم رکھا تو میں تمہارے پاؤں توڑ دوں گا میں تمہاری چوٹی پکڑ کر گھسیٹتا ہوا تمہارے گھر لے جاؤں گا، میں قبیلہ بھر میں تمہیں اور عثمان کو بدنام کر دوں گا، میں دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ دوں گا، کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر ملتے ہیں، یہ قبیلہ کے ننگ و ناموس کے لئے کلنگ کا ٹیکہ ہیں !"

عائشہ:- "یہ صرف گیدڑ بھبکی ہے، تم کچھ نہیں کر سکتے، ——— اور اگر کر سکتے ہو تو میں منع نہیں کرتی، ——— ہٹو سامنے سے مجھے جانے دو، ——— آؤ عثمان چلیں"۔

خلیل سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا!"

عائشہ نے عثمان کی طرف دیکھا، خلیل کی باتیں سُن سُن کر عثمان پہلے ہی سے مشتعل ہو چکا تھا، اس نے عائشہ کو پیچھے کر لیا، اور خود آگے بڑھ کر کہا،

"کیوں اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑے ہو، ——— ہٹ جاؤ راستے سے!"

خلیل چٹان کی طرح اپنی جگہ جم گیا!

عثمان نے ذرا بلند آواز سے کہا،

"میں کہتا ہوں ہٹ جاؤ!"

خلیل نے جواب دیا،

"نہیں ہٹوں گا!"

عثمان نے خلیل کے سینہ پر ایک گھونسہ مارا، وہ لڑکھڑایا، لیکن سنبھل گیا، بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس نے کمر سے نیمچہ نکالا، عائشہ چیخی،

"ہوشیار، ——— عثمان!"

عثمان نے کہا،

"اس بزدل کی کمر پر میری پہلے سے نظر تھی، تم نہ گھبراؤ!"

پھر اس نے خلیل کا ہاتھ مروڑ کر نیمچہ چھین لیا، اور غصہ سے کانپتے ہوئے پوچھا،

"اب بتاؤ؟ ——— کیا تم اپنی جان سلامت لے جا سکتے ہو؟"

خلیل کا چہرہ زرد پڑچکا تھا، اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن کہہ نہ سکا،

عائشہ بولی،

"بہت ہو چکا عثمان، آؤ چلیں، اب خلیل ہمارے راستہ سے ہٹ جائے گا!"

عثمان کا غصہ اب تک نہیں اترا تھا،

"نہیں، ——— آج میں فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں، یا یہ نہیں یا میں نہیں،

اس کی آشفتہ سری، بد زبانی، بیہودگی، ناقابل برداشت حد تک پہنچ چکی ہے، یہ اس قابل نہیں ہے، کہ اس کے ساتھ رعایت کی جائے، یہ اسی کا مستحق ہے کہ اسے قرار واقعی سزا ملے، تاکہ پھر یہ سر نہ اٹھا سکے!"

عائشہ مسکرائی،

"سزا مل گئی، ——— اب یہ سر نہیں اٹھائے گا، ——— آؤ!"

عثمان اور عائشہ، نخلستان کے گوشہ سے نکلے، اور اپنے گھر کی طرف بڑھ گئے!

دونوں کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا! ———!

عائشہ کی مسرت تو حدّ بیان سے باہر تھی، اس نے تبسّم کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے جب تیغچہ اس کی طرف بڑھایا، تو دہشت کے مارے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا!"

عثمان نے پیچھے مڑ کر، اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا،

"بزدل ہے، ——— اور کم ہمت بھی!"

عائشہ:۔ "اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

عثمان:۔ "اپنی اور اس کی جان ایک کر دیتا، اسی تیغچہ سے جو میں چھین لایا ہوں

اس کا خاتمہ کر دیتا !"

عائشہ :۔" ارے تم نیمچہ چھین لائے ، ــــــ واپس کر دو بیچارے کو!"

عثمان :۔" وہ نیمچہ رکھ کر کیا کرے گا!

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ہتھیار اُسے رکھنا چاہیئے جو اس کا استعمال کر سکتا ہو، استعمال جانتا ہو !"

عائشہ :۔" مجھے بڑا ترس آرہا ہے غریب پر ! ــــــ کتنے جوش سے آگے بڑھا تھا ، لیکن پسپا ہو گیا !"

عثمان :۔" اُسے تمہارا شکر گزار ہونا چاہیئے، تم نے آج اس کی جان بچالی ؛"

عائشہ :۔" ورنہ تم مار ڈالتے ؟"

عثمان :۔" ہاں ضرور مار ڈالتا ، ــــــ اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی دن میرے ہاتھ سے ــــــ"

عائشہ :۔" نہیں خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو، دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بَیر کرنا دانشمندی نہیں، جب تک ابّا نہ آئیں اسے بالکل نہ چھیڑو، پھر دیکھا جائے گا !"

عثمان :۔" میں اپنی طرف سے تو پہل نہیں کرتا، اُس دن عذرا خالہ کے ہاں بھی میں نے دیکھا، خواہ مخواہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھا جا رہا تھا، آج یہاں بھی، خواہ مخواہ آگیا، اور لگا واہی تباہی باتیں کرنے، شیخ قبیلہ کا بیٹا ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ وہ بادشاہ ہے، اور ہم رعایا وہ جس کی چاہے ذلّت کرے، اور وہ چُپ چاپ برداشت کر لی جائے !"

عائشہ :۔ کہتے تو ٹھیک ہو، لیکن دیکھ لینا آج کی پٹائی رائگاں نہیں جائے گی، یہ کچھ

نہ کچھ گل کھلائے گا ضرور، اپنے گھر جا کر تیور کیے دے رہے ہیں۔"

عثمان:۔" محبت کے راستے میں مشکلات پیش آتی ہی ہیں، ہمیں ہراساں نہیں ہونا چاہیئے، مردانہ وار مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ تم اگر میرے ساتھ ہو تو خلیل کیا، میں پہاڑ سے ٹکر لے سکتا ہوں!"

اور جب تک عائشہ اور عثمان نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے، خلیل اِن دونوں کو کھڑا گھورتا رہا!

(۲۵)

جنگ!

خلیل اور عثمان کی جنگ، ایک ایسی خبر تھی، جس کی سلمیٰ اور نعمان کو فوراً اطلاع مل گئی، لیکن ریحانہ اور عذرا کو سُن گن بھی نہ ملی، خلیل نے خوب نمک مرچ لگا کر جنگ کی کہانی سنائی، عثمان اور عائشہ نے کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔

نعمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ آج خلیل عثمان کے ہاتھوں پٹ کر آیا ہے، تو اس کا حلم، غضب سے بدل گیا۔ اس نے کہا۔

"اب وقت آگیا ہے کہ فیصلہ کر لیا جائے، عذرا، خلیل اور عثمان میں سے کسے اختیار کرتی ہے ——— ؟"

اور پھر ٹہلتے ٹہلتے وہ سلمیٰ سے مخاطب ہوا،

"سنتی ہو؟ میں نے فیصلہ کر لیا ہے، ہم ابھی عذرا کے ہاں چلیں گے!"

سلمیٰ تو یہ بات دل سے چاہتی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آؤ چلیں!"

خلیل بھی ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا، لیکن نعمان نے منع کیا۔

"نہیں بیٹے، اس وقت تمہارا چلنا مصلحت کے خلاف ہے ——— ہم ابھی آتے ہیں"

بادل نخواستہ خلیل گھر میں رہ گیا، نعمان اور سلمیٰ عذرا کے ہاں پہنچے، وہ ابھی ابھی ریحانہ کے ہاں سے آئی تھی، اور اس امر سے بالکل خالی الذہن تھی کہ آج اس کا گھر میدان کارزار بننے والا ہے!

اس نے حسب معمول اخلاق اور تپاک سے ان دونوں کی پذیرائی کی، لیکن اس کے تپاک جواب سرد مہری سے دیا گیا، نعمان نے کہا،

"آج ہم یہ فیصلہ کر کے آئے ہیں کہ تمہیں ہماری بات ماننی پڑے گی!"

عذرا سمجھ تو گئی کہ وہ کون سی بات ہے جو اس سے منوائی جا رہی ہے، پھر بھی وہ انجان بن گئی، اس نے تبسّم کرتے ہوئے اخلاق اور متانت کے ساتھ کہا،

"کہیئے تو کیا بات ہے؟ ماننے والی ہوگی تو ضرور مان لوں گی، مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے بھلا؟"

نعمان نے کہا،

"بات بہت معمولی ہے، لیکن اگر عقل سے کام نہ لو، تو پھر بہت زیادہ اہم بھی ہے!"

عذرا بولی،

"معمولی ہو یا اہم، کہہ تو چکی ماننے والی ہوگی تو ضرور مان لوں گی، نہ ماننے والی ہوگی تو پھر مجبوری ہے۔"

سلمیٰ بیچ میں بول پڑی،

"صاف بات یہ ہے کہ ہم خلیل کا پیام لے کر آئے ہیں، عائشہ کو بیاہنا چاہتے ہیں، خوب سوچ لو، خلیل سے اچھا لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو نہ ملے گا!"

عذرا نے جواب دیا،

"پہلے بھی کہہ چکی ہوں، اور اب پھر بتاتی ہوں، یہ کام میں نہیں کر سکتی!"

سلمیٰ:۔"کیوں؟ ——— عیب ہے کچھ میرے لڑکے میں؟"

عذرا:۔"خدا نہ کرے، وہ عیبی کیوں ہوتا؟ ——— لیکن عائشہ کے بارے میں مجھے کوئی اختیار نہیں ہے!"

نعمان:۔"تمہارا مطلب یہ ہے کہ جب تک سلیمان نہ آجائے کچھ نہیں ہو سکتا؟"

عذرا:۔"جی ہاں، میرا مطلب یہی ہے، ——— صرف یہی!"

نعمان:۔"لیکن ہم اب انتظار نہیں کر سکتے، ——— میں تمہیں یقین دلاتا ہوں سلیمان کو میری تجویز سے ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوگا، وہ اس رشتہ کو پسند کرے گا، فخر کرے گا، اس رشتہ پر، تم نہیں جانتیں، میں جانتا ہوں، وہ خلیل سے کتنا پیار کرتا ہے!"

عذرا:۔"میں آپ کو جھٹلاتی نہیں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے؟"

سلمیٰ:۔"جلدی کیوں ہے؟ میں بتاؤں، سنو گی؟ ——— سُن سکو گی ——— ؟"

عذرا:۔"ضرور سنوں گی، شوق سے کہیئے!"

سلمیٰ:۔"جلدی اس لئے ہے، کہ لڑکی اب ہاتھ سے جا رہی ہے، اگر کچھ دن وقت اور وہ اس بندھن میں نہ باندھی گئی، تو انجام یہ ہوگا کہ ہاتھ سے نکل جائے گی، بدراہ ہو جائے گی!"

عذرا:۔"یہ آپ عائشہ کے بارے میں کہہ رہی ہیں؟"

سلمیٰ:۔"ہاں اُسی کے بارے میں ——— تم گھر سے باہر نہیں نکلتیں

دوسروں سے نہیں ملتیں، تمہیں کیا معلوم، کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟ خلقت میں عثمان، اور عائشہ کے بارے میں کیا چرچا ہے؟"

عذرا:۔" ہاں یہ باتیں میں نہیں جانتی نہ جاننا چاہتی ہوں۔"

سلمٰی:۔" تو اس لئے جلدی ہے تمہیں۔"

عذرا:۔" آپ کا خیال ہے کہ عثمان اور عذرا ——"

سلمٰی:۔" ہاں، —— وہ دونوں چھپ چھپ کر ملتے ہیں، سرگوشیاں کرتے ہیں، ان کے ارادے نیک نہیں معلوم ہوتے، ضرور ایک دن وہ لڑکی تمہارے منہ میں کالک لگائے گی، ضرور ایک دن وہ بدمعاش لڑکا اپنے باپ حسّان کو رسوا کرے گا، —— کہو، اب آیا سمجھ میں؟"

عذرا:۔" خوب سمجھ گئی! —— بہتر یہ ہے کہ اس گفتگو کا سلسلہ بند کر دیجئے۔"

لقمان:۔" تو یہ سمجھ لیں کہ یہ رشتہ تمہیں نامنظور ہے؟"

عذرا:۔" یہی سمجھ لیجئے!"

لقمان:۔ لیکن اس کا انجام؟ —— یہ بھی سوچا ہے تم نے؟"

عذرا:۔ خوب سوچ لیا، جو لوگ میری معصوم لڑکی پر تہمت لگائیں وہ اسی قابل ہیں کہ ان سے سارے تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ ان سے کوئی واسطہ نہ رکھا جائے۔"

سلمٰی:۔" اہا ہا —— یہ بھی خوب رہی، الٹا چور کو توال کو ڈانٹے، بجائے اس کے کہ دل میں شرمندہ ہوتیں چہرے پر ندامت کا اظہار ہوتا، اپنی لڑکی کی خبر لیتیں، الٹی ہم سے خفا ہوئی جا رہی ہیں، واہ بھئی واہ، اچھا انصاف ہے —— سبحان اللہ!"

عذرا:۔" میں صاف الفاظ میں کہتی ہوں کہ عائشہ اور خلیل کی شادی نہیں

ہوسکتی، اب تک میں صرف خلیل سے نالاں تھی، اب آپ لوگوں کی حقیقت بھی اچھی طرح آشکار ہوگئی، ایسے گھر میں میری لڑکی نہیں جاسکتی، ایسے لوگوں کے ساتھ نہ اس کا گزارہ ہوسکتا ہے، نہ میرا ــــــ!"

سلمٰی:۔"تو صاف صاف کہدو، عائشہ کا بیاہ عثمان کے ساتھ کروگی ــ!"

عذرا:۔"اگر ایسا ہو تو اس سے اچھی کوئی بات نہیں ہوسکتی!"

نعمان:۔"لیکن یہ شادی اس قبیلہ میں نہیں ہوسکتی، کسی طرح نہیں ہوسکتی، خون کے دریا بہ جائیں گے، جب عثمان دولھا بن کر اس گھر میں آئے گا ــــــ یہ سُن لو، یہ سوچ لو!"

عذرا:۔"سُن لیا، سوچ لیا ــــــ عثمان بھی موم کا بنا ہوا نہیں ہے!"

سلمٰی:۔"اوہو، تو گویا ساری تیاریاں ہوچکی ہیں۔"

عذرا:۔"یہی سمجھ لو۔"

نعمان:۔"میں پوچھتا ہوں سلیمان کب آئے گا؟"

عذرا:۔"میں نہیں جانتی!"

نعمان:۔"میرے اور سلیمان کے ایسے تعلقات ہیں کہ اس کی عدم موجودگی میں جو چاہوں کرسکتا ہوں!"

عذرا:۔"کیجئے، منع کون کرتا ہے، آپ کو؟"

نعمان:۔"میں فیصلہ کرتا ہوں کہ کل عصر و مغرب کے مابین میرے لڑکے خلیل کی شادی، سلیمان کی لڑکی عائشہ کے ساتھ دس ہزار دینار مہر پر ہوگی! ــــــ یہ میرا فیصلہ ہے، اور اس فیصلہ کو کوئی نہیں بدل سکتا!"

عذرا :- "میں آپ کی زبان نہیں پکڑ سکتی، جو چاہے کہیئے، لیکن یہ بچکانہ باتیں ہیں
میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، اس بھول میں نہ رہیئے کہ آپ قبیلہ کے سردار ہیں
ہوا کریں، قبیلہ کا سردار اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی لڑکیوں پر اپنا حکم
چلائے، انہیں اپنی لونڈی سمجھے، باپ پردیس میں ہو، اور وہ لڑکی کی شادی جس سے
چاہے کر دے، ایسا اندھیر گوارا نہیں کیا جا سکتا، آپ نے ابھی دھمکی دی تھی کہ اگر عثمان
اس گھر میں دولھا بن کر آیا تو خون کی ندی بہ جائے گی، اب میں بھی اسی دھمکی کو دوہراتی
ہوں، اور صاف الفاظ میں کہتی ہوں، اگر خلیل نے اس گھر کا رُخ بھی کیا تو وہ جان
سلامت نہ لے جا سکے گا، اگر آپ نے عائشہ پر جبر کرنا چاہا تو ضرور خون کی ندیاں
بہیں گی، یہ نہ سمجھئے کہ آپ سردار قبیلہ ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں، ہمارے بھی کچھ ہمدرد
ہیں، حمایتی ہیں، دوست ہیں —— وہ ہمارا ساتھ دیں گے!"

نعمان :- "تم خانہ جنگی کی دھمکی دے رہی ہو؟"

عذرا :- "میں دھمکی نہیں دیتی، بات کا جواب دے رہی ہوں —— اب
میں آپ لوگوں کی نہ صورت دیکھنا چاہتی ہوں نہ بات سُننا چاہتی ہوں، جائیے، تشریف
لے جائیے!"

نعمان نے سلمیٰ کا ہاتھ پکڑا، اور چلا گیا!

---

(۲۶)

نیا فیصلہ

لقمان، اور سلمیٰ کے جانے کے، عذرا اُٹھی، اور سیدھی ریحانہ کے ہاں پہنچی، اب ریحانہ پہلے کے مقابلہ میں بہت اچھی تھی، اس وقت طبیعت خاص طور پر بشاش تھی، ایک طرف عثمان بیٹھا تھا، دوسری طرف عائشہ، یہ دونوں باتیں کر رہے تھے، اور ریحانہ بستر پر لیٹے ان دونوں کی باتیں سُن رہی تھی، ——— عذرا پہنچی تو اسے دیکھ کر ریحانہ اُٹھ بیٹھی، عائشہ نے جلدی سے اس کی پیٹھ سے گاؤ تکیہ لگا دیا، عثمان بھی سنبھل کر بیٹھ گیا، ریحانہ نے محبت بھری نظروں سے عذرا کو دیکھا اور کہا،

"آج تو مجھے اپنی قسمت پر فخر ہو رہا ہے ——— دو دو مرتبہ تم نے قدم رنجہ فرمایا"

لیکن عذرا اس وقت بہت پریشان اور مضمحل تھی، اس نے اس سخن گسترانہ بات پر توجہ نہ کی، چپ چاپ آکر ریحانہ کے پاس بیٹھ گئی، ریحانہ نے اس کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھا، اور کہا،

"ہائیں کیا بات ہے عذرا، یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی، رونے لگی!

اسے روتا دیکھ کر ریحانہ بیقرار ہو گئی۔

"میری بہن، کچھ بتاؤ بھی تو، ——— دیکھو میری طبیعت پھر بگڑ رہی ہے، ہاتھ پاؤں میں سنسنی ہو رہی ہے، خدا کے لئے بتاؤ، کیا بات ہے، تم اتنی پریشان اور اُداس کیوں نظر آرہی ہو؟ ——— سب خیریت تو ہے؟"

عذرا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"اب تو یہاں رہنا بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے، نہ جانے وہ کہاں رہ گئے اور کب آئیں گے!"

عثمان نے کہا،

"کیا بات ہوئی، آپ بتائیے تو، جب تک میں زندہ ہوں، آپ کو پریشان اور فکرمند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، ——— کیا خلیل آیا تھا؟"

عذرا:۔"نہیں وہ تو نہیں آیا پھر، لیکن نعمان اور سلمیٰ چڑھ کر آئے تھے!"

ریحانہ:۔"یعنی لڑنے آئے تھے؟"

عذرا:۔"لڑنے، دھمکی دینے، جبر کرنے، ——— وہ کہہ رہے تھے، ہم عائشہ کی شادی زبردستی خلیل کے ساتھ کر دیں گے، ہم سے سرتابی کر کے کوئی اس قبیلہ میں نہیں رہ سکتا!"

ریحانہ:۔"نعمان کی یہ ہمت؟ ——— آخر یہ اسے سوجھی کیا ہے؟"

عذرا:۔"میں کیا جانوں؟ بس ایک ہی رٹ ہے، عائشہ کو خلیل سے بیاہ دو۔"

ریحانہ:۔"تم نے کہا نہیں اسکی منگنی ہو گئی ہے؟"

عذرا:۔"یہ کیسے کہہ دیتی!"

ریحانہ:۔"کیوں؟ کیا تمہیں نہیں معلوم سلیمان، عائشہ کو بہ مجھے دے چکا ہے؟"

عذرا :۔ "ہاں یہ تو جانتی ہوں"

ریحانہ :۔ "اور میں سلیمان سے کہہ چکی ہوں کہ عائشہ کا دولہا عثمان بنے گا، اور وہ مجھ سے وعدہ کر چکا ہے کہ ہاں ایسا ہی ہوگا !"

عائشہ شرما کر سمٹ کر بیٹھ گئی ، عثمان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی !

عذرا :۔ "مجھ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی، ——— لیکن تمہاری بات کا مجھے اعتبار رہے ، تم جھوٹ نہیں بولتیں ، غلط نہیں کہہ سکتیں ، ——— لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے ؟"

عثمان :۔ "اگر نعمان کی شامت ہی آگئی ہے تو دوسری بات ہے ، ورنہ وہ ایسی احمقانہ حرکت نہیں کر سکتا !"

عذرا :۔ "نہیں بیٹے یہ نہ کہو ، وہ خلیل کے عشق میں دیوانہ ہو رہا ہے ، سب کچھ کر سکتا ہے ؟ ——— جو نہ کر گزرے کم ہے !"

عثمان :۔ "تو پھر وہ اپنی حماقت کا خمیازہ بھی اچھی طرح بھگت لے گا !"

ریحانہ :۔ "میری رائے تو یہ ہے کہ اب بغیر تامل کے عائشہ اور عثمان کی شادی کردی جائے ——— کیوں عذرا بہن تمہاری کیا رائے ہے ؟"

عذرا :۔ "میری رائے کیا پوچھتی ہو ؟ سچی بات تو یہ ہے کہ عائشہ میری نہیں تمہاری ہی لڑکی ہے ، تمہی نے اسے پالا پوسا پروان چڑھایا ، خود اس کا بھی یہ حال ہے کہ مجھے اتنا نہیں چاہتی ہے جتنا تمہیں ، جب تک تم نصیب دشمناں بیمار رہیں ، وہ زندہ در گور رہی ، دنیا کی ہر خدمت سے اس نے منہ موڑ لیا تھا ، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خود عثمان ماشاء اللہ اتنا اچھا اور نیک لڑکا ہے کہ ہر

شریف آدمی اسے اپنا داماد بنانے میں فخر محسوس کرے گا - لہٰذا ان دونوں کی شادی کا جہاں تک تعلق ہے مجھے نہ صرف اتفاق ہے بلکہ میرے دل کی تمنا بھی یہی ہے، لیکن جب تک وہ نہ آئیں کیا ہو سکتا ہے ؟

ریحانہ :۔" سب کچھ ہو سکتا ہے ؟ ——— یہ شادی تم نہیں کر رہی ہو، میں کر رہی ہوں، سلیما ن کو اگر اعتراض ہو گا، میں سمجھ لوں گی، تم سے کیا ؟"

عذرا :۔" بہن یہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم چند آدمی سردارِ قبیلہ کا مقابلہ کیونکر کر سکیں گے ؟ ——— مانا کہ کچھ ہمارے بھی حمایتی ہیں لیکن اتنے تو نہیں کہ ———"

عثمان :۔" اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دیجئے، میں نعمان سے، خلیل سے، ان دونوں کے حامیوں سے اچھی طرح نبٹ لوں گا !"

عذرا :۔" نا بیٹا، میں تجھے قربانی کا بکرا نہیں بناؤں گی !"

ریحانہ :۔" پھر کیا ہو گا ؟ ——— کیا تم یہ چاہتی ہو کہ نعمان جو چاہے کرتا پھرے جو چاہے کر گزرے، ہم صرف تماشہ دیکھتے رہیں ؟ ——— ؟

عثمان :۔" وہ کیا کر سکتا ہے ؟ صرف باتیں بناتا ہے !"

ریحانہ :۔" تو چُپ رہ لڑکے، ——— مجھے اندیشہ ہے کہیں نعمان کوئی اور چال نہ چلے۔"

عذرا :۔ (سہم کر) "چال کیسی ؟ ——— ویسے میں جانتی ہوں، اس کی فطرت بڑی خراب ہے ؟"

ریحانہ :۔" یہ خیال مجھے ابھی ابھی آیا، بات یہ ہوئی کہ کل وہ یہاں آیا تھا، پہلے تو

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، پھر پوچھا۔

" عثمان اور عائشہ کہاں ہیں ——— ؟"

میں کیا جانوں ان باتوں سے اس کا مطلب کیا ہے ؟ میں نے کہہ دیا کہیں باہر گئے ہیں۔ پھر پوچھنے لگا،

" دونوں ساتھ ساتھ گئے ہیں ——— ؟"

میں اب بھی نہ سمجھی مطلب کیا ہے ؟ میں نے سادگی سے کہدیا،

" ہاں ساتھ ساتھ گئے ہیں ——— !"

یہ سنتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا،

" زمانہ بہت خراب ہے، یہ آزادی بہت مہنگی پڑے گی !"

یہ کہا اور چلا گیا !

اُس وقت تو میں نے کچھ زیادہ توجہ نہ کی، ان باتوں کی طرف، لیکن اب تم نے اس کی باتیں جو سنائیں تو میں سمجھتی ہوں مار پیٹ تو نہیں کرے گا، ہنگامہ آرائی ضرور کرے گا ! ——— یعنی قبیلہ میں ان دونوں معصوم بچوں کو بدنام کر دے گا، پھر واقعی معاملہ نازک ہو جائے گا، جو لوگ ہمارے دوست اور ہمدرد ہیں وہ بھی ہمارا ساتھ نہ دے سکیں گے !"

عذرا :۔" یہی تو میں بھی کہتی ہوں ! ——— عجیب مصیبت میں ڈال دیا ہے اس کمبخت نعمان نے ! ——— ایسے وقت اگر وہ ہوتے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا !"

عثمان :۔" تو پھر ایسا کیجئے، میں مکّہ جاتا ہوں !"

ریحانہ عثمان کی جدائی کے خیال سے سہم گئی۔

"نہیں میں تجھے نہیں جانے دوں گی!"

عثمان نے بیمار اور بوڑھی ماں کو تسلّی دیتے ہوئے کہا،

"اماں سُنیے تو، میں بہت جلد واپس آجاؤں گا، سلیمان کو لے کر!"

عذرا خوش ہو گئی۔

"ایسا ہو سکے، تو بگڑی بن جائے!"

ریحانہ:۔ "تو تمہاری رائے بھی یہی ہے کہ یہ لکّہ چلا جائے؟"

عذرا:۔ "ہاں، ——— ذرا تم اور اچھی ہو تب!"

ریحانہ:۔ "اگر جانا ضروری ہے، تو پھر میرے اچھے ہونے کا انتظار نہ کرو، عثمان کو سدھارنے دو!"

عثمان:۔ "میری اماں یہی مناسب ہے، میں انشاء اللہ بہت جلد واپس آؤں گا!"

(۲۷)

سچّی بات

حضرت عبداللہ ابن زبیر اور حجاج میں صلح نہ ہوسکی ——— ہو بھی نہیں سکتی تھی، حق اور باطل میں کبھی مفاہمت نہیں ہوتی، سچ اور جھوٹ میں کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا، یہ جنگ ازل سے ہو رہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی!

لہٰذا جس طرح حسینؓ اور یزید میں صلح نہیں ہوسکی، اسی طرح زبیر اور حجاج میں ملاپ نہیں ہوسکا، حضرت عبداللہ ابن زبیر خانۂ کعبہ میں مقیم تھے، حجاج وہاں سے دور ایک پہاڑی پر اپنے لاؤ لشکر سمیت مقیم تھا، ابن زبیر اس لئے لڑ رہے تھے کہ حق کا بول بالا ہو، اور حجاج اس لئے برسر جنگ تھا کہ اپنے آقا عبدالملک بن مروان کے لذائذ دنیا کی اور عیش و عشرت کے لئے ایک وسیع مملکت کا خزانہ اس کے قدموں پر لاکر ڈال دے، ابن زبیر اس لئے اپنی گردن کٹانے پر تلے ہوئے تھے کہ وہ حکومت الٰہیہ کے داعی تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ شراب پئیں، زنا کریں، فسق و فجور کی زندگی بسر کریں، اور حجاج اس لئے اپنی قوت اور طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ وہ کسی طرح راستہ کے اِس

پتھر کو ہٹا دے، اور پھر وہی نظام حکومت استوار کر دے جسے نہ خدا سے کوئی واسطہ ہو، نہ قرآن سے، جس کی بنیاد خشیت الٰہی پر نہ ہو بلکہ وہ شخصی افکار و آرا کی تابع ہو، نہ یزید نے کبھی ایک لمحہ کے لئے یہ سوچا کہ قرآن و سنّت کی حکومت قائم کرے، نہ حجاج، اور عبدالملک بن مروان کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ لوگوں کو خدا کا مطیع بنایا جائے، یہ لوگ، مخلوق خدا پر اپنی خدائی اور خداوندی کا سکّہ چلانا چاہتے تھے، ان کا مطلوب و مقصود صرف یہ تھا کہ ساری خدائی سمٹ کر حاضر ہو، اور ان کے تخت ربوبیت کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے، اور جو کچھ یہ کہیں اس کی بے چون و چرا تعمیل کرے، بغیر یہ سوچے ہوئے کہ ان کا فرمان خدا اور رسول کے حکم سے ٹکراتا ہے یا نہیں؟

یہ عبدالملک کون تھا؟ ——— ؟

یہ وہی تو تھا جس نے اپنی زندگی کا آغاز زہد و تقویٰ سے کیا تھا، جو ہر وقت قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا، تفسیر کے نکات پر غور کیا کرتا تھا، دنیا سے نفرت کرتا تھا، اور آخرت کی فکر میں لرزہ براندام رہتا تھا، یہ راتوں کو اپنے رب کے حضور میں گڑگڑاتا تھا روتا تھا، دن کو عبادت کرتا تھا، تسبیح و تحلیل میں وقت گزارتا تھا، لیکن جب بخت و اتفاق سے اموی حکومت کی عنان اس کے ہاتھ میں آئی تو اس نے قرآن مجید کو آخری بوسہ دیا اسے تہ کر کے جزدان میں رکھا، اور اس سے مخاطب ہو کر کہا ——— "یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات تھی[1]!" اور پھر جب وہ تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے ثابت کر دیا کہ واقعی اب اس کی زندگی کو دین و مذہب سے کوئی مناسبت نہیں ہے، اس نے بے محابا مظالم کیے،

---

[1] یہ تاریخی واقعہ ہے اور تمام مستند کتب تاریخ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

لوگوں کی گردنیں کاٹیں، جیل بھیجا، خزانے، جائدادیں، اور جاگیریں ضبط کیں، جس سے خوش ہوا، اسے ہزاروں لاکھوں روپے بخش دئے، بغیر یہ سوچے ہوئے کہ یہ خزانہ، یہ دولت، اس کی ذاتی نہیں، موروثی نہیں، خاندانی نہیں، قومی ہے، ملّی ہے، مسلمانوں کی ہے، اس کا مصرف صرف یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کی فلاح و اصلاح پر صرف کیا جائے،۔

بدقسمتی سے یہ زمانہ عہد رسالتؐ سے کچھ زیادہ بعید نہ تھا، ابھی اس دُنیا سے رسول آخرالزماں کو رخصت ہوئے کچھ زیادہ مدّت نہیں گزری تھی، ابھی بہت سے صحابہؓ موجود تھے، تابعی موجود تھے، صاحبان زہد و تقویٰ موجود تھے، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے، رسول اللہ؁ کا عہد مبارک دیکھا تھا، جنہوں نے ابوبکرؓ کا عہد خلافت دیکھا تھا، اور دیکھا تھا کہ خلافت کی بنیاد صرف قرآن وسنّت نبوی پر قائم تھی، جنہوں نے عمر فاروقؓ کا اور علی مرتضیٰؓ کا جلوہ دیکھا تھا، اور محسوس کیا تھا کہ قرآنی حکومت کیسی ہوتی ہے؟ —— یہ لوگ کس طرح یہ بات گوارا کر سکتے تھے، کہ مسند خلافت، تخت حکومت میں بدل جائے، خدا کے بجائے خدا کے قاہر اور باسطوت بندوں کے آگے سر جھکایا جائے، خدا کے احکام و اوامر یکسر فراموش کر دئے جائیں، اور ان بندگان حرص و ہوا کے احکام کی پابندی کی جائے؟ —— ؟

نتیجہ یہ ہوا کہ حق اور باطل کی جو کشمکش دَورِ مرتضوی کے بعد سے شروع ہوئی تھی، وہ اب تک پوری شدّت کے ساتھ جاری تھی، اس میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی تھی، برابر اضافہ ہو رہا تھا۔

عبدالملک کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے حجاج سے بہتر کوئی آدمی

نہیں مل سکتا تھا، حجاج نے جس وقت اپنے آقا کا حلف اطاعت اٹھایا، اسی وقت وہ خدا کے حلقۂ اطاعت سے خارج ہو گیا، اس نے اپنے آقا کی خوش نودی کے لئے کوئی گناہ ایسا نہیں تھا جس سے حذر کیا ہو، وہ اپنے آقا کو خوش رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی معصیت کر گزرتا تھا، اس نے اُن لوگوں کی توہین کی جنہوں نے خدا کے لئے دُنیا کو چھوڑ رکھا تھا، اس نے رسول کریم ؐ کے دوستوں اور ساتھیوں تک کو گزند پہنچانے سے دریغ نہیں کیا، اُس نے تابعین رسول کو برسر دربار سخت سُست کہا، اُن پر مظالم کئے، اُن کی جان لی، صرف اس جرم میں کہ وہ خدا کو حجاج اور اس کے آقا پر ترجیح دیتے تھے، عبد الملک نے اگر خدا کے آخری نبی کے وطن اختیاری ـــــ مدینۂ منورہ ـــــ کی حرمت کو اس کا محاصرہ کرا کے مجروح کرنے میں تامل نہیں کیا تو حجاج نے خدا کے مقدس گھر ـــــ خانۂ کعبہ ـــــ پر سنگ باری[1] کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کی، یزید کے دَورِ حکومت میں اگر وقت کے سب سے بڑے عابد و زاہد اور مقدس و محترم شخص ـــــ امام حسینؑ ـــــ کا گلا کاٹا گیا تو عبد الملک کے عہد خداوندی میں حجاج یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ بھی وقت کے سب سے بڑے عابد و زاہد اور متقی شخص، ـــــ عبد اللہ ابن زبیر ـــــ کو قتل کر کے دم لے گا، یہ تاریخ اسلام کا اتنا بڑا المناک حادثہ ہے کہ نہ اسے محو کیا جا سکتا ہے، نہ فراموش کیا جا سکتا ہے، نہ اس کی کوئی تاویل ہی کی جا سکتی ہے۔

---

[1] یہ سب تاریخی واقعات ہیں۔

عبدالملک بن مروان کا دربار پوری شان و شوکت کے ساتھ آراستہ تھا، یہ دربار، ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کا نہ تھا، جن کی اسلامی زندگی مسجد سے شروع ہوئی، اور مسجد میں ختم ہوئی، یہ وقت کے بہت بڑے سلطان کا دربار تھا، یہاں غلامان پری پیکر اور نازنینانِ سیمبر کا پرا لگا ہوا تھا، دُور باش کے نعرے بلند ہو رہے تھے، تلواریں چمک رہی تھیں، خنجروں کی آب سے آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں، وہ زمانہ رخصت ہو چکا تھا جب رسولؐ کے جانشین پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، بیت المال سے ایک حبّہ لینا بھی گناہ سمجھتے تھے، اب وہ زمانہ تھا کہ اطلس و دیبا اور حریر و پرنیاں کے لباس غلاموں، اور کنیزوں تک کے لئے بنتے تھے، بیت المال کا مصرف صرف یہ تھا کہ رعایا سے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، زیادہ سے زیادہ روپیہ اینٹھا جائے، اور اسے خاقی نمود و نمائش پر صرف کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے دور میں ایک معمولی آدمی بھی برسر ممبر خلیفۂ وقت کو ٹوک سکتا تھا، اس کا احتساب کر سکتا تھا، اس سے بازپرس کر سکتا تھا، اس کے رویّہ پر اور اقدام و عمل پر تنقید کر سکتا تھا، اور اگر سچ کہہ رہا ہو تو اپنی بات منوا سکتا تھا، لیکن اب، خدا کا نام لینا گناہ تھا، اب خلیفہ کے ہر حکم کا بجا لانا فرض تھا، خواہ وہ قرآن و سنّت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

حاضرین دربار ساکت و صامت بیٹھے تھے، عبد الملک تخت خلافت پر اگرچہ بڑے جاہ و جلال سے متمکن تھا، لیکن صاف معلوم ہوتا تھا اس وقت کچھ متفکر اور پریشان ہے، کوئی ایسی فکر ہے جس نے اسے عیش و عشرت کے پروگرام میں حصہ لینے سے باز رکھا ہے۔ حاضرین بھی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دم بخود تھے، کسی میں نہ یارائے تکلم تھا، نہ تاب سخن، سب ڈرے ہوئے، سہمے ہوئے، چپ چاپ بیٹھے تھے، ایسا معلوم

ہوتا تھا، اپنے آقا کو افسردہ اور ملول دیکھکر دُنیا ان کی نظروں میں تاریک ہو رہی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کیا کہیں کیا کریں؟

اتنے میں اطلاع ملی کہ حجاج کا نامہ بر آیا ہے، یہ خبر سنکر عبد الملک چونک پڑا، اس نے کہا،

"فوراً بلاؤ!"

چند لمحوں کے اندر نامہ بر حاضر ہو گیا، اس نے تخت خلافت کو بوسہ دیا، اور حجاج کا نامہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا، خلیفہ نے حکم دیا نامہ سنایا جائے۔

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی، حجاج نے لکھا تھا:۔

"ابن زبیر نے اپنے زہد و تقدس کی بدولت بہت سے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا ہے، یوں تو اس کا سارے عالم اسلام پر اثر ہے، لیکن خاص طور پر حجاز پورے طور سے اس کی گرفت میں ہے، جب تک ابن زبیر کا کامل استیصال نہیں کیا جاتا، اس وقت تک یہ فتنہ دب نہیں سکتا، نہ نظام خلافت استوار ہو گا، نہ آپ کی حکومت کو قرار و ثبات حاصل ہو گا! اس غلام کی رائے میں جب تک ضرورت سے زیادہ سختی نہ کی جائے کام نہیں بن سکتا، ابن زبیر خانۂ کعبہ میں مقیم ہے اس نے خانۂ کعبہ کو ایک قلعہ بنالیا ہے، میں نے خانۂ کعبہ پر سنگ باری کرائی، لیکن اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا، اب میں چاہتا ہوں کہ مجھے دربار خلافت سے اس امر کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں جو چاہوں کروں، جس طرح چاہوں اس جنگ کے بارے میں مجھے

آخری اور قطعی اختیارات جب تک نہ مل جائیں، میں اسے کامیابی کے ساتھ اتمام تک نہیں پہنچا سکتا ــــــ"

عبدالملک بیچ میں بول پڑا،

"ہاں حجاج سچ کہتا ہے، اسے پورے اختیارات ملنے چاہئیں!"

خط کا باقی حصہ سنایا گیا، جو یہ تھا،

" میرے آقا، میں اس جنگ کو چند روز میں ختم کر سکتا ہوں، میں بڑی آسانی سے حجاز کو فتح کر سکتا ہوں، میں بغیر کسی دشواری کے ابن زبیر کو قتل کر سکتا ہوں، میں پوری کامیابی کے ساتھ ابن زبیر کے حامیوں، دوستوں، اور ساتھیوں کا قلع قمع کر سکتا ہوں، لیکن مجھے اس بات کا اطمینان دلایا جائے کہ مجھ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہو گی، میں صاف الفاظ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کے لئے خانہ کعبہ پر میری سنگ باری اور شدید ہو جائے گی جس شخص پر ذرا بھی شبہ ہو گا میں فوراً اس کی گردن مار دوں گا، میں مدینہ اور مکہ کی حرمت کا خیال کئے بغیر ہر قسم کا فوجی اقدام کروں گا، اور جس وقت ابن زبیر میری گرفت میں آجائے گا میں اس کی گردن کاٹ کر فوراً دمشق کی طرف روانہ ہو جاؤں گا کہ اپنے ہاتھ سے اس کا سر اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دوں!"

جس وقت یہ خط سنایا جا رہا تھا، دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا، جب خط سنایا جا چکا، تو حاضرین کی یہ کیفیت تھی کہ وہ دم بخود بیٹھے تھے، خط سنکر عبدالملک کچھ دیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے حاضرین پر ایک نظر ڈالی، اور اپنے ایک مشیر سے پوچھا۔

"تم نے حجاج کا خط سُن لیا؟"

وہ بولا،

"میرے آقا، میں نے سُن لیا، اور میری رائے یہ ہے کہ حجاج کو وہ تمام اختیارات دے دئے جائیں جو وہ مانگتا ہے، واقعی بغیر اس کے یہ جنگ سر نہیں ہو سکتی!"

ایک اور شخص کی طرف عبدالملک نے رُخ کیا، اور کہا،

"بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟"

اس نے بھی پہلے آدمی کی پیروی کی، اور عرض کیا،

"اگر ہمیں عبداللہ ابن زبیر کے فتنہ کا واقعی استیصال کرنا ہے تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم بغیر یہ سوچے ہوئے کہ حجاج کیا کرے گا، اس کے ہاتھ مضبوط کریں، اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اسے دیں، بغیر ہماری مکمل پشت پناہی کے واقعی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا!"

عبدالملک کے قریب ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا، اس کا نام عبداللہ تھا، یہ ایک معمولی آدمی تھا، لیکن عبدالملک کی نگاہ کرم نے اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا، اب یہ معمولی شخص نہیں تھا، دربار کے مقتدر اور سربرآوردہ اصحاب میں اس کا شمار ہوتا تھا، یہ اپنے آقا کا جاں نثار مصاحب تھا، اور حجاج کی طرح صرف اس کی خوشنودی کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا تھا، یہ بہادر تھا، شجاع تھا، صاحب تدبیر تھا، کئی معرکوں میں عبدالملک کا ہمرکاب رہ چکا تھا، کئی جنگوں میں اپنی جاں نثاری کا ثبوت دے چکا تھا، بہت سے نازک اور کٹھن مرحلوں پر اپنی فراست، تدبیر، اور تدبر کا لوہا منوا چکا تھا، اس وقت تک

عبداللہ بالکل خاموش تھا، اس نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، عبدالملک نے مسکراکر اس کی طرف دیکھا، اور تلطّف کے لہجہ میں دریافت کیا،

"عبداللہ تم کیوں خاموش ہو؟"

عبداللہ، عبدالملک کی آواز سنکر چونک پڑا، ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ اس وقت کسی گہری فکر میں مستغرق تھا، اس نے کہا،

"میں سُن رہا ہوں!"

عبدالملک کا تبسّم اب تک قائم تھا،

"یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، تم بہرے نہیں ہو، سوال یہ ہے کہ تمہاری رائے کیا ہے، حجاج کو ہم کیا جواب دیں!"

عبداللہ نے کہا،

"میں وہ بات نہیں کہنا چاہتا جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ مانی نہیں جائیگی بلکہ رد کر دی جائے گی ——— !"

عبدالملک:۔ "یہ غلط فہمی تمہیں کیوں ہو گئی، تمہاری اصابت رائے کے ہم معترف ہیں، ہم نے بارہا تمہاری رائے سے فائدہ اُٹھایا ہے، اس پر عمل کیا ہے، ہم خاص طور پر تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں!"

عبداللہ:۔ "اگر آپ واقعی رائے کو اہمیت دیتے ہیں، مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں، میرے بارے میں یہ خیال نہیں کہ میں غدّار ہوں تو پھر پوری قوت کے ساتھ میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حجاج کو واپس بلا لیجئے! ——— اس کا وہاں بھیجنا بہت بڑی غلطی تھی، اور اس غلطی کا جاری رکھنا

جرم ہے !"

یہ سنکر عبدالملک کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ عبداللہ کی زبان سے وہ ایسی بات سُنے گا، جس کی توقع صرف کسی دشمن ہی سے کی جا سکتی ہے، کچھ دیر تک وہ متامل سا رہا، پھر اس نے کہا،

"عبداللہ یہ تم کہہ رہے ہو ——— تم ؟"

عبداللہ :- "جی میں کہہ رہا ہوں، اور میرا خیال ہے کہ زندگی میں اتنی سچی بات میں نے کبھی نہیں کہی تھی، جیسی آج کہی ہے !"

عبدالملک :- "میں تمہیں اپنا ہوا خواہ اور جان نثار سمجھتا تھا،"

عبداللہ :- "بے شک میں آپ کا ہوا خواہ اور جان نثار ہوں، اگر میرا دل جذبۂ وفا سے خالی ہوتا تو میں بھی وہی کہتا جو دوسروں نے کہا ہے !"

عبدالملک :- "ایک اور عجیب بات ! ——— تمہارا خیال یہ ہے کہ ہمارے جن درباریوں نے حجاج کی تائید میں رائے دی ہے، وہ ہمارے دوست نہیں، وفادار نہیں، جان نثار نہیں، ——— ؟ کیوں ؟"

عبداللہ :- "بے شک میرا یہی خیال ہے !"

عبدالملک :- "(تلخی سے) بالکل غلط اور مہمل خیال ہے ! ——— تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے چاہئیں، اپنی غلط خیالی کی تصحیح کرنی چاہئیے !"

عبداللہ :- "میرے آقا، میں جانتا ہوں میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے آپ کے ایک اشارہ پر میرے جسم و جان کا رشتہ قطع کیا جا سکتا ہے، پھر بھی مجھے اپنی رائے پر اصرار ہے، پھر بھی میں وہی کہوں گا جو ابھی کہہ چکا ہوں، میں نے بہت عرصہ کے

غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی ہے!

عبدالملک :۔ "پھر آج تک تم خاموش کیوں رہے ؟"

عبداللہ :۔ "اس لئے کہ میں ابتدا کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا، آج آپ نے میرے لئے موقعہ فراہم کر دیا کہ دل کی بات زبان تک لے آؤں !"

عبدالملک :۔ "تم نے ایسی بات کہی ہے جو صرف ایک غدّار کہہ سکتا ہے، اور ہم ایک غدّار کو کسی طرح معاف نہیں کر سکتے !"

یہ کہہ کر عبدالملک نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا، وہ تیزی کے ساتھ لپکے اور انہوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا !

---

(۲۸)

صَاعِقہ

عبداللہ کی گفتگو سے عبد الملک کی طبیعت بہت مکدّر ہوئی، اس نے گرفتاری کے احکام صادر کرنے کے بعد فوراً دربار برخاست کر دیا، دربار برخاست کر کے حرم سرا پہنچا، یہاں بھی جی نہ لگا، یہاں سے اکتا کر وہ اپنے مخصوص ایوان میں پہنچا، اور خاموش بیٹھ گیا۔

صاعقہ ایک خوش گلو، خوش اندام، اور خوبصورت مغنّیہ تھی، وہ عبد الملک کی حرم سرا میں ایک کنیز کی حیثیت سے آئی تھی، عبد الملک نے اسے دیکھا اور منہ مانگے داموں خرید لیا، بہت جلد صاعقہ عبد الملک پر حاوی ہو گئی، شروع میں اس کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ دوسری کنیزان حرم کی طرح اپنے رقص و نغمہ سے عبد الملک کا جی بہلاتی تھی، لیکن کچھ ہی مدّت کے بعد وہ اپنے آقا کی صلاح کار اور مشیر بھی بن گئی، اگر جلوت کی رنگینیاں اس کے دم سے قائم تھیں، تو خلوت کی رعنائیاں بھی اسی کے پلّو سے بندھی ہوئی تھیں، عبد الملک کو فکرمند اور پریشان حال دیکھ کر وہ دبے پاؤں اس کے حجلۂ خاص میں پہنچی، عبد الملک اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا، پاؤں کی چاپ سنکر تیوری چڑھا کر اس نے نگاہ اٹھائی، لیکن صاعقہ کو دیکھ کر وہ اپنا تبسّم ضبط نہ کر سکا۔

عبدالملک نے پوچھا:۔

"کیا ہے ؟ ——— تم کیسے آگئیں اس وقت ؟"

صاعقہ بولی ،

" اپنے آقا کو مضمحل اور فکرمند دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکی ، آگئی ، ——— کہا چلی جاؤں ؟"

عبدالملک :۔ " نہیں بیٹھو ، ——— تمہیں دیکھ کر سکون کی دولت ملتی ہے ، تمہارے نغمے سنکر ، نشاط و انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے !"

صاعقہ :۔ " وہ تو ٹھیک ہے ، لیکن آخر اس وقت وہ کون بات ہے جو سلطان عالم و عالمیاں کے تکدّر اور انقباض کا سبب ہے ، ——— مجھے بتایئے تاکہ میں اس کا مداوا کروں "

عبدالملک :۔ (تبسّم کے ساتھ) تم جس درد کا مداوا کر سکتی ہو ، اور جس زخم کا مرہم بن سکتی ہو ، وہ کوئی اور درد ، کوئی اور زخم ہوتا ہے !"

صاعقہ :۔ " میرے آقا بتایئے تو ؟ ——— کنیز اگر سن لے گی تو کیا جرم ہو جائیگا ؟"

عبدالملک نے ساری داستان دوہرا دی ، اور کہا ،

" جب اُن لوگوں کا یہ عالم ہے جنہیں میں نے خاک سے پاک کیا ، جن کی گردنوں پر میرے احسان کا بوجھ ہے ، جو کنگال تھے لیکن میں لکھ لٹ بنادیا ، پھر ان لوگوں کو تو واقعی میرے خون کا پیاسا ہونا چاہئے ، جنہیں مجھ سے کوئی فیض نہیں پہنچا !"

صاعقہ غور سے عبدالملک کی باتیں سنتی رہی ، پھر اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا ، واقعی عبداللہ نے احسان فراموشی کی حد کر دی ، وہ اس کا مستحق ہے کہ عبرت انگیز سزا دی جائے ، صرف گرفتاری کافی نہیں !"

عبدالملک :۔ " ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ، ——— اگر قرار واقعی سزا نہ دی گئی

تو اور نہ جانے کتنے عبداللہ پیدا ہو جائیں !"

صاعقہ :۔ "پھر آپ نے کیا سوچا ؟"

عبدالملک :۔ "قتل کے سوا ، اور کیا سزا دی جا سکتی ہے ؟"

صاعقہ :۔ "میری رائے بھی یہی ہے ، لیکن ایک دوسری طرح سے !"

عبدالملک :۔ "وہ کیونکر ——— ؟"

صاعقہ :۔ "عبداللہ کو یہاں بلوایئے ، اپنے احسانات یاد دلایئے ، میں بھی لعنت ملامت کروں گی ، اگر شرمندہ ہو کر تائب ہو جائے ، پھر تو اسے رہا کر دیجئے ، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہاں قتل کرنے کے بجائے اسے حجاج کے پاس روانہ کر دیجئے !"

عبدالملک (حیرت سے) "حجاج کے پاس بھیجدوں ؟ ——— کیوں ؟"

صاعقہ :۔ "اس لئے کہ حجاج اسے جتنی عبرت انگیز سزا دے سکتا ہے کوئی نہیں دے سکتا ، ——— آپ جانتے ہیں وہ کیا کرے گا ؟"

عبدالملک :۔ "نہیں ——— بتاؤ وہ کیا کرے گا ؟"

صاعقہ :۔ "حجاج کے پاس عبداللہ کو روانہ کیجئے اور اسے تاکید کیجئے کہ اسے اُس دن قتل کرے ، جب اس کی آنکھوں کے سامنے عبداللہ ابن زبیر قتل ہو چکے ہوں اُن کے ساتھیوں ، حامیوں ، اور ہمدردوں کی گردنیں کاٹی جا چکی ہوں ، جب سارے حجاز پر اموی پرچم لہرا رہا ہو !"

یہ تجویز سنکر عبدالملک پھڑک گیا ، اس نے کہا ،

" صاعقہ ، واقعی تم بڑی ذہین ہو ، بڑی اچھی اور عمدہ تدبیر تم نے سوچی اگر عبداللہ راہ راست پر نہ آیا تو واقعی جب تک ابن زبیر کی گردن ہمارے پاس نہیں آتی

عبداللہ کو روز مرنا پڑے گا——— !"

یہ کہہ کر وہ زور سے ہنسا !

صاعقہ نے ناز و انداز کے ساتھ کہا ،

" پھر اس کارِ خیر میں دیر نہ ہونی چاہیئے——— حکم دیجئے ، عبداللہ کو ابھی پابجولاں یہاں لایا جائے ،——— مجھے اس کی صورت سے نفرت ہو چکی ہے ، لیکن آج آخری بار میں اسے دیکھوں گی ، اس سے باتیں کروں گی ، اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گی !"

عبدالملک نے تالی بجائی ، تالی کی آواز سنتے ہی چند مسلح سپاہی مختلف گوشوں سے نمودار ہوئے ، اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے ۔

عبدالملک نے پُرجلال آواز میں کہا ،

" عبداللہ کو اسی وقت ہمارے حضور میں پیش کیا جائے !"

گردن جھکا کر سپاہیوں نے یہ حکم سنا ، پھر وہ تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے ۔

صاعقہ برابر مسکرا رہی تھی ، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عبداللہ کی گرفتاری سے وہ بہت خوش ہے ، اور اس وقت اسے اپنے سامنے پابجولاں دیکھ کر اس کی مسرت کچھ اور زیادہ بڑھ جائے گی !

(۲۹)

آمنے سامنے

عبداللہ اپنے زندان خانہ میں ہتھکڑیوں، اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا چپ چاپ ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا، وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا!

الٰہی جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے؟

آخر میں نے کونسا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں یوں یک بیک مجھے حوالۂ زنداں کر دیا گیا؟ کیا سچ بات کہنا جرم ہے؟ کیا اپنے آقا کو صحیح مشورہ دینا قابل سزا ہے؟ کیا اپنے ولی نعمت کی ہمدردی کرنا گناہ ہے؟ ——— اگر نہیں تو میں کیوں جیل میں ڈال دیا گیا؟ میں نے اپنے دل کو بار بار ٹٹولا، اپنی نیت کا بار بار جائزہ لیا، اپنے نفس کا بار بار احتساب کیا، مجھے کہیں بھی کھوٹ نہیں نظر آئی، میرا دل اب بھی اپنے آقا کی محبت سے سرشار ہے، میرے سر میں اب بھی ایک اور صرف ایک سودا ہے، یہ کہ اپنے آقا کی حرمت پر اپنی جان قربان کر دوں، اور پورے اطمینان سے نعرہ لگاؤں،

جان دی — دی ہوئی اسی کی تھی،

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

میری یہ ساری کامرانیاں، اور خوش بختیاں، عبدالملک کی بخشش اور سرپرستی کے

سوا کسی کی رہینِ منت ہیں؟ میں زندگی بھر اس کا احسان نہیں بھول سکتا، جب تک زندہ ہوں، اس کا گُن گاؤں گا، اس کا ممنون رہوں گا!ــــــــ!

وہ یہی باتیں اپنے دل سے کر رہا تھا، کہ زنداں کا دروازہ کھُلا، چند سپاہی ادھر آتے ہوئے نظر آئے، شمع ان کے ہاتھ میں تھی، اور پُر اسرار طور پر اسی کی طرف بڑھ رہے تھے، عبداللہ کو یقین ہوگیا، اب وہ نہیں بچ سکتا، ضرور یہ لوگ عبدالملک کے حکم سے یہاں آئے ہیں تاکہ اسے قتل کردیں، اس خیال کے ساتھ اس کے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی، لیکن فوراً ہی دل مطمئن ہوگیا، اس نے سوچا مرنا تو ایک دن ہے ہی پھر اس سے خوف کیوں؟ اور دہشت کیسی؟ یہ سوچ کر وہ اطمینان کے ساتھ آنے والے حادثہ کا انتظار کرنے لگا، سپاہی قریب آگئے، عبداللہ نے ان سے مخاطب ہوکر کہا،

"میرے دوستو، تمہیں جو حکم ملا ہے شوق سے اس کی تعمیل کرو، میں راضی برضا ہوں!"

ایک سپاہی نے پوچھا،

"تم کیا سمجھ رہے ہو؟ ہمیں کیا حکم ملا ہے؟"

عبداللہ نے کہا،

"میرے قتل کا،ــــــــ میں ذرا بھی ہراساں نہیں ہوں!"

سب سپاہی ہنس پڑے، اسی پہلے سپاہی نے کہا،

"ممکن ہے تم قتل کئے جاؤ، لیکن ابھی نہیں ــــــــ ابھی تو تمہیں خلیفہ نے اپنے حجلۂ خصوصی میں طلب فرمایا ہے!"

یہ سنکر عبداللہ چپ ہوگیا، سپاہی اسے لے کر عبدالملک کے حضور میں پہنچے،

وہ اس وقت غیظ و غضب کا پیکر بنا بیٹھا تھا، صائقہ کی موجودگی بھی اس کی برہمی کو فرو نہ کر سکی!

عبدالملک نے خشم آلود نگاہوں سے عبداللہ کو دیکھا، اور گرجتے ہوئے کہا،

"ہم ہر شخص کے بارے میں یہ باور کر سکتے تھے کہ وہ غدّار ہے، لیکن —— عبداللہ بھی غدّار ہو سکتا ہے، یہ بات کبھی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی تھی ——!"

صاعقہ بولی،

"عبداللہ تم بھول گئے، کہ امیرالمومنین نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا؟ —— تم ایک حقیر، اور ناکارہ آدمی تھے، لیکن امیرالمومنین کے دامن دولت سے وابستہ ہونے کے بعد تم امیر کبیر بن گئے، عزت اور نعمت کے مالک بن گئے، —— کیا تمہیں یہی زیبا تھا کہ تم اتنے بڑے محسن اور اتنے اچھے آقا سے غدّاری کرو، —— کیوں؟"

عبداللہ:۔ "مجھ پر جو الزام لگایا ہے، اس کی صحت سے انکار کرتا ہوں!"

عبدالملک:۔ "تم اس الزام سے انکار کرتے ہو ——؟"

صاعقہ:۔ "اب تم جھوٹ بھی بولنے لگے؟"

عبداللہ:۔ "کوئی آدمی بھی مرتے وقت جھوٹ نہیں بول سکتا!"

صاعقہ:۔ "مرتے وقت؟ —— کیا تم مر رہے ہو؟"

عبداللہ:۔ "مجھے معلوم ہے، میں کس لئے طلب کیا گیا ہوں؟ میں یہ بھی جانتا ہوں جس شخص پر غداری کا الزام ہو اسے کیا سزا دی جاتی ہے؟ مجھے یقین ہے، میں اب چند لمحوں کا مہمان ہوں، اس دربار سے مجھے خدا کے دربار میں جانا ہے، اور وہاں میں اس حالت میں نہیں جانا چاہتا کہ مجھے جھوٹا اور کاذب قرار دیا جائے!"

صاعقہ :۔ (حیرت سے) "امیرالمومنین یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟"

عبدالملک :۔ "جان بچانے کے لئے سب اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں! ——— (خفگی کے ساتھ) کیا تو نے ہمیں یہ رائے نہیں دی کہ حجاج کو واپس بلا لیا جائے، اور ابن زبیر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟"

عبداللہ :۔ "بے شک میں نے یہ رائے دی، اور اس رائے پر میں اب بھی قائم ہوں!"

صائقہ :۔ "پھر اور غداری کسے کہتے ہیں؟ ——— ایک طرف تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں غدار نہ کہا جائے، دوسری طرف تمہاری یہ حالت ہے کہ امیرالمومنین کے بدترین دشمن کی حمایت کر رہے ہو، اور بہترین دوست کو محاذ جنگ سے واپس بلا لینا چاہتے ہو؟ ——— ایسی باتیں صرف ایک غدار ہی کر سکتا ہے، اور اگر پھر بھی تمہیں وفاداری کا دعویٰ ہے تو ثابت کرو!"

عبداللہ :۔ "وفاداری کے ثبوت میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں!"

صاعقہ :۔ "تو کہتے کیوں نہیں؟"

عبداللہ :۔ "موت ہر شخص کو آئے گی، خواہ وہ گدائے بے نوا ہو، یا شہنشاہ کج کلاہ۔"

صاعقہ :۔ "سب جانتے ہیں کہ موت برحق ہے، اس سے کسے انکار ہے؟"

عبداللہ :۔ "اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہ موجودہ زندگی عارضی ہے اور اس کے بعد جو زندگی عالم آخرت میں شروع ہوگی، وہ دائمی ہے۔"

صاعقہ :۔ "ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

عبداللہ :۔ "تو سچا وفادار وہ ہے جو آخرت کی زندگی کو سنوارنے کا مشورہ دے۔"

صاعقہ:۔ (کڑے سے) "اچھا یہ بات ہے، ـــــ تو یہ مشورہ تم نے اسلئے دیا تھا کہ امیرالمومنین کی حیات آخرت کو بناؤ، اور سنوارو ؟"

عبداللہ :۔ "جی صرف اس لئے!"

عبدالملک :۔ (برہمی کے ساتھ) "تمہارا خیال ہے، ہم وہ کام کررہے ہیں، جو رضائے الہٰی، اور منشائے ربّی کے خلاف ہیں؟"

عبداللہ:۔ (متانت سے) "بے شک امیرالمومنین میرا یہی خیال ہے"۔

صاعقہ:۔ "اے شخص تو کیوں اپنی جان کا دشمن ہوا ہے۔"

عبداللہ:۔ "جان سے تو میں ہاتھ دھوچکا ـــــ لیکن، میری وفاداری کا تقاضہ یہی ہے کہ امیرالمومنین کو دوزخ کا ایندھن بننے سے بچاؤں۔"

عبدالملک :۔ "خاموش ادبے ادب!"

عبداللہ :۔ "میں جانتا ہوں، حجاج کتنے مظالم کرچکا ہے، وہ خانۂ کعبہ پر سنگباری کرنے سے بھی نہیں چوکا، اس نے صحابۂ کرام کو اذیتیں دیں، اور تکلیفیں پہنچائیں، وہ خدا کے بہت بڑے برگزیدہ بندے حضرت عبداللہ ابن زبیر کی جان کا گاہک ہو رہا ہے، وہ جو کچھ کررہا ہے، اس کی سزا پائے گا، لیکن اس کے افعال کی ذمہ داری سے امیرالمومنین بھی نہیں بچ سکتے، اُن سے بھی مواخذہ ہوگا، خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، میں چاہتا ہوں، جب امیرالمومنین خدا کے حضور میں حاضر ہوں تو ان کا دامن ہر آلودگی سے پاک اور صاف ہو، اسی لئے میں نے یہ مشورہ دیا تھا، اسی لئے اس مشورہ پر اب تک میں قائم ہوں، خواہ میری جان رہے یا چلی جائے، سب کو ایک دن مرنا ہے، میں اس طرح مرنا نہیں چاہتا کہ گناہوں کا انبار اپنے ساتھ لے کر جاؤں، ـــــ امیرالمومنین،

پھر نہایت اخلاص اور فدویت کے جذبہ کے ساتھ میں استدعا کرتا ہوں، کہ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کیجئے، حجاج کو ظلم، اور قتل عام کی اجازت نہ دیجئے، خدا کے سامنے ان حرکتوں کا کوئی جواب نہ آپ سے بن آئے گا نہ حجاج سے! ——— میری تمنا ہے کہ ایسا وقت نہ آئے!"

عبدالملک:۔" تو تمہاری رائے یہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیر برگزیدہ شخصیت کے مالک ہیں ———؟"

عبداللہ:۔" کون ہے، جو اس حقیقت سے انکار کر سکے، ان کی ساری زندگی ایک کتاب کی طرح ہمارے سامنے کھلی ہوئی ہے، اس میں زہد و تقویٰ، نیکی، اور سچائی پرہیزگاری، اور پارسائی کے جلوے تو نظر آتے ہیں، لیکن خود غرضی، جاہ پرستی، عیش و عشرت، خدا فراموشی، اور دین بیزاری کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آتا، لہذا اُن کے خلاف لڑنا، ان کی گردن کاٹنے کی ہوس کرنا، سب سے بڑا ننگ انسانیت فعل ہے، اسی طرح مکہ اور مدینہ کے رہنے والے لوگ ——— یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے بہتوں نے رسول اکرمؐ کا دیدار کیا ہے، ان کی حیات گرامی اور سیرت طیبہ کے مناظر دیکھے ہیں، آج بھی جن کی زندگی کا مقصد صرف قرآن و سنت کی ترویج و تبلیغ ہے، ان لوگوں کو حجاج نے کم تکلیفیں نہیں پہنچائیں، اور آج کل بھی وہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ جس شقاوت اور سفاکی کا سلوک کر رہا ہے، وہ ہماری تاریخ کا سب سے المناک واقعہ ہے!

عبدالملک:۔" عبداللہ تم حد سے آگے بڑھ رہے ہو،"

صاعقہ:۔" تمہاری یہ باتیں امیرالمومنین کے لئے ناقابل برداشت ہیں!"

عبداللہ:- "جانتا ہوں کہ میری یہ باتیں ناقابل برداشت ہیں، لیکن وہی کہوں گا جو کہہ رہا ہوں، اس لئے کہ میں امیرالمؤمنین کے احسانات فراموش نہیں کر سکتا۔ میں امیرالمؤمنین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم نے اسلام اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام کو رسوا کریں، یا اس لئے قبول کیا تھا کہ اسلام کا پیام گھر گھر پہنچائیں، اور اسلام کو سربلند کریں؟

صاعقہ:- "ان سوالات کا مطلب؟"

عبداللہ:- میں امیرالمؤمنین سے دریافت کر رہا ہوں!"

عبدالملک:- "اسلام کو رسوا کرنا بدترین جرم ہے!"

عبداللہ:- "بجا ارشاد ہوا، لیکن کیا قرآنی احکام سے روگردانی کرکے قرآن پر چلنے والوں کی توہین کرکے، قرآن کی دعوت دینے پر ظلم کرکے، ہم اسلام کو رسوا نہیں کر رہے ہیں؟"

عبدالملک:- "یہ جرائم کس سے سرزد ہو رہے ہیں؟"

عبداللہ:- "آپ کے حکام و عمال سے، آپ کے سب سے بڑے معتمد، اور رفیقِ کار، حجاج بن یوسف سے، ——— اور اگر سچ بولنے کی اجازت ہو تو عرض کردوں، خود آپ سے! ——— کیا آج وہی اسلام ہے جو محمد بن عبداللہ لائے تھے؟ جس پر ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ نے عمل کیا تھا، ———"

عبدالملک:- "اوہ، تم علی کو بھی مقدسین اسلام میں شمار کرتے ہو؟"

عبداللہ:- "میں کوئی حق نہیں رکھتا کہ ایسی جرأت کروں، یہ کام تو خود رسول اکرمؐ نے کیا ہے، کیا متعدد حدیثیں حضرت علیؓ کی شان میں وارد نہیں ہوئی ہیں؟"

عبدالملک:- "تمہاری باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم ہمارے نہیں،

ہمارے دشمنوں کے وفادار ہو، ——— اگر واقعی تمہارے یہی خیالات تھے، تو تم نے ہماری جاں نثاری کا دم کیوں بھرا تھا؟ کیا اس وقت تک تم اِن نزاکتوں، اور باریکیوں سے ناواقف تھے ——— ؟"

عبداللہ:۔ "ہاں میں ناواقف تھا، ——— میرے دل میں پہلے بھی آپ کی محبّت تھی، اب بھی ہے، اور اسی محبت سے مجبور ہو کر میں یہ باتیں کرنے پر مجبور ہوں!"

صاعقہ:۔ "تم یہ چاہتے ہو کہ امیرالمومنین عبداللہ ابن زبیر کے حق میں تخت خلافت سے دستبردار ہو جائیں ؟"

عبداللہ:۔ "اگر ایسا ہو تو یہ بڑی اچھی مثال ہو گی، اور یہ مثال امیرالمومنین کے خاندان میں نئی نہیں ہو گی!"

عبدالملک:۔ "یعنی ——— ؟"

عبداللہ:۔ "یزید کا بیٹا بھی تخت خلافت سے دست بردار ہو چکا ہے، اس نے دست بردار ہوتے وقت اعلان کر دیا تھا کہ میں وہ حکومت نہیں چاہتا جو ظلم سے حاصل کی گئی ہو، ——— معاویہ بن یزید کا یہ نیک اقدام رہتی دُنیا تک یادگار رہے گا!"

عبدالملک:۔ "اسی اقدام کی توقع تم ہم سے بھی رکھتے ہو؟"

عبداللہ:۔ "مجھے امیرالمومنین کی سلامت روی سے یہی امید ہے!"

صاعقہ:۔ "تم احمق ہو۔"

عبدالملک:۔ "میں چاہتا تھا تمہیں یہیں اپنے سامنے قتل کردوں، لیکن نہیں تم حجاج کے پاس بھیجے جاؤ گے، وہی تمہارے کس بل نکالے گا، یہ دعوت جو تم مجھے دے رہے ہو اسے دینا، اور (زہر خند کرتے ہوئے) مجھے یقین ہے اس دعوت کا وہ بڑا اچھا جواب دے گا!"

(۳۰)

حق کا راستہ

حجاج اب تک مکّہ کو فتح نہیں کر سکا تھا، اگر چہ اس کی بہترین کوشش یہی تھی کہ اس مقدس خطہ پر اپنا پرچم جلد از جلد لہرا دے۔

وہ یہ جان چکا تھا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کا زور ٹوٹ چکا ہے، کوفہ میں ان کے بھائی کو شکست ہو چکی ہے، اور وہ قتل ہو چکے ہیں حجاز میں جو کچھ اثر ہے وہ صرف بربنائے عقیدت ہے، اس کے اندر بھی کوئی خاص استحکام نہیں، اسی لئے وہ اب تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا، کہ یہ آخری مورچہ بھی کسی طرح سر ہو جائے، پھر اس کا آقا عبدالملک عیش و اطمینان کی زندگی بسر کرے، بغیر کسی اندیشہ اور دغدغہ کے فرماں روائی کرے، حجاج کے محاصرہ اور پے بہ پے حملوں نے اہل مکہ کو ضیق میں مبتلا کر رکھا تھا، نہ باہر سے رسد پہنچ سکتی تھی نہ کمک کی امید تھی، اپنی جان اور آبرو بچانے کے لئے اکثر لوگ اموی حکومت کا طوق اطاعت اپنے گلے میں ڈال چکے تھے، حجاج کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب اہل مکہ میں تاب مقاومت نہیں ہے، چند حملوں کے بعد ضرور عبداللہ ابن زبیر کو شکست ہو گی۔

آج خلاف معمول حجاج بہت پریشان نظر آ رہا تھا، بار بار خیمہ سے نکل کر باہر ٹہلنے لگتا تھا، پھر ٹہلتے ٹہلتے خیمہ میں آ کر چپ چاپ بیٹھ جاتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے، اور وہ نہیں آ چکتا کسی طرح! ——— اتنے میں ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا، حجاج ٹہلتے ٹہلتے کھڑا ہو گیا، جب سوار قریب آیا، تو اس نے تیوری چڑھا کر کہا،

"منذر تم آگئے؟"

وہ گھوڑے سے اترتا ہوا بولا،

"میں حاضر ہو گیا، اور آپ کا پیام پہنچا آیا۔"

حجاج:۔ "تمہارے ساتھ ابو حاجب بھی تو گیا تھا، وہ کہاں ہے؟"

منذر:۔ "ابو حاجب نے ہمیں دھوکہ دیا، فریب کیا ہم سے!"

حجاج:۔ (برہمی کے ساتھ) کیا مطلب؟ ——— کیا کیا اس نے؟"

منذر:۔ "اس نے ہمارے ساتھ آنے سے انکار کر دیا، اور عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اب وہ ہمارا نہیں دشمن کا آدمی ہے!"

حجاج:۔ (بہت زیادہ برہم ہو کر) "کیا کہا؟ ——— حجاج کا ایلچی، اور دشمن کا معاون، کیا واقعی یہی ہوا؟"

منذر:۔ "دنیا کے کسی شخص میں یہ ہمت نہیں کہ وہ حجاج کے سامنے جھوٹ بول سکے!"

حجاج:۔ (بے پروائی سے) "کوئی مضائقہ نہیں، جو حشر ابن زبیر کا ہوگا وہی ابو حاجب کا بھی ہوگا!"

منذر:۔ "بے شک ——— وہ اس کا مستحق ہے کہ جب پکڑا جائے تو اسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔"

حجاج:۔ "ایسا ہی ہوگا ——— لیکن یہ تو بتاؤ کیا گفتگو ہوئی ابن زبیر سے؟"

منذر :- "آپ نے مجھے اور ابو حاجب کو ایلچی بنا کر بھیجا تھا، ہم سیدھے حرم کعبہ میں پہنچے معلوم ہوا ابن زبیر نماز میں مصروف ہیں، چونکہ وہ بہت دیر تک نماز پڑھتے ہیں، لہذا بڑی دیر تک ہمیں انتظار کرنا پڑا۔"

حجاج :- "اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں، کام کی بات کرو!"

منذر :- "نماز پڑھنے کے بعد ابن زبیر نے ہمیں اپنے پاس بلا لیا، وہ مصلے پر بیٹھے تھے ہم ان کے پہلو میں، ماتھے پر سجدہ کا نشان تھا، ہونٹ ہل رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کچھ پڑھ رہے ہیں ——"

حجاج :- (چیخ کر) "کیا تم بھی ابو حاجب کی طرح ابن زبیر کی بیعت کر آئے ہو؟"

منذر :- "نہیں میرے آقا، —— مجھ میں اتنی ہمت نہیں، میں تو جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آیا ہوں، بالکل ویسا ہی!"

حجاج :- "پھر ابن زبیر کے مناقب کیوں بیان کر رہے ہو؟ یہ بتاؤ ہمارے پیام کے جواب میں اس نے کیا کہا؟"

منذر :- "صاف انکار!"

حجاج :- (خشم آلود نگاہوں سے منذر کو دیکھ کر) "ابن زبیر کو صلح منظور نہیں ہے؟"

منذر :- "قطعاً نہیں۔"

حجاج :- "تم نے کیا کہا تھا اس سے؟"

منذر :- "ابو حاجب نے کہا، میرے آقا حجاج بن یوسف نہیں چاہتے کہ خانۂ کعبہ کی بے حرمتی ہو، انہیں یہ بھی منظور نہیں کہ مسلمانوں کا قتل عام ہو، وہ اسے بھی پسند نہیں کرتے کہ حجاز کے لوگوں پر ظلم و ستم کی بارش ہو، لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ آپ حق خلافت سے دست بردار

ہوجایئے، اور مسلمانان حجاز کو عبدالملک بن مروان کی بیعت کرلینے دیجئے!"

حجاج:۔" معقول بات کہی ——— پھر کیا جواب ملا؟"

منذر:۔" ابن زبیر نے یہ باتیں سنکر کہا، خانۂ کعبہ کی اس سے بڑھ کر بے حرمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس پر سنگ باری سے بھی دریغ نہ کیا گیا!"

حجاج:۔" ہاں ہم نے سنگ باری کی، اور اگر ضرورت ہوئی تو پھر کریں گے!"

منذر:۔" یہی وہ بھی کہہ رہے تھے۔"

حجاج:۔" کون ابن زبیر؟"

منذر:۔" جی، ——— وہ کہہ رہے تھے، حجاج نے سنگ باری کی ہے اور کرے گا اس نے مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے، اور کرتا رہے گا، اس کی تلوار نے مسلمانوں کی گردنیں جرم بے گناہی میں کاٹی ہیں اور کاٹتی رہے گی، لہٰذا اس سے کہدو، جو اس کا جی چاہے کرے ہم آخر وقت تک اس کا مقابلہ کریں گے!"

حجاج:۔" یہ جواب دیا؟ یہ الفاظ کہے؟"

منذر:۔" میرے آقا بالکل وہی الفاظ دوہرا رہا ہوں، جو میں نے سُنے تھے۔"

حجاج:۔" پھر ابو حاجب نے کیا کہا؟"

منذر:۔" ابو حاجب نے کہا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اپنی حکومت، اور خلافت کے لئے آپ بندگان خدا کا ن خدا کا خون بہائیں۔"

حجاج:۔" بہت معقول بات ——— پھر کیا جواب دیا ابن زبیر نے؟"

منذر:۔ ابن زبیر نے کہا، نہ مجھے خلافت کی ہوس ہے، نہ حکومت کی، اگر عبدالملک اپنے گناہوں سے تائب ہوجائے، عامہ مسلمین پر اپنا انتخاب چھوڑ دے، اور عہد کرے

کہ اس کی حکومت سنّت نبویؐ، اور سنّت خلفائے راشدینؓ پر مبنی ہوگی تو میں پہلا شخص ہوں گا جو بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے گا! ـــــ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ فسق و فجور کی گرم بازاری ہو، قرآن کے احکام نظر انداز کئے جا رہے ہوں، سنّت نبوی کو فراموش کر دیا گیا ہو، بندگان حرص و ہوا کے سپردِ عنان حکومت ہو، اور میں بیعت کر لوں؟ ـــــ میں بیعت تقدس اور تقویٰ پر کر سکتا ہوں، فسق و فجور پر نہیں کر سکتا ـــــ!"

یہ باتیں سنکر ابو حاجب نے کہا،

"یا حضرت، حکومت اسُی کے ہاتھ میں آتی ہے، جس کے پاس قوت ہو، عبد الملک کی سب سے بڑی قوت حجاج ہے، روپیہ ہے، جاگیریں ہیں، دولت ہے، تلوار ہے، فوج ہے، ان چیزوں کے مقابلہ میں آپ کے پاس کیا ہے؟"

ابن زبیر نے کہا،

"یوں نہ کہو، یوں کہو کہ عبد الملک اور حجاج کے پاس باطل ہے، اور ہمارے پاس کیا ہے؟ میں کہوں گا میرے پاس حق ہے، حق اس کا سزاوار نہیں ہوتا کہ اگر قوت والا ہو تب ہی اس کی اطاعت کی جائے وہ ہر حالت میں واجب الاطاعت ہوتا ہے، میرے پاس قرآن ہے، عبد الملک کے پاس تلوار ہے، میرے پاس سنّت نبوی ہے، عبد الملک کے پاس حجاج بن یوسف ہے، میرے پاس سنت خلفائے راشدین ہے۔ عبد الملک کے پاس یزید کا بنایا ہوا نظام ہے، میرا بیت المال غریبوں، ناداروں، محتاجوں، اور ضرورت مندوں کے لئے وقف ہے، عبد الملک کی دولت، مال، اس لئے ہے کہ اس سے دنیا خریدی جائے، اسے جاہ و حشم کے لئے بے دریغ صرف کیا جائے، میں جو فیصلہ کرتا ہوں، عدل و انصاف، اور قرآن و حدیث کو ملحوظ رکھ کر کرتا ہوں، عبد الملک کی حکومت جو فیصلے کرتی ہے، وہ ان چیزوں سے بے نیاز

ہوتے ہیں! ——!"

پھر کہا،

" اے ابوحاجب، یہ زندگی چند دن کی ہے، عبدالملک بھی مرے گا، حجاج بھی مرے گا تم بھی مروگے، اور مرنے کے بعد ایک دوسرے کے کام نہ آسکوگے، تم سب اپنی اپنی قبریں جاؤ گے، تم سب سے الگ الگ محاسبہ ہوگا، بتاؤ، جب خدا تم سے پوچھے گا کہ تم نے حق کو کیوں چھوڑا، اور باطل کا ساتھ کیوں دیا؟ تو کیا جواب دوگے؟ کیا تم اسے پسند کروگے کہ چند دن کی زندگی کے لئے، تھوڑے روپیوں کے لئے عارضی راحت و آسائش کے لئے، آخرت کی دائمی زندگی کو بیچ دو، —— ممکن ہے، تم میں یہ جرأت ہو، لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، میں آخرت کے لئے اس زندگی کو قربان کرسکتا ہوں، اس زندگی کے لئے آخرت کو قربان نہیں کرسکتا!"

ابن زبیر نے یہ الفاظ کہے اور رونے لگے، ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہورہی تھی، پھر انہوں نے کہا،

" میں جانتا ہوں حجاج کی تلوار کتنی بے پروا ہے، اس کی کاٹ کا کیا عالم ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں اس سے نہیں جیت سکتا، لیکن یہ جاننے کے باوجود میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ آخر دم تک مقابلہ کروں گا، خواہ جان جائے یا رہے، اگر جان چلی بھی گئی تو کیا ہوا خدا کے سامنے تو شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا!"

ابن زبیر جب یہ الفاظ کہہ چکے تو ابوحاجب بیتابی کے ساتھ روتا ہوا اٹھا، اور دست بیعت بڑھا دیا، اس نے کہا،

" یا حضرت، میں تائب ہوتا ہوں، میں باطل سے نفرت کرتا ہوں، عہد کرتا ہوں

کہ اب باطل کا ساتھ نہیں دوں گا، عہد کرتا ہوں کہ حق کے لئے جیوں گا، اور حق کے لئے مروں گا، مجھے بھی اپنے جاں نثاروں میں شریک کر لیجئے، میری آنکھیں کھل گئیں، مجھے اندازہ ہو گیا، اب تک میری زندگی معصیت کی زندگی تھی، میں اس زندگی کو چھوڑتا ہوں!"

ابن زبیر نے اس کی بیعت قبول کر لی، اور کہا،

"خوب سوچ لو، یہ سر کٹانے کا عہد ہے، ——— میں تم سے یہ وعدہ نہیں کرتا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا تو میں تمہیں کہیں کا گورنر بنا دوں گا، میں تمہیں یہ یقین بھی نہیں دلاتا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد تمہیں مالا مال کر دوں گا، میں تمہیں یہ اُمید بھی نہیں دلاتا کہ میرے دَورِ حکومت میں تم کہیں کے عامل بنا دیئے جاؤ گے، تمہیں وہی ملے گا، جس کے تم مستحق ہو، اور یہ سب تو کامیابی کے بعد ہو گا، بظاہر مجھے اپنی شکست یقینی نظر آرہی ہے، اور اس صورت میں ہلاکت اور موت کے سوا تمہیں کچھ نہیں مل سکتا، جلدی کی ضرورت نہیں، خوب اچھی طرح سوچ لو، ابھی وقت ہے تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو لیکن ایک مرتبہ میرے حلقہ میں شریک ہو گئے تو پھر واپس نہیں جا سکو گے، میں تو جب بھی نہیں روکوں گا، لیکن حجاج پھر تمہیں ہرگز اور کسی قیمت پر قبول نہیں کرے گا!"

حجاج:۔ "بے شک حجاج ایسے خود غرض لوگوں کو قبول نہیں کر سکتا۔"

منذر:۔ "ابن زبیر کی یہ باتیں سنکر ابو حاجب نے کہا، ——— "میں حجاج پر لعنت بھیجتا ہوں، مجھے اس کی توجہ اور التفات کی ضرورت نہیں، میں تو صرف آپ کی نظرِ عنایت چاہتا ہوں، میں خوشی سے مرنے اور جان دینے کو تیار رہوں، لیکن حجاج کا ساتھ نہیں دے سکتا، میں نے جان لیا حق کیا ہے، اور باطل کیا ہے؟ میں نے یہ بھی جان لیا کہ حق کس کے ساتھ ہے، اور باطل کس کے ساتھ؟ میں حق کے لئے ہر قربانی کو

تیار ہوں، لیکن باطل کے خزانہ سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہوں!"

ابو حاجب کی یہ باتیں سنکر ابن زبیر نے کہا،

" ہاں ابھی تم نے اپنے بال بچوں کا نام لیا ہے!"

ابو حاجب بولا،

"جی ہاں، خدا کے فضل سے میری ایک وفادار بیوی ہے، کئی بچے ہیں، اور اس نعمت خداوندی پر میں نازاں ہوں۔"

ابن زبیر نے کہا،

" لیکن جب حجاج کو یہ معلوم ہوگا کہ تم اس سے کٹ گئے تو وہ تمہارا انتقام تمہاری بیوی بچوں سے لے گا!"

حجاج :۔" ہاں ابن زبیر نے سچ کہا، میں ابو حاجب کے بیوی بچوں سے پورا پورا انتقام لوں گا۔"

منذر :۔" ابن زبیر کی اس بات کے جواب میں ابو حاجب نے کہا،

" میں اپنے بیوی بچوں کو حق سے زیادہ عزیز نہیں رکھتا!"

ابن زبیر:۔" کیا تم ان کی ہلاکت برداشت کرلو گے؟"

ابو حاجب :۔" یا حضرت مجھے اپنی بیوی سے بڑی محبت ہے، مجھے اپنے بچوں سے شفقت ہے، اب تک میں سمجھتا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ میں ان ہی لوگوں کو چاہتا ہوں، لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں حق کو، خدا کو، سچائی کو ان سے زیادہ چاہتا ہوں، بے شک، مجھے ان کی ہلاکت کا بہت زیادہ صدمہ ہوگا، لیکن خدا کے لئے میں اس صدمہ کو

برداشت کر لوں گا، مجھے یقین ہے خدا مجھے توفیق دے گا کہ میں اس غم کو جھیل لوں!"

یہ سنکر ابن زبیر نے کہا،

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم یہاں سے حجاج کے لشکر میں واپس جاؤ، اپنے فیصلہ پر کچھ دن وہاں رہ کر غور کرو، پھر بھی اگر تمہاری یہی رائے رہے تو واپس چلے آؤ ——— !"

ابوحاجب نے کہا،

"یہ خیال میرے دل میں بھی آیا تھا، لیکن پھر مجھے خیال آیا، ممکن ہے حجاج کے لشکر میں جاکر، اسے دیکھ کر، اس کے ظلم و ستم کا نظارہ کرکے بعد میں کمزوری پیدا ہو جائے، میری رائے بدل جائے، لہٰذا میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ نہ جاؤں، یہیں راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر رہوں، بال بچوں کو خدا پر چھوڑ دوں، اس کی مرضی ہوگی تو یہ لوگ بچ رہیں گے، اور اگر اس کی مرضی یہی ہوئی کہ یہ اس کی راہ میں قربان ہو جائیں تو پھر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے، لہٰذا اب میں کسی طرح بھی واپس نہیں جاؤں گا!"

حجاج:۔" یہ حوصلے ہیں ابوحاجب کے ؟"

منذر:۔" جی ہاں، اسی طرح بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا، ——— اور اب اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا!"

حجاج:۔" ہمیں افسوس ہے کہ ابوحاجب نے ایسی حرکت کی ——— !"

منذر:۔" افسوس تو مجھے بھی ہوا تھا!"

حجاج:۔" تم نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی ؟"

منذر:۔" بہت سمجھایا، بہت خوشامدیں کیں۔"

حجاج:۔" مگر وہ راہ راست پر نہ آیا ؟ اپنی ضد پر اڑا رہا

منذر:۔" اس کا صرف ایک ہی جواب تھا، خدا نے مجھے ہدایت کا راستہ دکھلایا اب اس راستہ سے میں منحرف نہیں ہوسکتا، اب جینا اور مرنا صرف اسی پر ہے کہ حق کا بول بالا ہو، اور باطل خاسر و خائب ہو، تباہ و برباد ہو۔"

حجاج:۔" باطل —— یعنی ہم؟"

منذر:۔" میرے آقا، وہ اسی خام خیالی میں مبتلا ہے کہ حق اس کے پاس ہے اور باطل آپ کے پاس، اور اس خیال پر وہ اتنی سختی سے قائم ہے کہ جان کی بازی تک لگانے پر تلا ہوا ہے۔"

حجاج:۔ اس نے اسے ہمارے غضب سے بھی ڈرایا تھا؟"

منذر:۔" بہت ڈرایا۔"

حجاج:۔" پھر اس نے کیا کہا؟"

منذر:۔" مجھے خدا کے غضب سے ڈرانے لگا!"

حجاج:۔" یعنی اس نے کوشش کی کہ تم بھی اس کے ہم خیال بن جاؤ؟"

منذر:۔" اس کوشش میں وہ بڑی دور تک میرے ساتھ آیا۔ اس طرح خوشامدیں کر رہا تھا، جیسے کوئی فقیر بھیک مانگتا ہے، گھگیا گھگیا کر!"

حجاج:۔" جب وہ دور تک تمہارے ساتھ آیا تو اسے گرفتار کیوں نہیں کر لائے؟ چھوڑ کیوں دیا اُسے؟"

منذر:۔" میرے آقا، میں کیا کرتا، وہ کمبخت مجھ سے زبردست بھی تو ہے! —— بجائے اس کے کہ میں اسے پکڑ کر یہاں لاتا، اُلٹا وہ مجھے گرفتار کر کے ابن زبیر کے لشکر میں لے جاتا، پھر یہاں آکر آپ کو اطلاع کون دیتا۔"

حجاج :۔" تو اسے اپنے دست و بازو پر بھی ناز ہے ؟"

منذر :۔" وہ اپنے آپ کو چیدہ نیزہ بازوں میں سمجھتا ہے !"

حجاج :۔" سمجھنے دو، لڑائی میں اس کا بھرم کھل جائے گا !"

منذر :۔" کھل جائے گا، اور بہت اچھی طرح کھلے گا ؟"

حجاج :۔" ابو حاجب کے کتنے لڑکے ہیں ؟"

منذر :۔" تین بیٹے ، ایک لڑکی ، ایک بیوی !"

حجاج :"۔لڑکوں کی عمر کیا ہے ؟"

منذر :۔" بڑا ۲۲ سال کا ہے، منجھلا ۱۸ سال کا، اور چھوٹا ۱۵ سال کا!"

حجاج :۔" یہ لوگ بھی باپ کے نقش قدم پر چلنے کے لئے بیتاب و بے قرار ہوں گے ؟"

منذر :۔" میں کہہ نہیں سکتا، اس لئے کہ میں تو سیدھا اسی طرف آرہا ہوں، ابھی ابو حاجب کے خیمہ کی طرف نہیں گیا۔"

حجاج :۔" اس کا فیصلہ ابھی اور یہیں ہو جائے گا !"

منذر :۔" اگر وہ لوگ باپ کا ساتھ نہ دیں ، اور بدستور آپ کی امارت کا دم بھرتے رہیں تب کیا سلوک ہو گا اُن کے ساتھ ؟"

حجاج :۔" سانپ کا بچہ سانپ ہوتا ہے، یہ بات حجاج کو اچھی طرح معلوم ہے، وہ ایک مرتبہ ابو حاجب سے دھوکا کھا گیا، اب اس کے بیٹوں سے مات نہیں کھائے گا، ان کی سزا صرف موت ہے !"

منذر :۔ (سہم کر) "موت ؟"

حجاج :۔ "ہاں کیا ڈر گئے تم ؟"

منذر :۔ "جی نہیں ، میں کیوں ڈرنے لگا ، وہ کوئی میرے بچے تو نہیں ہیں۔"

حجاج :۔ "منذر سن رہے ہو تم ؟"

منذر :۔ "سن رہا ہوں میرے آقا ، فرمایئے کیا حکم ہے ؟"

حجاج :۔ " ابو حاجب کے لڑکوں کی گردن پر جانتے ہو کون تلوار چلائے گا ؟"

منذر :۔ "جسے امیر حکم دیں ، امیر کے حکم سے کون سرتابی کرنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟"

حجاج :۔ "کوئی نہیں ، ———— ہماری رائے ہے کہ یہ کام تم انجام دو !"

منذر :۔ (بہت زیادہ سہم کر) "میں ———— ؟"

حجاج :۔ "اگر تمہیں اس سے انکار رہے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا ، جو ابو حاجب کے بیٹوں کا ہونے والا ہے !"

---

(۳۱)

سُلیمان کا فیصلہ

ابو حاجب کے استقلال و استقامت سے یوں تو حضرت ابن زبیر کے متبعین میں سب ہی بہت زیادہ متاثر تھے، لیکن سلیمان کا تاثر سب سے زیادہ تھا، وہ دل ہی دل میں عشق عشق کر رہا تھا، اور اس کی قوت ایمانی پر رشک کر رہا تھا، جو شخص محض اپنے ایمان کی سلامتی کے لیئے اس درجہ کی بیباکی کے ساتھ فرزند و زن اور اہل و عیال کو موت کے منہ میں دھکیل دے، اس کے درجہ اور رتبہ کا عرفان آسان نہیں!

عشاء کے بعد سلیمان خاص طور پر ابو حاجب کے پاس پہنچا، اور اس سے کہا، "میرے دوست، میں چاہتا ہوں، تم یہاں اس خیمہ میں اکیلے نہ رہو، میرے ساتھ چلو، ہم تم دونوں ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

ابو حاجب نے نہ انکار کیا، نہ کچھ گفتگو کی، چپ چاپ اٹھا، اور ساتھ ہولیا سلیمان اسے اپنے خیمہ میں ساتھ لایا، خود ہی اس کے لئے بستر بچھایا، اور پاس ہی دوسرے بستر پر خود بھی لیٹ گیا، ابو حاجب بالکل خاموش تھا، کروٹیں بدل رہا تھا، نیند کا کہیں دور و نزدیک پتہ نہیں تھا، سلیمان نے اس کی یہ کیفیت

محسوس کر لی، بڑی محبت کے ساتھ پوچھا،

"کیوں دوست کیا نیند نہیں آتی ؟"

وہ کہنے لگا،

"نہیں، ——— لاکھ کوشش کرتا ہوں، مگر پلک کسی طرح نہیں جھپکتی !"

سلیمان :- "شاید بال بچے یاد آرہے ہوں گے ؟"

ابو حاجب :- "اب انہیں یاد کر کے کیا کروں گا ———؟"

سلیمان :- "کیوں ؟ کیا ان کی محبت بھی دل سے نکل گئی ؟"

ابو حاجب :- "محبّت کیسے دل سے نکل سکتی ہے، وہ تو ہے اور رہے گی، سوچ رہا ہوں، آج رات کو منذر پہنچ جائے گا، حجاج سے ایک ایک کی دس دس لگائے گا، اور صبح اُٹھنے کے بعد وہ سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ ان سب کو قتل کر دے گا !"

سلیمان :- "یقیناً وہ کمبخت ایسا ہی شقی اور سفاک ہے ——— لیکن تم نے بھی تو غلطی کی -"

ابو حاجب :- "ممکن ہے مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو، آخر میں بھی انسان ہی ہوں لیکن تم میری کس غلطی کی طرف اشارہ کر رہے ہو ؟"

سلیمان :- "حضرت نے تمہیں واپس جانے کی اجازت دے دی تھی، کیوں نہ چلے گئے ؟"

ابو حاجب :- "جا کر کیا کر لیتا ؟"

سلیمان :- "موقع دیکھ کر بال بچوں کو اپنے ساتھ لے آتے !"

ابو حاجب :- "میرے دوست تم نہیں جانتے حجاج کیا ہے ؟ منذر اسے رتّی رتّی کا حال بتا دیتا، نتیجہ یہ ہوا کہ جیات سے پہلے میں شہید ہو جاتا، اور بال بچوں کا وہی حشر جب بھی ہوتا

جو اَب ہونے والا ہے!"

سلیمان:- "لیکن یہ تو بڑا اندھیر ہے کہ تمہارے جرم کی سزا انہیں ملے!"

ابوحاجب:- "حجاج اور عبدالملک کے دور میں ہر طرف اندھیر ہی اندھیر تو ہے، اور ہے کیا؟ ——— اور ان بیچاروں سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔"

سلیمان:- "کوئی صورت بھی ایسی نہیں نکل سکتی، کہ وہ بچ جائیں اس ظالم کے پنجۂ ستم سے؟"

ابوحاجب:- "نہیں میرے دوست کوئی ایسی صورت نہیں ہے، میری طرح تم بھی مایوس ہو جاؤ، یہ باتیں نہ کرو، ان سے خواہ مخواہ کی کوفت ہوتی ہے۔"

سلیمان:- "لیکن میرے دل میں ایک خیال بار بار آ رہا ہے، مجھے امید ہے، اس طرح وہ بے گناہ لوگ ضرور بچ جائیں گے ———!"

ابوحاجب:- "کس طرح؟ وہ کون سا خیال ہے جو تمہارے دل میں آ رہا ہے ——— معلوم ہوتا ہے، تم ضرورت سے زیادہ پُر امید آدمی ہو!"

سلیمان:- "نہیں یہ بات تو نہیں لیکن میں حقیقت کا دامن بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

ابوحاجب:- "تو کیا ہے تمہاری وہ اسکیم ———؟"

سلیمان:- "میں بھیس بدل کر حجاج کے لشکر میں جاؤں، تعارف کے لئے تمہارا خط اپنے ساتھ لیتا جاؤں، اور جس طرح بنے اُن لوگوں کو وہاں سے نکال لاؤں!"

یہ معقول تجویز تھی، ابوحاجب اسے سنکر پھڑک گیا، وہ لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھا، اس نے پوچھا،

"کیا واقعی یہ ممکن ہے؟

سلیمان:- "کیوں نہیں ممکن ہے؟ ——— سب کچھ ہو سکتا ہے!"

ابو حاجب :- "اور اگر تم پکڑے گئے تو کیا ہوگا ؟"

سلیمان :- "کیا ہوگا ؟ ——— زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مجھے بھی وہ مار ڈالے گا !"

ابو حاجب :- "ہاں یہی ہوگا !"

سلیمان :- "مجھے اس کی پروا نہیں ۔"

ابو حاجب :- "لیکن مجھے تو ہے، میں تو اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اپنے لئے تمہاری جان لے لوں ؟ ——— دُنیا بھی کہے گی کہ ابو حاجب نے اپنی جان بچا لی اور اپنے بال بچوں کی سلامتی کے لئے سلیمان کی جان لے لی، ——— نہیں بھائی، میں خط وط نہیں دیتا، نہ جاؤ !"

سلیمان :- دیکھو نا میرے دوست، دونوں پہلوؤں پر غور کرو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں گرفتار ہو جاؤں، اور قتل کر دیا جاؤں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح سلامت اُن سب کو لے کر واپس آجاؤں ۔"

ابو حاجب :- "ہاں ممکن تو ہے لیکن میں اتنا بڑا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا، یہ ظلم ہے، سنگ دلی کی انتہا ہے، غیر شریفانہ فعل ہے ؟ ——— بس اب یہ ذکر چھوڑ دو، کچھ کچھ نیند آنے لگی ہے، مجھے سونے دو، تم بھی سو جاؤ، رات کافی آچکی ہے، صبح ہمیں جلد اُٹھنا ہے !"

سلیمان نے ان باتوں پر ذرا بھی توجہ نہیں کی، اسے خدمت کا، ایثار کا، ایک بہترین موقع ملا تھا، اسے وہ کیسے نظر انداز کر دیتا؟ اُس نے سُنی کی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا،

سلیمان :- "میرے دوست، تم نہیں جانتے، میں بھیس بدلنے میں کیسا کمال

رکھتا ہوں، میرا کامیاب واپس آنا یقینی ہے، گرفتاری کا اگر اندیشہ ہے بھی تو بے حد ضعیف!"

ابو حاجب:۔" مجھے اس سے بحث نہیں، میں نے کہدیا ہے، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا!"

سلیمان:۔" تمہیں ایک اور بات بھی نہیں معلوم!"

ابو حاجب:۔" (مسکراکر) تم ساری رات نہ سونے دوگے، ـــــ بتاؤ وہ کون سی بات ہے جو مجھے نہیں معلوم اور تمہیں معلوم ہے!"

سلیمان:۔" حجاج کے لشکر میں ایک شخص ہے، عبدالمتعال، ـــــ جانتے ہو اُسے؟"

ابو حاجب:۔" خوب جانتا ہوں، اسے کون نہیں جانتا، وہ حجاج کا منہ چڑھا مصاحب ہے!"

سلیمان:۔" ہاں ہاں وہی!"

ابو حاجب:۔" تو وہ کیا کرلے گا؟"

سلیمان:۔" وہ میرا ہم قبیلہ ہے، ہم دونوں بچپن کے دوست ہیں، وہ میرے کام آئے گا، میری مدد کرے گا، کم ازکم مجھے حجاج کے ہاتھوں مرنے نہیں دے گا، بچالے گا!"

ابو حاجب:۔ (کچھ سوچتے ہوئے) " واقعی عبدالمتعال تمہارا دوست ہے؟"

سلیمان:۔" ہاں بہت پرانا، اور بہت گہرا،"

ابو حاجب:۔" لیکن جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ تم دشمن کے آدمی ہو، تب بھی اس کی دوستی قائم رہے گی؟"

سلیمان:۔" کم ازکم دوستی کا اتنا حق وہ ضرور ادا کرے گا، کہ مجھے بچ کر وہاں سے

نکل آنے دے ! ــــــ بس اب دیر نہ کرو، رات گزری جارہی ہے، وقت کم رہ گیا ہے، میں چاہتا ہوں، راتوں رات اس کے لشکر میں پہنچ جاؤں ــــــ اگر صبح کی روشنی پھیل گئی تو پھر اس کے لشکر میں داخلہ مشکل ہو جائے گا !"

ابو حاجب :۔ "ہاں یہ بات تو ہے، ــــــ اچھا میں ابھی خط لکھے دیتا ہوں !"

ابو حاجب خط لکھنے بیٹھ گیا، اور سلیمان، اس خیمہ سے ملحق دوسرے خیمہ میں چلا گیا،

ابو حاجب نے خط ختم کیا ہی تھا کہ ایک اجنبی آدمی اس کے خیمہ میں آیا، ابو حاجب اسے دیکھ کر متحیر ہوا، کہ یہ کون شخص ہے جو اتنے ناوقت اس کے پاس آیا ہے؟ اس نے کہا،

" آیئے تشریف لایئے، میرا نام ابو حاجب ہے، اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو فرمایئے۔ میرا خیال ہے آپ دھوکہ میں یہاں آ گئے، شاید کسی اور سے ملنا چاہتے ہوں گے، اگر سلیمان سے ملنا ہو تو تشریف رکھئے، وہ ایک ضروری کام سے باہر گیا ہے، ابھی ابھی آ جائے گا !"

وہ شخص کہنے لگا،

" مجھے سلیمان ہی سے ملنا ہے، کیا جب تک وہ نہ آ جائے، میں یہاں ٹھہروں ؟"

ابو حاجب :۔ "شوق سے، سلیمان بڑا اچھا اور معقول آدمی ہے، میری اس کی زیادہ ملاقات تو نہیں لیکن میں نے پہلی ہی ملاقات میں اندازہ کر لیا کہ اس کے سینہ میں ایک شریف اور حساس دل دھڑکتا ہے،"

وہ شخص زور سے ہنس پڑا، یہ بے تکی ہنسی ابو حاجب کو ناگوار گزری، اس نے کہا،

" میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی تھی جو مضحک ہوتی "

وہ بولا،

" آپ ایک بے وقوف، خود غرض، جاہل، بد اندیش، بد نہاد، اور بد سرشت

آدمی کی تعریف کر رہے ہیں، اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، اسے بہترین آدمی قرار دے رہے ہیں، کیا یہ بات ایک لطیفہ سے کم ہے؟ ——— اور لطیفہ پر کسے ہنسی نہیں آتی!"

ابوحاجب:۔ "آپ کا خیال ہے سلیمان اچھا آدمی نہیں؟"

وہ شخص کہنے لگا،

"میں اسے آدمی ہی نہیں مانتا، پھر اچھے بُرے کا کیا سوال ———؟"

ابوحاجب:۔ "کیا نقائص ہیں اس میں ———؟"

وہ شخص گویا ہوا،

"وہ مجموعۂ نقائص ہے، سرتاپا عیب!"

ابوحاجب:۔ "پھر آپ ایسے آدمی سے ملتے کیوں ہیں؟"

اس کے جواب میں وہ شخص پھر ہنسا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کی سادگی پر ہنستا ہوں ——— جناب صاف بات یہ ہے کہ میں سلیمان کے پاس نہیں، آپ کے پاس آیا تھا، کہ آپ کو اس فریبی کی حقیقت سے واقف کر دوں ———!"

اب ابوحاجب کے لئے ضبط کرنا ناممکن ہو گیا، اس نے ڈانٹتے ہوئے کہا،

"تم جھوٹے ہو، میں سلیمان کی برائی نہیں سُن سکتا، وہ میرا دوست ہے، میرا محسن ہے، چلے جاؤ یہاں سے، ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔"

وہ شخص ابوحاجب کے سینہ سے لپٹ گیا، کہنے لگا،

"میں ہوں سلیمان، دیکھو کیسا بھیس بدلا ہے!"

ابوحاجب مسکرا دیا،

"واقعی کمال ہے تمہیں بھیس بدلنے میں، مجھے امید ہے تم کامیاب واپس آؤ گے۔"

سلیمان نے "داد بعد میں دینا، اب تو خط میرے حوالہ کردو تاکہ میں روانہ ہو جاؤں، بہت دیر ہو گئی"

ابو حاجب نے خط سلیمان کے حوالہ کیا، اسے اپنے خیمہ کی شناخت بتائی، اور تاکید کی کہ وہاں زیادہ قیام نہ کرنا، خواہ کامیابی ہو یا نہ ہو، حجاج کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اگر تم اس کے ہاتھ میں آگئے، تو عبدالمتعال بھی نہیں بچا سکے گا!

---

(۳۲)

منذر، اور حجاج

حجاج کو، ابو حاجب کی حرکت پر بہت غصہ تھا، اس نے سپاہیوں کو حکم دیا، کہ ابو حاجب کے خیمہ کا محاصرہ کر لیا جائے، اس کی بیوی اور لڑکی کو وہاں نظر بند رکھا جائے، نہ کسی کو باہر نکلنے دیا جائے نہ کسی کو اندر جانے دیا جائے، اور تینوں لڑکوں کو فوراً گرفتار کرکے دار الامارۃ میں پیش کیا جائے، حجاج کا دار الامارۃ اس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، جس خیمہ میں وہ اقامت اختیار کر لیتا تھا وہی دار الامارۃ بن جاتا تھا، منذر یہ حکم سنکر لرز گیا، اس لئے نہیں کہ ابو حاجب کے بیٹے قتل کئے جائیں گے، یہ تو وہ پہلے ہی جانتا تھا کہ ان کی سزا قتل کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی، اسے گھبراہٹ اس کی تھی کہ یہ کام اسے انجام دینا تھا، وہ سوچ رہا تھا، میں ابو حاجب کے بیٹوں پر کس طرح تلوار چلاؤں گا، یہ لڑکے مجھے چچا کہتے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرتا رہا ہوں، جو ایک چچا کو اپنے بھتیجوں کے ساتھ کرنا چاہئے۔ میرے اور ابو حاجب کے تعلقات ساری دُنیا پر روشن ہیں کہ بھائیوں کے سے ہیں، اگر ہم دونوں کا مسلک جدا ہے تو اور بات ہے، لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ مسلک کا اختلاف دشمنی کے اس درجہ تک پہنچ جائے؟

پھر اس کے ضمیر نے کہا،

" اور یہ مسلک کا اختلاف بھی کیا ہے؟ جب سے آیا ہوں یہی سوچ رہا ہوں کیا واقعی ابوحاجب نے غلطی کی؟ دل کہتا ہے غلطی اس نے نہیں کی، میں نے کی! وہ حق کا ساتھی بن گیا، میں باطل کے دامن سے لپٹا رہا، اس نے حق کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے دی، اور میں کچھ نہ کر سکا، اس نے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا، اور میں باطل کی خوشامد میں لگا رہا، وہ مر کر سُرخ رو ہو گا، درجۂ شہادت پر فائز ہو گا، خدا کی رحمت اور ربوبیت کا مستحق قرار پائے گا، اور میں، ——— ؟ آہ! میرا انجام کیا ہو گا؟ کیا حجاج کی خوشنودی کے لئے میں جنّت بیچ کر جہنم نہیں خرید رہا ہوں؟

سچ تو کہا تھا حضرت ابن زبیر نے کہ میدان حشر میں کوئی کسی کا ساتھی نہیں بن سکے گا، عذاب قبر سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکے گا، ہر شخص سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی ——— پھر میں کیا جواب دوں گا، جب مجھ سے پوچھا جائے گا، تم نے بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام میں کیوں حصّہ لیا؟ تم نے غیر اسلامی حکومت کی کیوں اطاعت کی؟ تم نے فسق و فجور کے آگے گردن جھکائی؟ تم نے قرآن اور سنت کے خلاف احکام کی کیوں پیروی کی؟

میرا کیا جواب ہو گا؟

میں کیا جواب دوں گا؟

کس طرح میری گلو خلاصی ہو گی میدان حشر میں؟

کس طرح دوزخ کی آگ سے میں بچ سکوں گا؟

پھر یک بیک اس کے دل میں خیال آیا،

کیوں نہ میں بھی ابوحاجب کا ساتھی بن جاؤں؟ یہاں سے بھاگوں، اور سیدھا

حضرت ابن زبیر کے پاس پہنچوں، ان کے دامن سے لپٹ جاؤں اور رو رو کر کہوں،
" میں توبہ کرتا ہوں ۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اب میرے قدم باطل کے راستہ پر نہیں اُٹھیں گے
اب میں حق کی پیروی کروں گا، اور اس کے لئے اپنی جان بھی قربان کردوں گا۔
پھر میں اور ابو حاجب دوش بدوش میدان جہاد میں اُتریں گے، عبدالملک
اور حجاج کی فوجوں سے جنگ کریں گے، اور جنگ کرتے کرتے راہ خدا میں اپنی جانیں قربان
کردیں گے!"

لیکن کیا مجھے حجاج جانے دے گا؟
کیا ابو حاجب کے لڑکوں کی گردن کاٹے بغیر میں اس خیمہ سے باہر نکل سکوں گا؟
پھر کیا میں اس طرح ابو حاجب سے ملوں کہ اس کے نوجوان، سعادت مند، بہادر
اور خوبصورت لڑکوں کی کٹی ہوئی گردنیں میرے ہاتھ میں ہوں؟

آہ!
یہ نہیں ہو سکتا، اس طرح میں نہیں جا سکتا!
میں حضرت ابن زبیر کو کیا منہ دکھاؤں گا؟
میں ابو حاجب کو کیا جواب دوں گا؟
کیا وہ دونوں مجھے حقیر، بزدل، اور کم ہمت نہیں سمجھیں گے؟
اور اگر میں کسی طرح حجاج کو جل دے کر یہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب بھی
ہو جاؤں تو میرے بعد میرے بال بچوں کا کیا حشر ہو گا —— ؟
میں مال و دولت کی پروا نہیں کرتا، ساری دولت چھین لی جائے، جاگیر ضبط
کرلی جائے، مجھے ذرا بھی پروا نہیں، لیکن یہ کس طرح گوارا کرسکوں گا کہ میری وفادار

بیوی قتل کر دی جائے۔

میرے معصوم اور بے خطا بچوں کی گردن کاٹ لی جائے ——— ؟

نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔

میں اپنے بچوں کا قتل گوارا نہیں کر سکتا، میں اُن کے لئے مر سکتا ہوں، انہیں مرتا نہیں دیکھ سکتا، اپنی خاطر ان کی جان کا گاہک نہیں بن سکتا، قبر میں جو حشر بھی ہو، میدان حشر میں جو گت بھی بنے، اسے گوارا کر لوں گا، برداشت کر لوں گا، اپنی بیوی بچوں کا قتل کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا، میں اُن کی خاطر اپنے ایمان کا ایثار بھی کروں گا، ایمان سے محروم ہو جانا مجھے پسند ہے لیکن ان کی بیکسانہ موت مجھے منظور نہیں —

حجاج رحم کے لفظ سے ناآشنا ہے، لیکن خدا تو ارحم الراحمین ہے، وہ اپنے ایک بیکس اور بے بس بندے پر ضرور رحم کرے گا!

وہ میری مجبوری سے واقف ہے، میرے قلب کی کمزوری جانتا ہے، میں اپنے بال بچوں کا غم نہیں سہہ سکتا!

اور معاً اس کے دل میں ایک خیال نے پھر چٹکی لی،

تم اپنے بال بچوں کا غم نہیں سہہ سکتے ——— یہی بات ہے نا؟

اس نے دل ہی دل میں کہا،

"ہاں یہی بات ہے!

دل نے پوچھا،

"اگر یہ سب مر جائیں تو کیا تم انہیں بچا لوگے؟ نہیں مرنے دوگے؟ کیا تم موت سے پنجہ لڑا سکتے ہو؟ کیا تم موت کے منہ سے انہیں چھین لاؤ گے؟ کیا تم تقدیر الٰہی سے

لڑ سکتے ہو؟

یہ سوچتے سوچتے اس کے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی!

وہ سوچنے لگا،

موت برحق ہے، ہر شخص کو مرنا ہے، ہر شخص مرتا ہے، اور پھر مرنے میں عمر کی قید بھی نہیں، بچوں کے سامنے بوڑھے مرتے ہیں، بوڑھوں کے سامنے بچے مرتے ہیں، جوان مرتے ہیں، نوجوان مرتے ہیں، اور بوڑھے بیٹھے رہتے ہیں، موت ان کی طرف رُخ بھی نہیں کرتی!

واقعی اگر میری بیوی مرجائے؟

میرے بچوں کو موت آجائے ——؟

تو میں کیا کروں گا؟ یہ غم سہنا ہی پڑے گا، —— اس طرح سہنا پڑے گا کہ میں دربار خداوندی سے کسی اجر کا مستحق نہیں قرار پاؤں گا، اور اگر میں اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے حق کی سربلندی کے لئے، اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے یہ غم سہ لوں تو پھر میرے مرتبہ اور درجہ کا کیا کہنا!

ابو حاجب مجھ سے بازی لے گیا، کیا وہ ہر معرکہ میں، ہر میدان میں، ہمیشہ مجھ سے یونہی بازی جیت لے جایا کرے گا؟ میں ہمیشہ ہارتا رہوں گا؟

وہ اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھا، اسے اس کا احساس بھی نہیں تھا، کہ حجاج اسکی طرف دیکھ رہا ہے، یا نہیں؟ اور حجاج کی یہ کیفیت تھی کہ اپنی قیافہ شناسی کا سارا فن وہ اسی پر ختم کر رہا تھا، وہ اس کے اتار چڑھاؤ اور ذہنی کرب کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔

—— شاید دلچسپی بھی لے رہا تھا!

آخر حجاج ضبط نہ کرسکا، اس نے کہا،

"منذر، ——— تم کیا سوچ رہے ہو؟"

منذر چونک پڑا،

"جی کوئی خاص بات نہیں!"

حجاج:۔"ہم سے نہ چھپاؤ، ہم جانتے ہیں تم کس فکر میں ہو اس وقت —؟"

منذر:۔"ممکن ہے امیر نے میرے دل کی کیفیت بھانپ لی ہو، لیکن میں اب تک متعین نہیں کرسکا ہوں کہ میری فکر کا نقطۂ آخر کیا ہے؟"

حجاج:۔"کیا تم ابو حاجب کے بارے میں نہیں سوچ رہے تھے؟"

منذر:۔"بے شک اس عرصہ میں کئی بار ابو حاجب کا خیال میرے دل میں آیا۔"

حجاج:۔"کیا تم اس کے بیٹوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہے تھے؟"

منذر:۔"یا امیر بے شک اس اثنا میں کئی بار ابو حاجب کے بیٹوں کا خیال بھی میرے دل میں آیا!"

حجاج:۔"اور ابن زبیر؟"

منذر:۔"کیا ہوا انہیں؟"

حجاج:۔"ابن زبیر کے بارے میں بھی تو تمہارے خیالات کی لہر اُٹھ رہی تھی؟"

منذر:۔"میں انکار نہیں کرسکتا!"

حجاج:۔"ان خیالات کی نوعیت کیا تھی؟"

منذر:۔"کوئی خاص بات نہیں، جب خیالات آتے ہیں تو پھر وہ کسی حد، اور کسی اسلوب کے پابند نہیں ہوتے!"

حجاج :۔ "اتنا ہم بھی جانتے ہیں، لیکن تم ضرور کچھ چھپا رہے ہو؟"

منذر :۔ "اگر آپ کا یہی خیال ہے، تو ممکن ہے سچ ہو!"

حجاج :۔ "جو کچھ سمجھا ہو ہم خود سمجھیں تم کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

منذر :۔ "یا امیر، ابو حاجب کے لڑکے ابھی تک نہیں آئے؟"

حجاج :۔ "آتے ہوں گے، ـــــ کیا تم نے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا کہ ان کی گردن کاٹو گے؟"

منذر :۔ "اپنے دل کو بار بار آمادہ کرنا چاہتا ہوں۔"

حجاج :۔ "لیکن وہ آمادہ نہیں ہوتا کیوں؟"

منذر :۔ "دل کی نہ کہئے، ـــــ وہ جب آمادہ ہو جاتا ہے تو کوئی کام ناممکن نہیں رہ جاتا!"

حجاج :۔ "تمہارا دل بھی اتنا مضبوط ہے؟"

منذر :۔ "میں نے ابھی عرض کیا نا کہ دل جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر جھجک ختم ہو جاتی ہے، خواہ وہ بکری کا دل ہو یا شیر کا!"

حجاج :۔ "آج تم عجیب قسم کی باتیں کر رہے ہو؟"

منذر ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ ہتھکڑیوں، اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ابو حاجب کے لڑکے حجاج کے سامنے لائے گئے!

حجاج نے کہا انہیں نطع[1] پر بٹھا دو۔

---

[1] نطع عربی میں چمڑے کا وہ ٹکڑا ہوتا ہے جس پر بٹھا کر قتل کیا جاتا ہے، تاکہ خون کے دھبے اڑ کر باہر نہ جائیں۔

پھر وہ منذر کی طرف مخاطب ہوا،

"تم اپنا فرض انجام دو!"

منذر تیزی سے اُٹھا، اور نطع پر ابو حاجب کے لڑکوں کے پاس آکر بیٹھ گیا

حجاج کو بڑی حیرت ہوئی،

"یہ کیا ہوا؟"

وہ بولا،

"میں بھی ان کے ساتھ قتل ہونا چاہتا ہوں!"

---

(۳۳)

حجاج کے لشکر میں

حجاج منذر کی باتوں سے برہم بھی ہوا، اور متحیّر بھی، برہم یوں کہ کس کی مجال تھی کہ اس کے سامنے لب کشائی کی جراُت کرسکے، مگر منذر نے کی، اور متحیر یوں کہ ایک طرف تو یہ ابوحاجب کا ساتھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا، اور دفعتہً اس کے لڑکوں کو دیکھ کر خود بھی جان دینے کو تیار ہو گیا ـــــــ وہ ہمیشہ دو ٹوک فیصلہ کرنے کا عادی تھا، لیکن اس وقت اس کی قوتِ فیصلہ عاجز اور درماندہ تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے؟

وہ برہمی کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا،

"ان سب کو قید رکھا جائے، کل ہم ان کی قسمت کا فیصلہ کریں گے!"

سارے قیدی فوراً ایک دوسرے خیمہ میں پہنچا دئے گئے، اور حجاج اپنے کاشانۂ عشرت میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا، چہرے پر خشونت برس رہی تھی، آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔

سلیمان جوش اور جذبہ کے عالم میں ابوحاجب سے رخصت ہو کر حجاج کے لشکر کی طرف بڑھا، لیکن جب قریب پہنچا تو اس نے محسوس کر لیا، لشکر کے

اندر جانا اتنا آسان نہیں ہے جتنا وہ سمجھ رہا تھا، قدم قدم پر پہرہ تھا، آنے والوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کے، اور پوچھ گچھ کرنے کے بعد آگے بڑھنے دیا جاتا تھا۔ ہر جانے والے سے پوچھا جاتا، کہاں جا رہا ہے؟ کیوں جا رہا ہے؟ ہر آنے والے سے دریافت کیا جاتا، کیوں آیا ہے؟ کس کے پاس جانا چاہتا ہے؟ حجاج کے لشکر میں کوئی آدمی سوا عبدالمتعال کے ایسا نہیں تھا جو اسے جانتا ہو، اور عبدالمتعال سے یہ امید تو کی جا سکتی تھی کہ وہ (سلیمان) گرفتار ہو جائے تو وہ اسے قتل نہ ہونے دے، جان بچالے اس کی! لیکن یہ توقع تو نہیں کی جا سکتی تھی کہ سب کچھ جاننے کے باوجود، وہ اسے اپنے لشکر میں آنے کی سہولت دے گا؛ عبدالمتعال اور سلیمان گہرے دوست تھے، لیکن دونوں کے راستے جدا ہیں، منزلِ مقصود الگ ہے، فکر و نظر میں اختلاف ہے، اسے بھی یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر خوب سمجھتے تھے، ——— عبدالمتعال حجاج کے دشمن کا خیر مقدم نہیں کر سکتا تھا، ہاں اتنا کر سکتا تھا کہ اگر اس کی جان خطرہ میں ہو تو بچالے!

حجاج کے لشکر کے قریب ایک نووارد کے روپ میں کھڑا سلیمان یہی سوچ رہا تھا کہ اس نے ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا، جب وہ قریب آ گیا، تو دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا،

"ارے سلیمان تم یہاں کہاں؟ ——— بھلا ہمارے لشکر سے تمہارا تعلق؟"

یہ کہتے کہتے عبدالمتعال گھوڑے پر سے اتر پڑا، سرحد سے باہر آیا، اور اس سے بغلگیر ہوا، سلیمان بڑی گرم جوشی سے ملا، اس نے بات بنائی،

"زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، بہت دن گزر گئے تم سے ملاقات نہیں ہوئی، میں نے کہا لاؤ ذرا اپنے دوست سے مل آئیں!"

عبدالمتعال :۔ "شکریہ اس بندہ نوازی کا، واقعی زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اور اب تو خاص طور پر نہیں۔"

سلیمان :۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی ! ؟"

عبدالمتعال :۔ "دونوں لشکر گویا آمنے سامنے پڑے ہیں، اُدھر جہاد کا سودا ہے یہاں جنگ کا، آج یا کل یا پرسوں چند دن میں لڑائی بہرحال شروع ہو ہی جائے گی، اور لڑائی شروع ہونے کے بعد کون یہ اُمید کر سکتا ہے کہ ہم میدان جنگ سے صحیح سلامت واپس آجائیں گے !"

سلیمان ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا،

"درست بات تو واقعی پتہ کی کہی تم نے !"

عبدالمتعال :۔ "اسی لئے دل خوش ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی، ۔۔۔ رہو گے یا جاؤ گے ؟"

سلیمان :۔ "آیا تو اسی نیت سے تھا کہ دو چار روز تمہارے پاس رہوں گا، لیکن اب یہی سوچتا ہوں کہ واپس چلا جاؤں۔"

عبدالمتعال :۔ "یہ کیوں بھائی ؟"

سلیمان :۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں حضرت ابن زبیر کے فداکاروں میں ہوں !"

عبدالمتعال :۔ "ہاں اچھی طرح جانتا ہوں، ۔۔۔ تو اس سے کیا ہونا ہے ؟ ۔۔۔ ہماری تمہاری لڑائی میدان جنگ میں ہے، نہ کہ ایک دوسرے سے ملتے وقت !"

سلیمان :۔ "تو چلوں تمہارے ساتھ ؟"

عبدالمتعال :۔ "سر آنکھوں پر، ۔۔۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

سلیمان :۔ لیکن بھائی سوچ لو، ایسا نہ ہو بعد میں کوئی اونچ نیچ پڑے ——ہاں!"

عبدالمتعال :۔" اونچ نیچ کو میرے اوپر چھوڑ دو، تم میرے مہمان ہو، ——اور ایک عرب جان سے زیادہ اپنے مہمان کی حفاظت کرتا ہے!"

سلیمان :۔" میں بھی ایک عرب ہوں، اور اس حقیقت کو خوب محسوس کرتا ہوں!"

عبدالمتعال :۔" تو پھر کیا سوچ رہے ہو؟ ——آؤ چلو!"

سلیمان عبدالمتعال کے ساتھ ہو لیا، کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر عبدالمتعال مسکرایا اور اس نے کہا،

"تم خوش قسمت تھے کہ آج بچ گئے!"

سلیمان :۔" یہ کیوں میرے دوست؟"

عبدالمتعال :۔" کل سے حجاج بہت برہم ہے، اس نے حکم دے رکھا ہے، باہر سے جو آدمی لشکر میں آج سے داخل ہو، اور اجنبی ہو، اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کی جائے، صاف گردن اڑا دی جائے!"

سلیمان :۔" حجاج سے کوئی بات بھی بعید نہیں ہے، لیکن یہ حکم تو بالکل عجیب ہے!"

عبدالمتعال :۔" ہاں عجیب تو ہے، لیکن بے سبب نہیں ہے!"

سلیمان :۔" تو کیا وہ سبب کوئی گہرا راز ہے؟"

عبدالمتعال :۔" ہے بھی اور نہیں بھی، —— لیکن تم سے کیا چھپاؤں، بات یہ ہے کہ امیر حجاج نے منذر کو گرفتار کر لیا ہے۔"

سلیمان :۔ (حیرت سے) ایں کیا کہا، منذر کو گرفتار کر لیا ہے؟ —— وہ تو آقا کا بڑا وفادار تھا، ابوحاجب کی دوستی کی پروا نہ کی، اسے چھوڑ کر چلا آیا!"

عبدالمتعال :- (مسکراکر) "ہاں وہاں یہ کیا اور یہاں آکر وہ ابو حاجب کے بیٹوں کے ساتھ اچک کر، نطع پر جا بیٹھا کہ مجھے بھی اُن کے ساتھ قتل کردو، ——— سنکی تو ہمیشہ سے تھا، لیکن کل تو واقعی اس نے حد کردی، حماقت کی۔"

سلیمان :- "خیر میں اس معاملہ پر اظہار رائے تو نہیں کرنا چاہتا، لیکن منذر کی اس حرکت سے اس حکم کو کیا تعلق ہے ؟"

عبدالمتعال :- "بڑا گہرا تعلق ہے، ——— ہوا یہ کہ منذر کی گرفتاری کے تھوڑے عرصہ بعد، حجاج نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کے لڑکوں کو گرفتار کرلائیں ———!"

سلیمان :- "لڑکوں کی کیا خطا تھی ؟"

عبدالمتعال :- "ان کی سب سے بڑی خطا یہ تھی کہ وہ منذر کے بیٹے تھے ——— کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی جرم ہوسکتا تھا ؟"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔

پھر اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"یہ سنکر حجاج کو اور زیادہ غصہ آیا، اس نے حکم دے دیا، کہ اب ہمارے لشکر میں کوئی اجنبی نہیں آسکتا، اور اگر آئے تو فوراً اس کی گردن ماردی جائے، ——— میرا خیال ہے کہ حجاج کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ کسی باہر والے کی حرکت ہے ؟"

سلیمان :- "باہر والے کی کیسے حرکت ہوسکتی ہے ؟ پرندہ پر تو مار نہیں سکتا یہاں ؟"

عبدالمتعال :- "ہاں اتنی احتیاطوں کے باوجود، اس کے دل میں یہ خیال راسخ ہوچکا ہے، وہ مجھ سے کہہ رہا تھا منذر ساز باز کرکے آیا تھا، اِدھر گرفتار ہوا، اُدھر، اس کے بال بچے فرار ہوگئے۔"

سلیمان:۔" تم نے یہ نہیں پوچھا اگر وہ ساز باز کرکے آیا ہوتا ہو تا تو خود کیوں
گرفتار ہوتا ؟"

عبدالمتعال:۔" میں نے بھی یہ بات کہی تھی، لیکن حجاج کی سمجھ میں وہی بات
آسکتی ہے جسے وہ سمجھنا چاہے !"

سلیمان:۔" یہ تو بڑی دھاندلی ہے۔"

عبدالمتعال:۔"جو کچھ بھی ہو، بات یہی ہے، ——— اور اس واقعہ کا ایک
اور بھی بہت بُرا نتیجہ ظاہر ہوا ——— !"

سلیمان:۔" وہ کیا ؟ کون سی بات ؟"

عبدالمتعال:۔" ابو حاجب کے لڑکوں کو تو حجاج نے قتل کرنے کے لئے گرفتار
کرلیا ہے، اور لڑکی اور بیوی کو ان کے خیمہ میں نظر بند کر دیا ہے ——— !"

سلیمان:۔" اچھا یہ بھی ہو چکا ہے، ؟"

عبدالمتعال:۔" وہ تو ہونا ہی چاہئے تھا۔"

سلیمان:۔" اچھا پھر، تو ان لوگوں پر کیا اثر پڑا، اس واقعہ کا ؟"

عبدالمتعال:۔" نگرانی اور سخت کر دی گئی ہے ! ——— پہلے بھی کچھ کم نہ تھی،
اب تو وہاں پرندہ پَر نہیں مار سکتا۔"

یہ سنکر سلیمان کا کلیجہ منہ کو آگیا، وہ سوچنے لگا اب کیا ہوگا ؟ میں ابو حاجب کو
یقین دلا کر آیا ہوں کہ اس کے بال بچوں کو سلامتی کے ساتھ نکال لاؤں گا، ———
لیکن مجھے تو اب خود یہاں سے بچ کر نکلنا ناممکن نظر آرہا ہے !

عبدالمتعال:۔" کیا سوچ رہے ہو سلیمان ؟ ——— کوئی خاص بات ؟"

سلیمان:۔" نہیں کوئی خاص بات نہیں، یہ سوچ رہا ہوں اگر کہیں میری مخبری ہو گئی تو کیا ہو گا؟"

عبدالمتعال:۔" تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟ ——— جب تک میں زندہ ہوں، تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا، اس لئے کہ تم میرے مہمان ہو، تم نے کوئی خطا نہیں کی ہے!"

سلیمان:۔ (مسکرا کر) " اور اگر کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو؟"

عبدالمتعال:۔ (بے پروائی سے) " پھر میں خود تمہاری جان لینے کے لئے کیا کم ہوں؟"

سلیمان:۔" کیا تم مجھے مار ڈالو گے؟"

عبدالمتعال:۔" اگر تم اپنے آپ کو مرنے کا سزاوار بنا لو تو ——— میرا، اور تمہارا راستہ جدا ہے، پھر بھی ہماری دوستی قائم ہے، لیکن اگر میں ابن زبیر کے خلاف اُن کے لشکر میں تمہاری مدد سے جا کر کوئی کام کروں تو تم بھی یہی کرو گے، تمہارا فرض ہو گا کہ میری جان لے لو، اور اگر ایسا نہ کرو تو تم غدّار ہو، یہی توقع تمہیں مجھ سے رکھنی چاہئے، اگر میں تمہیں چھوڑ دوں، نکل جانے دوں، تو دوستی کا حق ادا کر کے بہت بڑی غداری کا مرتکب ہوں گا!"

سلیمان:۔" سچ کہتے ہو بھائی، ——— لیکن ایک بات کا جواب دو، ——— لیکن خفا نہ ہو جانا!"

عبدالمتعال:۔" کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

سلیمان:۔" کیا تمہیں یقین ہے کہ حجاج حق پر ہے؟ ——— تم سچے

راستے پر چل رہے ہو؟"

عبدالمتعال:۔ تمہیں ایسا سوال نہ کرنا چاہیئے تھا، لیکن جب کر چکے ہو تو میں جواب دیتا ہوں، ـــــ میں نے آج تک اس مسئلہ پر غور نہیں کیا!"

سلیمان:۔" تم نے حق اور ناحق کے مسئلہ پر کبھی نہیں سوچا؟"

عبدالمتعال:۔ نہیں، ـــــ نہ آئندہ ایسی غلطی کرنے کا ارادہ ہے!"

سلیمان:۔" یہ کیوں؟ ـــــ عجیب قسم کی بات کہی تم نے!"

عبدالمتعال:۔" دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ تمہارے سے حق پرست ہوتے ہیں، کچھ میرے ایسے باطل پرست، تم اپنے راستے پر چلتے رہو، مجھے اپنے راستے پر چلنے دو۔"

سلیمان:۔" یہ تو ہو ہی رہا ہے، لیکن انسان ضمیر کا مالک بھی تو ہوتا ہے۔"

عبدالمتعال:۔" ہاں ہوتا ہے، ـــــ میں بھی ضمیر کا مالک ہوں۔"

سلیمان:۔" اور تمہارا ضمیر مطمئن ہے ـــــ؟"

عبدالمتعال:۔" ضرورت سے زیادہ مطمئن ہے، کبھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ حجاج غلط راستے پر چل رہا ہے!"

سلیمان:۔" اس کی کچھ وجہ بھی تو ہوگی میرے بھائی؟"

عبدالمتعال:۔" ہاں ہے، ـــــ میرا خیال ہے، خدا اسی کو شوکت اور قوت عطا کرتا ہے جو اس کا مستحق ہو، ـــــ میں حجاج کیوں نہ بن گیا؛ تم کیوں نہیں بن جاتے حجاج؟ ـــــ بتاؤ!"

سلیمان ہنسنے لگا۔

عبدالمتعال :۔" یہ لیجئے آپ کو ہنسی آ رہی ہے، آخر لاجواب ہو گئے نا ؟"

سلیمان :۔" اگر تمہاری دلیل مان لی جائے تو پھر حق و باطل کا امتیاز ہی ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ بالعموم طاقت انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، مظلوم وہ ہوتے ہیں جو حق پر ہوتے ہیں ـــــ انسانیت کی ساری تاریخ صرف اسی ایک حقیقت کا اعادہ ہے، ـــــ تم تاریخ کو جھٹلانے کی جرأت کر رہے ہو ؟"

عبدالمتعال :۔" نہیں میں اتنی بڑی جرأت نہیں کر سکتا ـــــ میرے تمہارے نقطۂ نظر کا فرق ہے ۔"

سلیمان :۔" اچھا بھئی تم سے بحث کون کرے، ـــــ تم ٹھہرے طاقت کے پجاری ہم ٹھہرے حق کے پرستار، ہم دونوں کا راستہ الگ ہے اور الگ رہے گا !"

عبدالمتعال :۔" وہ تو ہے ہی، لیکن ایک بات بتاؤ، ـــــ دیکھو جھوٹ نہ بولنا ۔"

سلیمان :۔" جھوٹ کیوں بولنے لگا ؟"

عبدالمتعال :۔" کیا تمہیں کسی نے یہاں بھیجا ہے یا تم خود آئے ہو ؟"

سلیمان :۔" میں قسم کھا سکتا ہوں، کہ از خود آیا ہوں، کسی نے بھی مجھے نہیں بھیجا !"

عبدالمتعال :۔" سچ کہہ رہے ہو ؟"

سلیمان :۔" قسم لے لو ۔"

عبدالمتعال :۔" کیا ابن زبیر نے تمہیں یہاں کی سن گن لینے نہیں بھیجا ہے ؟"

سلیمان :۔" انہیں تو اس کی بھی اطلاع نہیں کہ میں یہاں ہوں، صرف ایک دوست کو بتا کر آیا ہوں ! صرف وہی جانتا ہے میں کہاں ہوں !"

عبدالمتعال:۔"کون ہے وہ دوست ؟"

سلیمان:۔" ہے ایک دوست، نام کیوں پوچھتے ہو ؟ لیکن ایک بات تمہارے اطمینان کے لئے کہے دیتا ہوں کہ وہ میرا راز دار دوست بھی مجھے یہاں آنے سے منع کر رہا تھا۔

عبدالمتعال:۔" لیکن تم نے اس کا مشورہ رد کردیا اور چلے آئے ؟"

سلیمان:۔"ہاں ——— دیکھ ہی رہے ہو!"

عبدالمتعال:۔" محض مجھ سے ملنے کے لئے ؟"

سلیمان:۔تمہاری جگہ میرے دل میں کتنی ہے اس کا اندازہ اس سے کرلو کہ میں نے اپنے اس دوست سے کہا تھا اگر کوئی خطرہ مجھے درپیش آیا تو عبدالمتعال بچالے گا !"

عبدالمتعال خوش ہوگیا، ——— اب یہ دونوں منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے !

(۳۴)

ایک اور مصیبت

سلیمان پہنچنے کو تو حجاج کے لشکر میں پہنچ گیا، لیکن اب کیا کرے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، یوں وہ آرام سے تھا، عبدالمتعال نے مہانداری کا حق ادا کر دیا تھا، بڑے اچھے پیانہ پر اس کی خاطر مدارات ہو رہی تھی، ——— لیکن ساتھ ہی ساتھ نگرانی بھی ہو رہی تھی، عبدالمتعال نے اسے ایک طرح سے نظر بند کر رکھا تھا، اس نے منہ سے یہ بات نہیں کہی تھی، کہ وہ نظر بند ہے، لیکن عملاً یہی صورت تھی، دو چار آدمی ہر وقت اس کی نگہداشت کیا کرتے تھے، اسے ایک لمحہ بھی تنہائی کا نہیں ملتا تھا، جس خیمہ میں اسے ٹھہرایا گیا تھا وہ متعدد خیموں کے بالکل بیچ میں تھا، اس کی نقل و حرکت ہر وقت نگاہ میں رہتی تھی، چند روز کے بعد سلیمان یہ محسوس کرنے لگا کہ نہ صرف نظر بند ہے بلکہ پا بند بھی ہے، آنے کو تو چلا آیا لیکن اب اپنی مرضی سے واپس نہیں جا سکتا، یہاں وہ ٹھہرنے پر مجبور ہے، جب تک یہ جنگ ختم نہ ہو جائے، دوران جنگ میں اسے صرف اتنی آزادی تھی کہ چاہے تو عبدالمتعال کے پاس ایک معزز قیدی کی حیثیت سے رہے چاہے تو حجاج کا معتوب بن کر اُس خیمہ میں پہنچا دیا جائے جہاں منذر قید تھا، ابو حاجب کے لڑکے قید تھے، دوسرے زیر فیصلہ "مجرم" اور "غدار" محبوس تھے، ویسے وہ گرفتار ہونے

یا سزا پانے سے خائف نہیں تھا، لیکن اس مرحلہ پر وہ اسے پسند نہیں کرتا تھا، کہ گرفتار ہو، وہ ابو حاجب سے وعدہ کرکے آیا تھا کہ اس کے بال بچوں کو صحیح سلامت مکہ میں لے آئے گا، یہ وعدہ اگر پورا نہیں تو کسی نہ کسی حد تک ضرور اسے پورا کرنا تھا۔

لیکن کیوں کر ؟

ابو حاجب کے لڑکے گرفتار ہو چکے تھے، اور امروز فردا میں ان کی گردن کاٹی جانے والی تھی، بظاہر ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نہیں تھا !

لیکن اس کی بیوی ؟

اس کی لڑکی ؟

کیا انہیں بھی نہیں بچایا جا سکتا تھا ؟

کیا ان کے لئے بھی جدو جہد نہیں کی جا سکتی تھی ؟

کم از کم اتنا ہی ہو سکتا کہ اس کی بیوی اور لڑکی کو کسی طرح دہاں پہنچا دیا جاتا۔

عبدالمتعال سے اس مسئلہ پر کئی مرتبہ اس نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا !

نہ جانے وہ کیا سمجھے ؟

اس قسم کے سوال اور استفسار سے کہیں وہ مشکوک نہ ہو جائے ؟

کہیں وہ مجھی کو گرفتار نہ کرلے ؟

یہ تھے وہ اندیشے جن کی بنا پر وہ خاموش ہو جاتا تھا۔

دن گزرتے رہے !

مگر حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا ۔

ایک روز سلیمان نے سوچا یوں خاموش رہنے سے کام نہیں چلے گا، یا اِدھر یا اُدھر، بات اب یکسو کرنا ہی پڑے گی !

رات کے کھانے کے بعد، جب عبدالمتعال سلیمان کے خیمہ سے اپنے خیمہ میں جانے لگا تو سلیمان نے اسے روک لیا،

" ذرا ٹھہر جاؤ، کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے !"

عبدالمتعال کچھ ٹھٹکا، پھر آکر مسند پر سلیمان کے پاس بیٹھ گیا، مسکراتے ہوئے اس نے کہا،

" کہو دوست، کیا کہنا چاہتے ہو ؟ ——— کوئی حکم دو، میں بہ سر و چشم اس کی تعمیل کروں گا !"

سلیمان :۔" یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اتنا خیال رکھتے ہو میرا، لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں !"

عبدالمتعال :۔" تو کہتے کیوں نہیں ؟ میں توجہ سے سُن رہا ہوں !"

سلیمان :۔" ابوحاجب نے واقعی بہت بڑا جرم تمہارے نقطۂ نظر سے کیا ہے۔"

عبدالمتعال :۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) " ظاہر ہے، اس میں کون شک کر سکتا ہے۔"

سلیمان :۔" اس کے جوان اور نوجوان لڑکے اگر گرفتار کر لئے گئے تو بھی ایک ایسا اقدام ہے جو سمجھ میں آسکتا ہے، اس لئے کہ وہ ہتھیار چلا سکتے ہیں، سازش کر سکتے ہیں، ہنگامہ آرائی کے موجب بن سکتے ہیں۔"

عبدالمتعال :۔" اسی لئے تو وہ لوگ گرفتار کئے گئے ہیں، ——— امیر حجاج

ان کے قتل کا فرمان بھی صادر کر چکے ہیں، لیکن نہ جانے کیوں رُکے ہوئے ہیں؛
شاید ایک آدھ دن میں ان کی گردن ماردی جائے گی، اور حساب کتاب برابر ہو جائے گا!

سلیمان:۔" ہاں ظاہر ہے، اس لئے کہ حجاج نہ اپنی رائے بدلتا ہے، نہ فیصلے
میں تبدیلی کرتا ہے!"

عبدالمتعال:۔ (مسکراکر) "جانتے تو ہو سب کچھ۔"

سلیمان:۔" میں دوسری بات کہہ رہا تھا!"

عبدالمتعال:۔" تو کہونا بھائی! ـــــ کہتے تو ہو نہیں کچھ، صرف اعلان کئے
جارہے ہو؟ ـــــ بتاؤ کیا کہنا ہے!"

سلیمان:۔" ابوحاجب کی بیوی اور لڑکی کے بارے میں!"

عبدالمتعال:۔" تو کیا رائے ہے تمہاری ان دونوں کے بارے میں؟"

سلیمان:۔" میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت، اور ایک
نوجوان لڑکی سے کسی حکومت، یا امیر کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

عبدالمتعال:۔" یعنی یہ لوگ کیوں گرفتار ہیں یہی نا؟"

سلیمان:۔" ہاں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں!"

عبدالمتعال:۔" بات یہ ہے کہ ہمارے امیر حجاج بڑے دوراندیش ہیں، وہ
آج ہی کو نہیں دیکھتے، کل کو بھی دیکھتے ہیں، ـــــ جو کل گزر چکا ہے اسے بھی
اور جو کل آنے والا ہے اُسے بھی!"

سلیمان:۔" مجھے نہ تمہارے امیر کی دُور اندیشی پر شک ہے، نہ فہم و فراست
پر، میں تو ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں، جو صرف اس حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے کہ

"______

سلیمان آگے کچھ نہ کہنے پایا تھا کہ عبدالمتعال بول پڑا،

" میں کہہ چکا، ہمارے امیر جو کام کرتے ہیں، مکمل کرتے ہیں، وہ ذرا سا تسمہ بھی نہیں لگا رہنے دیتے! ــــــ میرا خیال تو یہ ہے کہ ابو حاجب کی بیوی، اور لڑکی کو بھی اس دُنیا سے جلد ہی رختِ سفر باندھنا پڑے گا، ــــــ اور خود ابو حاجب بھی کب بچ سکتا ہے؟ ــــــ آج نہیں تو کل اس کی باری بھی آجائے گی

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

ــــــ بلکہ ممکن ہے کہ امیر اس کے لڑکوں کی ہلاکت میں اسی لئے تاخیر کر رہے ہوں کہ ابو حاجب بھی قتل یا گرفتار ہو لے، تب ایک ساتھ سارے خاندان کا رشتۂ حیات قطع کیا جائے۔"

سلیمان:۔"کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"

عبدالمتعال:۔"کیوں نہیں ہے؟ ــــــ صاف ظلم ہے!"

سلیمان:۔" تو کیا ظلم ہونا چاہئے؟"

عبدالمتعال:۔" کیوں نہیں ہونا چاہئے ــــــ ایک بات یاد رکھو، حکومت اور ظلم جڑواں بھائی بہن ہیں، انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اور اگر جدا کردیا جائے تو پھر دونوں کی خیر نہیں، پھر ظالم کو مظلوم بننا پڑے گا، اور کوئی شخص بھی خوشی سے مظلوم بننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔"

سلیمان:۔" یہ بات تو تم نے ایسی کہی ہے جو ہر اعتبار سے غلط اور مہمل ہے۔"

عبدالمتعال:۔" نہیں بالکل صحیح ہے، جتنا جتنا غور کرو گے اتنی ہی اتنی میرے

قول کی صداقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی، ـــــ پھر سوچو!"

سلیمان:۔" سوچ کر کیا کروں؟ ـــــ کیا سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکومت نہیں کی؟ کیا خلفائے راشدین مسندِ حکومت پر متمکن نہیں ہوئے؟ ـــــ کیا ان حضرات کے عہدِ حکومت میں بھی ظلم ہوتا تھا؟ ہو بھی سکتا تھا ظلم کسی پر؟"

عبدالمتعال:۔" تم بھی کس زمانہ کی بات کر رہے ہو؟ ـــــ ماضی کو چھوڑو آج کی بات کرو آج کی!"

سلیمان:۔" نہیں بھائی، میں اب بحث کرنا نہیں چاہتا، جو کچھ تم نے کہا یہ میرے لئے نئی بات نہیں ہے، مجھے معلوم تھا، تم یہی کہوگے،"

عبدالمتعال:۔" معلوم تھا تو پوچھا کیوں؟"

سلیمان:۔" حماقت سمجھ لو!"

عبدالمتعال:۔" تمہیں احمق وہی سمجھ سکتا ہے جو خود احمق ہو!"

سلیمان:۔" اچھا ایک اور بات کہنی تھی ـــــ میں کل جا رہا ہوں!"

عبدالمتعال:۔ (حیرت سے) " تم کل جا رہے ہو ـــــ؟ کہاں؟"

سلیمان:۔" جہاں سے آیا ہوں، ـــــ تم سے ملاقات کرنا تھی، سو وہ کر لی، اب یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ وہاں لوگ منتظر ہوں گے میرے!"

عبدالمتعال:۔" نہیں یہ نہیں ہو سکتا، تم جا نہیں سکتے، ابھی رہنا پڑے گا یہاں!"

ان الفاظ میں التجا نہیں تھی، دوستانہ اصرار بھی نہیں تھا، ایک قسم کا تحکّم تھا،

سلیمان، یہ الفاظ سنکر چکرا گیا، اُس نے اپنے حواس مجتمع کئے، اور کہا،

نہیں بھئی، اب میں نہیں رہ سکتا، ——— بہت دن ہو گئے!"

عبدالمتعال:۔" پھر وہی بچوں کی سی باتیں، آخر اتنی جلدی کیوں ہے تمہیں؟"

سلیمان:۔" جلدی اور دیر کا سوال نہیں، سوال یہ ہے کہ آخر اب یہاں رہوں کیوں؟"

عبدالمتعال:۔ (مسکراکر) "اس لئے کہ ابھی تمہارا مقصد پورا نہیں ہوا۔"

سلیمان:۔" میرا مقصد؟ ——— کیا تھا وہ؟"

عبدالمتعال:۔" منذر کو رہا کرانا، ابو حاجب کے بیٹوں کو بچانا، اس کی بیوی اور لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا، ——— ان میں سے کون سی بات پوری ہوئی ہے جو ابھی سے جا رہے ہو، فرض کرو چلے بھی جاؤ، تو آخر اپنے دوست ابو حاجب کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ وہ شکایت نہیں کرے گا کہ اتنا معمولی سا کام بھی تم نہ کرسکے، اور چلے تھے دوستی کا پیمان باندھنے!؟"

عبدالمتعال کی یہ باتیں سنکر سلیمان کو پسینہ آگیا، اس نے بات بناتے ہوئے کہا،

"بڑی دُور کی کوڑی لائے ———!"

عبدالمتعال:۔" تمہارا خیال یہ ہے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں؟ ——— مجھے سب کچھ خبر ہے، جس وقت تم مکّہ سے چلے تھے، مجھے معلوم ہو گیا تھا، کیوں آرہے ہو؟ میں سرحد پر تمہیں اتفاقاً نہیں ملا تھا، تمہارا خیر مقدم کرنے آیا تھا، کوئی اور ہوتا تو جانتے ہو اسے کیا سزا ملتی؟ ———؟"

سلیمان نے کوئی جواب نہیں دیا، ہکّا بکّا ہو کر اس کا منہ دیکھتا رہا!

عبدالمتعال کچھ دیر رُکا، پھر اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ذرا خشونت کے ساتھ کہا،

" اُسے فوراً حجاج کے دارالامارۃ میں پہنچا یا جاتا، اور گردن اُڑا دی جاتی، وہ تو کہو، مجھے پرُانی دوستی کا خیال آگیا، میں نے امیر کو اب تک تمہارے بارے میں اطلاع نہیں دی، صرف تمہیں اپنے پاس قید کرلیا !"

سلیمان :- (حیرت سے) " میں قید ہوں ؟"

عبدالمتعال :- " ہاں، ——— اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو تمہارے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے گا، جو ایک دوست کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور جیسا اب تک ہوتا رہا ہے، اگر جانے پر اصرار کروگے، تو بلا شبہ باقاعدہ قید کرلئے جاؤ گے، اور اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو فوراً قتل کردیا جائے گا !"

سلیمان حیرت سے عبدالمتعال کا منہ دیکھ رہا تھا !

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا !

وہ سوچنے لگا،

" میں گرفتار ہوں؟ میں نظر بند ہوں ؟ میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا، اور یہ سب کچھ اس صفائی سے ہوا کہ مجھے پتہ بھی نہ چل سکا ۔"

عبدالمتعال نے اُٹھتے ہوئے کہا،

" اب میں جاتا ہوں، تم حسب معمول یہاں آرام کرو، روزانہ کھانے پر ہماری ملاقات ہوتی رہے گی، ——— یہ ساری باتیں ذرا وضاحت سے میں نے اس لئے بتا دیں کہ میں محسوس کر رہا ہوں، تم واپس جانے کے لئے پر پرواز پیدا کرنے

کی کوشش کر رہے ہو، اگر یہ کوشش تم نے جاری رکھی تو سوچ لو انجام کیا ہوگا؟ ——— مجھے ایک پرانے دوست کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں گے!"

یہ کہہ کر عبدالمتعال، سلیمان کے خیمہ سے اُٹھا، اور چپ چاپ چلا گیا!

عبدالمتعال کے جانے کے بعد، سلیمان ایک بے بس قیدی کی طرح اپنے بستر پر گر پڑا، اسے عبدالمتعال کے طرزِ عمل پر حیرت نہیں تھی، حیرت اس بات پر تھی کہ یہ رتّی ریزہ بات، اسے معلوم کیونکر ہوئی؟ ——— کیا حجاج کے جاسوس حضرت عبداللہ ابن زبیر کے لشکر میں پھیلے ہوئے ہیں؛ وہ ہر شخص کی نقل و حرکت پر، گفتگو اور صلاح مشورہ پر نظر رکھتے ہیں؟ ——— اگر یہ سچ ہے، اور جھوٹ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو پھر یہ جنگ کیسے جیت سکیں گے؟ ——— یہ مرحلہ ہم کس طرح سر کر سکیں گے؟

رات بھر سلیمان یہی سوچتا رہا، اس نے بار بار سونے کی کوشش کی، لیکن نیند اس سے روٹھی ہوئی تھی، طبیعت پریشان ہو، خیالات یکسو نہ ہوں، اضطراب و اضطراری کیفیت طاری ہو، تو نہ نیند آتی ہے، نہ ذہنی آرام میسر ہوتا ہے، بیچارہ سلیمان اس وقت اسی مصیبت میں مبتلا تھا!

(۳۵)
حجاج کا خنجر

حجاج کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، وہ اب ایک لمحہ بھی تاخیر کرنا نہیں چاہتا تھا، اس کی خواہش تھی کہ جلد از جلد بھرپور اور فیصلہ کن حملہ کرے، حضرت عبداللہ ابن زبیر کو جام شہادت پلائے، ان کے حامیوں، اور ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے، مکہ اور مدینہ پر اموی حکومت کا پرچم لہرائے، لوٹ کھسوٹ کے مال سے لدے ہوئے قافلے لے کر کامیاب و کامران دمشق واپس جائے، اور اپنے آقا اور مالک عبدالملک بن مروان کے دربار سے سند خوشنودی حاصل کرے، اور اس کے بعد پھر کسی اور طرف کا رخ کرے، اور ظلم کی تلوار کھینچ کر پھر جی بھر کے بے گناہوں، اللہ والوں اور امن پسندوں کو قتل کرے، ان کی عورتوں کی بے حرمتی کرے، ان کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارے، اور اُن کے مال واملاک پر قبضہ کرلے۔

لیکن وہ ہر طرح سے با اقتدار اور با اختیار ہونے کے باوجود مجبور بھی تھا! وہ اپنے حدود واختیار کے اندر سب کچھ کرسکتا تھا، لیکن جن امور میں اسے دربار خلافت سے استصواب کرنا لازمی ہوتا تھا، ان میں بغیر واضح اور صاف ہدایت کے وہ کوئی قدم نہیں اُٹھاتا تھا، وہ خدا سے بھی اتنا نہیں ڈرتا تھا جتنا اپنے آقا عبدالملک بن مروان سے،

بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ وہ خدا سے نہیں ڈرتا تھا، صرف عبدالملک بن مروان ہی سے ڈرتا تھا،

اس نے ایک مکتوب لکھ کر عبدالملک سے اجازت طلب کی تھی کہ اسے غیر مسئول طور پر جملہ اختیارات دے دئے جائیں، فتح حاصل کرنے، "دشمن" کو مغلوب کرنے، اور اس کی سپاہ کو شکست دینے کے لئے وہ جو ذرائع اور وسائل چاہے اختیار کرے، مگر اس سے بازپرس نہ کی جائے، گویا دوسرے الفاظ میں وہ یہ چاہتا تھا کہ جتنا ظلم چاہے کرے، جتنی سفاکی کا چاہے مظاہرہ کرے، جتنی بے حرمتی مقصود ہو، اہل تقویٰ اور ارباب شریعت کی وہ کر ڈالے، مگر اس کے خلاف کوئی بات نہ سُنی جائے —— عبدالملک بن مروان اس پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا، اس کی ہر بات مان لیتا تھا، اُمید تھی کہ اس درخواست کو بھی وہ شرف قبول عطا کرے گا، لیکن ایک عرصہ گزر گیا مگر دربار خلافت سے کوئی جواب نہیں آیا، وہ سخت متردد تھا کہ آخر اس خاموشی، اور سکوت کا سبب کیا ہے؟ کبھی کبھی وہ سوچنے لگتا تھا کہیں ایسا تو نہیں ہے کسی دشمن نے غمازی کی ہو، اور آقائے نامدار کا مزاج برہم ہوگیا ہو، یہ سوچتے سوچتے وہ دہشت سے کانپنے لگتا تھا —— عبدالملک کا غصہ خدا کا قہر تھا، اور حجاج اپنے میں یہ تاب نہیں پاتا تھا، کہ اس قہر کا مقابلہ کر سکے، اسی لئے وہ ہر طرح کی تیاریوں سے لیس ہونے کے باوجود، آخری اور فیصلہ کن حملہ کرتے ہوئے جھجک رہا تھا، اس بیکاری، اور تعطّل نے اس کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا کر دیا تھا، پہلے بھی وہ کچھ کم غضب ناک نہیں رہتا تھا، غصہ ہر وقت اس کی ناک پر رکھا رہتا تھا، لیکن اب تو وہ بات بات پر جھنجھلا جاتا تھا، حد یہ ہے کہ اس نے اب تک فیصلہ کر چکنے

کے باوجود نہ ابوحاجب کے لڑکوں کو قتل کیا تھا، نہ منذر کی جان لی تھی، اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا، جب تک اس کے پاس عبدالملک بن مروان کا جواب نہیں آجائے گا اس وقت تک وہ کوئی اقدام نہیں کرے گا، جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جنگ کے انجام پر اثر انداز ہو سکتا ہو!

صبح کا وقت تھا، وہ اپنے خیمہ میں ایک گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے، قہر و جلال کا پیکر بنا بیٹھا تھا، اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اس کے چہرے پر قہر و غضب کے نقوش ابھرتے ہی چلے آرہے تھے، داہنے ہاتھ کی طرف شمشیر براں رکھی ہوئی تھی، کمر سے خنجر بندھا ہوا تھا، حاضرین پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی، ویسے بھی حجاج کے سامنے بات کرنے کی ہمّت کسی میں نہیں تھی، جب تک وہ خود گفتگو کا آغاز نہ کرے، کسی میں یارائے تکلّم نہ تھا، لیکن اس وقت تو کچھ ایسی دہشت انگیز فضا پیدا ہوگئی تھی کہ اس سے آنکھ چار کرتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا، —— خود حجاج کا یہ عالم تھا کہ وہ بُت کی طرح ساکت و صامت بیٹھا تھا، کسی قسم کی حرکت بھی اس سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی، لوگ سہمے ہوئے بیٹھے تھے، البتہ کبھی کبھی کن انکھیوں سے اس کی طرف ذرا کے ذرا دیکھ لیتے تھے، اور پھر سہم کر آنکھیں نیچی کرلیتے تھے!

یک بیک حجاج نے پہلو بدلا، اور اپنے ایک معتمد افسر ربیع کی طرف مخاطب ہوا۔

حجاج :- "دمشق سے کوئی آدمی آیا؟"

ربیع :- اب تک نہیں آیا، میں روز لشکر کی سرحد سے باہر دور دور تک گھوڑے پر سوار جاتا ہوں، اسی امید میں کہ کوئی مسافر نظر آجائے، اور اس سے، دمشق کے حالات دریافت کروں، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اب تک کوئی مسافر نظر

نہیں پڑا، !"

حجاج :۔ " آج بھی گئے تھے تم ؟"

ربیع :۔" گیا تھا، یا امیر!"

حجاج :۔" مگر آج بھی تم ناکام و نامراد واپس آگئے ؟"

ربیع :۔" یہی بات ہوئی یا امیر۔"

حجاج :۔" ہمارے نامہ بر کو گئے ہوئے کتنی مدّت گزر چکی ہے؟"

ربیع :۔" بہت کافی، ——— تقریبًا تین ماہ !"

حجاج :۔" نہ نامہ بر واپس آیا، نہ کسی اور طرح سے دربار خلافت کی کوئی کیفیت معلوم ہوئی!"

ربیع :۔" غلام خود بہت متفکر اور پریشان ہے !"

حجاج نے ایک نظر حاضرین پر ڈالی، اور بلند آواز سے کہا،

" تخلیہ ——— !"

یہ سنتے ہی سب لوگ بڑی تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور خیمہ سے باہر چلے گئے

حجاج نے اِدھر اُدھر ایک نظر ڈالی، اور کہا،

حجاج :۔" ربیع ذرا قریب آجاؤ ——— !"

ربیع کھسک کر حجاج سے اور قریب ہوگیا۔

حجاج :۔" کوئی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس تاخیر کا راز کیا ہے ؟"

ربیع :۔" کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ماجرا ہے !"

حجاج :۔" بار بار ایک خیال میرے دماغ میں آتا ہے، لاکھ لاکھ اسے دور کرنے

کی کوشش کرتا ہوں لیکن نہیں دور ہوتا۔"

ربیع :۔" وہ کون سی بات ہے میرے آقا؟"

حجاج :۔" اندیشہ یہ گزرتا ہے کہ کہیں دربار میں میرے خلاف کوئی سازش تو نہیں ہو رہی ہے!"

ربیع :۔" امیرالمومنین کو امیر کی ذات پر جو اعتماد ہے، اسے پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی!"

حجاج :۔" ہاں یہ بات تو ہے، پھر بھی زمانہ سدا ایک سا نہیں رہتا، حالات کو بدلتے دیر نہیں لگتی!"

ربیع :۔" کیا امیر کا یہ خیال ہے کہ امیرالمومنین اُن سے برہم ہو سکتے ہیں؟"

حجاج :۔" خدا ہی بہتر جانتا ہے، ——— میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

ربیع :۔" نہیں، ——— میرا خیال ہے یہ ناممکن ہے، ——— اور اگر ممکن بھی ہے تو ہمیں کوئی پروا نہیں!"

حجاج :۔ (چونک کر) " کیا کہا، ہمیں کوئی پروا نہیں؟"

ربیع :۔" ہماری وفاداری امیرالمومنین کے ساتھ غیر مشکوک ہے!"

حجاج :۔" ہاں ہے، ——— پھر؟"

ربیع :۔" اس بات کو ایک دشمن بھی تسلیم کرے گا کہ امیرالمومنین، یعنی عبدالملک بن مروان کی حکومت کے حفظ و بقا، اور دفاع و استحکام کے لئے امیر حجاج نے جو لازوال کارنامے انجام دئے ہیں، وہ رہتی دُنیا تک باقی رہیں گے، انہیں بھلایا نہیں جا سکتا، فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

حجاج:- "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

ربیع:- "میں یہ عرض کر رہا تھا، اگر اس کے باوجود، دربار خلافت کی طرف سے ناقدری ہو، آپ کے خلاف سازشیں ہوں، اور اُن سازشوں سے امیرالمومنین عبدالملک بن مروان متاثر ہوجائیں تو پھر ہم ہر ذمہ داری سے بری ہیں۔"

حجاج:- "میں اب تک تمہارا مطلب نہیں سمجھا ——— "ہم ذمہ داری سے بری ہیں!" اس کا کیا مطلب ہوا؟"

ربیع:- "میرا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی کمزور نہیں ہیں، اگر ایسا ہوا تو پھر ہم ترکی بہ ترکی جواب دیں گے!"

حجاج:- "تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہم دربار خلافت کا مقابلہ کریں گے؟"

ربیع:- "پھر اس کے سوا اور صورت ہی کیا ہو سکتی ہے؟"

حجاج:- "اگر ہم ایسا کریں تو کیا کامیاب ہو سکیں گے؟"

ربیع:- "ضرور کامیاب ہوں گے ———!"

حجاج:- "کیا لوگ ہمارا ساتھ دیں گے؟"

ربیع:- "ضرور دیں گے، عوام پر امیر حجاج کا جو اثر ہے، جو دہشت ہے، وہ عبدالملک کی نہیں، ہمارے ساتھ فوج ہے، اور یہ کامل طور پر ہماری وفادار ہے ——— وقت آیا تو دُنیا دیکھ لے گی، ہم کیا کر سکتے ہیں!"

حجاج:- (مسکرا کر) "تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ہماری خاطر، دربار خلافت سے جنگ کرنے کو، اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟"

ربیع:- "بسر و چشم، صرف آپ کے ایک اشارہ کی دیر ہے"

حجاج :۔" تمہاری رائے میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟"

ربیع :۔"چند روز انتظار کریجئے، اگر شافی جواب نہ آئے، یا جواب ہی نہ آئے، تو پھر آپ اپنی امارت حجاز کا اعلان کر دیجئے !"

حجاج :۔" اور عبداللہ بن زبیر جو وہاں امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین بنے بیٹھے ہیں، ان کا کیا ہوگا ؟"

ربیع :۔" ابن زبیر میں اب کوئی دم باقی نہیں رہا، میرا خیال ہے جس دن فوجیں ان کے مقابلہ کے لئے نکلیں گی، اسی دن سپاہ ابن زبیر کا مقاتلہ ہو جائے گا پھر راستہ صاف ہے، بڑی آسانی سے ہم حجاز پر قابض ہو جائیں گے !"

حجاج :۔ (مسکرا کر)" اور اس کے بعد کیا ہوگا؟"

ربیع :۔" پھر ہم عراق، اور کوفہ کی طرف کوچ کریں گے، اور وہاں اپنا پرچم لہرا کر حکومت قائم کریں گے !"

حجاج :۔ (تبسّم کے ساتھ)" تجویز تو معقول ہے، عراق اور کوفہ کے بعد کیا پروگرام رہے گا ہمارا ؟"

ربیع :۔" پھر ہمارا قافلۂ فتح وظفر دمشق کی طرف کوچ کرے گا، اور ——"

حجاج :۔" ہاں میں بڑے شوق اور توجہ سے سُن رہا ہوں، پھر ——؟"

ربیع :۔" پھر تخت خلافت پر، امیر حجاج متمکن ہوں گے، اور دُنیا ان کی عظمت وجلال کے آگے ادب واحترام سے سر جھکائے گی !"

حجاج :۔" کتنا مبارک دن ہوگا وہ ؟"

ربیع :۔" وہ دن جس کے طلوع ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں !"

حجاج :۔ "میرے ذہن میں ایک بات اور آتی ہے۔"

ربیع :۔ "وہ کون سی بات ہے امیر؟"

حجاج :۔ "اگر یہ بات طے ہے تو پھر اقدام وعمل کا آغاز ہی کیوں نہ کر دیں؟۔ ——— کیوں بیکار انتظار میں اپنا وقت ضائع کریں؟"

ربیع :۔ اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے؟ ——— میری رائے یہ ہے کہ ہم آج ہی فوج کے سامنے آپ کی امارت کا اعلان کر دیں، ——— در کارِ خیر حاجتِ استخارہ نیست! ——— فرمایئے کیا اجازت ہے؟"

حجاج :۔ "تم میرے لئے، امیرالمومنین سے بغاوت کر سکتے ہو؟ ——— امیرالمومنین سے جن سے بغاوت کرنے کی میں بھی اپنے اندر ہمّت نہیں پاتا ——— ؟"

ربیع :۔ "اگر امیرالمومنین اپنے وفاداروں کی قدر نہ کریں، اپنے دوستوں کو نہ پہچانیں، تو پھر ہمارے لئے اور چارۂ کار ہی کیا رہ جاتا ہے؟"

حجاج :۔ "بڑے باہمّت آدمی ہو، ——— لیکن امیرالمومنین تو غیر مشروط اطاعت چاہتے ہیں، ——— انہیں یہ نہیں منظور کہ ان کی اطاعت کا دم بھی بھرا جائے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ وفاداری صرف اُس وقت تک جاری رہے گی، جب تک یہ کیا جائے، اور وہ نہ کیا جائے!"

ربیع :۔ "بجا فرمایا آپ نے ——— بہرحال ہم تو صرف مشروط وفاداری کے قائل ہیں، اور صرف اسی پر عمل کر سکتے ہیں!"

حجاج :۔ "تمہارا یہ فیصلہ اٹل ہے؟"

ربیع :۔ "بالکل ——— پہاڑ کی طرح اٹل!"

حجاج :۔" تم نے جو کچھ کہا ہے واقعی اسے عملی جامہ پہنانے کو تیار ہو؟"

ربیع :۔" ابھی ـــــــ اسی وقت !"

حجاج :۔" تو وقت آگیا ہے کہ ہم بھی اپنا آخری فیصلہ سُنا دیں ـــــــ ؟"

ربیع :۔" بے شک یا امیر !"

حجاج نے بجلی کی سی تیزی سے کمر سے خنجر نکالا، اور ربیع کے سینہ میں بھونک دیا، وہ ایک آہ کرکے گرا، اور ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگا !

حجاج اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے ربیع کی نیم جان اور تڑپتی ہوئی لاش کو مخاطب کیا، اور گرج دار آواز میں کہا،

" حجاج ممکن ہے سب کچھ برداشت کرلے، لیکن یہ بات وہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، کہ اس کے سامنے امیرالمومنین سے وفاداری کا رشتہ توڑا جائے، ـــــــ دس ہزار حجاج بھی ہلاک کر دئے جائیں، پھر بھی حجاج اپنے آقا، اور سردار سے بغاوت نہیں کرسکتا، اس سے سرکشی کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا، وہ اپنے آقا کا وفادار ہے، اور غیر مشروط وفادار ـــــــ !

پھر اس نے ربیع کی لاش کو ٹھوکر لگائی، اور کہا،

" تو میرا دوست ہے، لیکن کام دشمنوں کا کر رہا تھا، مجھے تیری زندگی عزیز تھی لیکن نہ اتنی کہ اس کی خاطر، وہ غیر موجودگی میں، اپنے آقا کے خلاف کچھ سُن سکے، تجھے سزا مل گئی،ـــــــ اور تو اسی سزا کا مستحق تھا !ـــــــ !"

حجاج تنہائی میں محو گفتگو تھا کہ خیمہ کا پردہ ہٹا کر عبدالمتعال اندر آیا، وہ ربیع کی لاش اور حجاج کو خنجر بدست دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا، اس کے پاؤں کانپنے لگے، وہ

کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن نہ کہہ سکا، حجاج نے اس کی طرف دیکھا اور کہا،

حجاج :۔" تم وہاں کھڑے کیوں ہو گئے؟ بھٹک کیوں گئے؟ ——— آؤ!"

وہ سہمتا ہوا، لرزتا ہوا سامنے آیا اور کھڑا ہو گیا۔

حجاج :۔" یہ لاش دیکھی تم نے؟"

عبد المتعال :۔" دیکھ لی میرے آقا، میرے سردار، میرے مالک! ——— !"

اس کے بعد اس کی زبان نے یاری نہیں دی، ورنہ شاید وہ کچھ اور بھی کہتا۔

حجاج اس کی اس کیفیت سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا، اس نے پورے وقار، اور سکون کے ساتھ کہا،

حجاج :۔" جانتے ہو، یہ میرے وفاداروں، اور جاں نثاروں میں تھا!"

عبد المتعال :۔" جانتا ہوں، بہت اچھی طرح جانتا ہوں!"

حجاج :۔" پھر بھی میں نے اسے قتل کر دیا!"

بغیر کچھ سمجھے ہوئے اس نے کہا،

" بہت اچھا کیا میرے آقا!"

حجاج :۔" لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم نے اسے کیوں ہلاک کیا!"

عبد المتعال :۔" امیر ہی واقف ہیں اچھی طرح!"

حجاج :۔" اس لئے کہ یہ میرا وفادار تھا، لیکن میرے آقا کا وفادار نہیں تھا، ——— یہ حجاج کے لئے عبد الملک بن مروان سے بغاوت کر سکتا تھا، ——— اور اس دنیا میں وہ شخص زندہ نہیں رہ سکتا جو امیر المومنین سے بغاوت کا خیال بھی دل میں لائے۔"

عبدالمتعال :۔ "بے شک ، بے شک ۔"

حجاج :۔ "ہماری اطاعت غیر مشروط ہونی چاہئے !"

عبدالمتعال :۔ "بجا ارشاد ہوا ۔"

حجاج :۔ "اگر وقت پڑے تو تم کس کا ساتھ دو گے ؟ ——— میرا یا امیرالمومنین کا ؟"

عبدالمتعال حجاج کا عندیہ سمجھ لینے کے باوجود پھر سہم گیا، اس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی !

حجاج نے بادل کی طرح گرج کر کہا ،

"جواب دو ——— !"

عبدالمتعال نے آنکھ بند کر کے اور زندگی سے مایوس ہو کر کہا ،

"امیرالمومنین کا ساتھ ہر حالت میں دوں گا، خواہ مقابلہ میں ابن زبیر ہو یا حجاج !"

یہ سنکر حجاج خوش ہو گیا ، اس نے خنجر پھینک دیا ، اور کہا ،

حجاج :۔ "تم نے ثابت کر دیا کہ تم انعام کے مستحق ہو، ہم ضرور تمہیں انعام دیں گے !"

عبدالمتعال :۔ "یہ امیر کی بندہ پروری ہے !"

حجاج :۔ (ذرا برہمی کے ساتھ) "تم اس وقت اندر، بلا اجازت کیسے آ گئے ؟

——— تمہیں معلوم نہ تھا، کہ ہم نے تخلیہ کا حکم دے رکھا ہے ؟

عبدالمتعال :۔ "معلوم تھا، پھر بھی یہ خادم آنے پر مجبور تھا !"

حجاج :۔ (غصّہ سے) "تم ہماری نافرمانی پر مجبور رہتے ؟"

عبدالمتعال :۔ (ہمت پیدا کر کے لیکن سہمتے ہوئے) امیرالمومنین عبدالملک

بن مروان کے سامنے حجاج کی کوئی حیثیت نہیں، ——— میں امیرالمومنین کے کام سے حاضر ہوا تھا، ——— کیا پھر بھی میں مجبور تھا کہ تخلیہ کے حکم کی پابندی کروں ؟"

حجاج :۔" ہرگز نہیں، ——— لیکن وہ کیا بات تھی جس کے لئے تم آئے ؟"

عبدالمتعال :۔" دمشق سے امیرالمومنین کا نامہ بر آیا ہے !"

حجاج :۔ (چیخ کر) " بلاؤ، جلد بلاؤ، ——— ٹھہرو، میں خود اس کے استقبال کو باہر چلتا ہوں !"

---

(۳۶)

خلیفہ کا قاصد

حجاج بیتابی، اشتیاق، اور سراسیمگی کے عالم میں اپنے خیمہ سے باہر نکلا، باہر خلیفہ عبدالملک بن مروان کا قاصد کھڑا ہوا تھا، حجاج اس کی طرف لپکا، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، اس سے مصافحہ کیا، پھر بغلگیر ہو کر اسے اپنے ساتھ اپنے خیمہ میں لے آیا، جس مسند پر حجاج بیٹھا کرتا تھا، کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے قریب بھی بیٹھ سکے، لیکن آج اس مسند پر حجاج کے پہلو بہ پہلو خلیفہ کا قاصد بھی متمکن تھا، اور اس شان سے اپنی جگہ پر جما ہوا تھا، جیسے یہ اس کا حق ہے، یہ اس کی عنایت ہے کہ اس نے حجاج کو بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کی سعادت عطا فرمائی، حجاج نے چند متواضعانہ باتوں کے بعد استفسار کیا،

حجاج :- "کیا آپ امیرالمومنین کا کوئی نامہ لائے ہیں؟"

خلیفہ کے قاصد رباح نے جواب دیا،

رباح :- "ہاں میں امیرالمومنین کا ایک سربند نامہ لایا ہوں!"

یہ سنکر حجاج کھڑا ہو گیا، اس نے گردن جھکالی، اور ادب کے ساتھ کہا،

" سب سے پہلے یہ غلام اپنے آقا کے نامہ کو چومنا، اور آنکھوں سے لگانا

چاہتا ہے!"

رباح نے فوراً ہمیانی سے خلیفہ کا نامہ نکالا، جو ریشم کے ایک چھوٹے سے تھیلے میں ملفوف تھا، حجاج نے خم ہو کر نامہ لیا، اسے بوسہ دیا، اور آنکھوں سے لگایا، پھر قاصد رباح سے پوچھا،

حجاج:- "کیا میں اس نامہ کو پڑھ سکتا ہوں؟"

رباح:- "نامہ تمہارے نام ہے، ضرور پڑھو، لیکن اس طرح کہ حاضرین میں سے ہر ایک اس کے الفاظ، اور مفہوم کو سن اور سمجھ لے!"

حجاج نے اپنے حاجب حمدان کی طرف بڑھا دیا!

حمدان نے نامہ لیا، اور بڑی احتیاط سے اُسے کھولا، اور پھر زور سے نعرہ لگایا،

"امیرالمومنین!"

یہ سنتے ہی تمام لوگ سرو قد کھڑے ہو گئے، ان با ادب کھڑے ہونے والوں میں خود حجاج بھی تھا!

حمدان نے پڑھنا شروع کیا:-

"خدا کے بندے امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کی طرف سے حجاج کے نام!

اما بعد،

تمہارا نامہ ہم تک پہنچا، ہم نے اس پر غور کیا، اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسے بغیر کسی ترمیم کے منظور کریں، ہماری طرف سے

ابن زبیر کا فتنہ فرو کرنے کے لئے تمہیں جملہ اختیارات عطا کئے جاتے ہیں، جو اطاعت کرے، اس کی جاں بخشی کرو، جو سرکشی کا اظہار کرے اس کی گردن قلم کردو، جو ہمارا وفادار ہو، اسے انعام دو، جو غدار ہو، اس کی سرکوبی کرو، جو ہماری خلافت سے متفق ہوں، ان سے حسنِ سلوک کا برتاؤ کرو، جنہیں اختلاف ہو، ان کی زبان بند کردو، جو امن و امان کے خواہاں ہوں انہیں امن و امان عطا کرو، جو شورش اور ہنگامہ سے دلچسپی رکھتے ہوں، ان سے زندگی کی رمق چھین لو، اس حقیقت کو تم ہم سے زیادہ جانتے ہو، کہ دشمن کسی رعایت کا مستحق نہیں ہوتا، ہاں تم نے ہم سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اس جنگ کو سر کرنے کے سلسلہ میں ممکن ہے تمہیں ایسے اقدامات کرنا پڑیں جن سے مکہ اور اصحاب تقدیس کی حرمت متاثر ہو، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ واقعی مکہ کی حرمت عزیز رکھتے ہیں، واقعی اصحاب تقدیس کی عظمت کے قائل ہیں تو انہیں چاہئے کہ ہتھیار ڈال دیں، اور حجاز پر ہمارے تسلط میں مانع نہ ہوں، لیکن اگر وہ ہم سے جنگ پر تلے ہوئے ہیں، اور آخری فیصلہ تلوار پر چھوڑتے ہیں، تو پھر کسی قسم کی بے حرمتی کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی، اگر یہ گناہ ہے تو اس کے موجب وہی ہیں، ہم نے امیر حجاج کو اس سلسلہ میں جملہ اختیارات غیر مسئول طور پر عطا کردئے ہیں، وہ اپنی صواب دید پر جو مناسب سمجھے کرسکتا ہے، ہماری طرف سے اسے کسی بازپرس

یا تعزیر کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے، اب تک اپنی وفاداری، اور جاں نثاری کے باعث وہ انعام واکرام کا اپنے تئیں سزاوار ثابت کرتا رہا ہے، اور آئندہ بھی اسے ہم سے اسی کی توقع رکھنی چاہیئے ——

—— ہاں، ہم اپنے نامہ بر رباح کے ساتھ، ایک شخص عبداللہ کو بھیج رہے ہیں، یہ ہمارا وفادار تھا، لیکن اب اس کے دماغ میں خلل آچکا ہے، اس نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم محاذ جنگ سے حجاج کو واپس بلالیں، اس لئے کہ وہ خانۂ کعبہ کی بے حرمتی کا مجرم ہے، اس لئے کہ اس نے بعض اصحاب تقدیس کے ساتھ ناروا سلوک کیا، اس لئے کہ وہ خدا کو بھول چکا ہے، ہم نے اس کے لئے قتل کی سزا تجویز کی تھی، لیکن صاعقہ کے مشورہ سے اسے ہم حجاج کے پاس بھیج رہے ہیں، اور اسے اختیار دیتے ہیں کہ اس شخص کو جو سزا وہ مناسب سمجھے دے، یا جس طرح چاہے راہ راست پر لائے، ہاں نامہ ختم کرنے سے پہلے، ایک بات ہم اور حجاج سے کہنا چاہتے ہیں، اس جنگ کو کافی مدّت گزر چکی ہے، ہم اپنی سپاہ، اور امرار کو ایک معمولی سے کام میں زیادہ دیر تک اُلجھائے رکھنا نہیں چاہتے، یہ جنگ جلد ختم ہونی چاہیئے، کیا حجاج یہ بھول گیا کہ ابن زبیر کے بھائی کو جس نے عراق اور کوفہ پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا، کس قدر جلد ہم نے کیفر کردار تک پہنچایا، پھر وہ کیوں اس قدر تاخیر روا رکھ رہا ہے! —— ؟

جب تک حمدان خلیفہ کا نامہ سناتا رہا، حاضرین پر ایک سناٹا چھایا رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا، یہ پتھر کے بُت ہیں، جو نہ حرکت کر سکتے ہیں، نہ گفتگو کر سکتے ہیں، اور حجاج کی یہ کیفیت تھی کہ وہ نامہ سُنتا جا رہا تھا، اور اس کے چہرے پر مسّرت کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے، اس کا اقتدار بڑھ گیا تھا، اس کے اختیارات میں اضافہ ہو گیا تھا، اس کی توقیر میں چار چاند لگ گئے تھے، اس کی ساکھ میں اضافہ ہو گیا تھا، دربار خلافت کی خاموشی نے اس کے دل میں جو اندیشہ ہائے دور و دراز پیدا کر دئے تھے، وہ ختم ہو گئے تھے، اب پھر سرافرازی اور کامگاری کا ایک وسیع میدان اس کے سامنے تھا!——

وہ مسرور تھا، بے انتہا مسرور!

حجاج پھر اپنی مسند پر بیٹھ گیا، رباح اس کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا، حجاج نے، عبد المتعال کی طرف دیکھ کر بلند آواز سے کہا،

"تخلیہ!"

یہ سنتے ہی سب لوگ اس طرح تیزی سے باہر ہو گئے جیسے کابک سے کبوتر نکلتے ہیں، عبد المتعال سب کے ساتھ باہر گیا، جب اس نے اطمینان کر لیا کوئی آس پاس نہیں ہے، تو پھر وہ اندر آیا، اور حجاج کی نشست کے عین سامنے دو زانو ہو کر مؤدب بیٹھ گیا، حجاج نے پوچھا،

حجاج:۔"سب لوگ چلے گئے؟"

عبد المتعال:۔"چلے گئے،—— کوئی شخص بھی ہماری گفتگو نہیں سُن سکتا!"

اب حجاج رباح کی طرف مخاطب ہوا،

حجاج:۔"کہیئے دمشق کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے آپ؟"

رباح:۔" جس حالت میں آپ چھوڑ آئے تھے، ——— وہی لیل ونہار ہیں، وہی لوگ ہیں، وہی حکومت ہے، وہی اس کے عمال وامراء ہیں، وہی نظام ہے، وہی زندگی ہے، (مسکرا کر) وہی خلیفہ ہے، اور وہی اس کا امیر (حجاج) ہے، جب یہ سب کچھ ہے تو اور کیا چاہیئے؟"

حجاج:۔ "ٹھیک ہے، ——— اور صاعقہ کا کیا حال ہے؟"

رباح:۔" کیا یہ نامہ سُن لینے کے بعد بھی اس کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے؟"

حجاج:۔ (ہنسکر" میرا مطلب یہ ہے اس کی صحت کیسی ہے؟ میں جب آیا تھا، وہ کچھ بیار تھی!"

رباح:۔" بیار کچھ نہیں تھی، صرف آپ کی جدائی کا غم تھا!"

حجاج:۔ (زیرلب تبسم کے ساتھ)" اچھا یہ بات تھی، ——— لیکن ہم سے تو اب بھی دور ہے، اب اس کی صحت کا کیا حال ہے ———؟"

رباح:۔" وہ بیار ہو یا تندرست، اپنے فرض سے غافل نہیں رہتی، ماننا پڑے گا وہ دل سے محبت کرتی ہے آپ سے!"

حجاج:۔" میرا بھی یہی خیال ہے، ——— وہ ضرورت سے زیادہ سادہ لوح ہے"

رباح:۔" یہ انعام ہے اس کی محبت کا؟"

حجاج:۔" نہیں، ——— یہ تو کوئی انعام نہیں، محض بیان واقعہ ہے، باقی رہا انعام سو وہ تو ہمیشہ اسے دیتا رہا ہوں، اور دیتا رہوں گا!"

رباح:۔" لیکن محبت انعام کے سوا کچھ اور بھی چاہتی ہے، ——— اس کا کیا ہوگا؟"

حجاج :۔" محبت انعام کے سوا اور کیا چاہتی ہے، میں نہیں جانتا، نہ جاننا چاہتا ہوں!"

رباح :۔" یہ تو ظلم ہے!"

حجاج :۔" مجھے ایک دُنیا ظالم کہتی ہے، پھر اگر صاعقہ بھی ظالم سمجھنے لگی، تو تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو گا!"

حجاج ہنسنے لگا!

رباح :۔" لیکن وہ تو نہ جانے کیا کیا امیدیں لئے بیٹھی ہے ——— !"

حجاج :۔" امیدیں؟ ——— کیا چاہتی ہے وہ؟"

رباح :۔" بہت کچھ چاہتی ہے، اور میرا خیال ہے کہ جو کچھ چاہتی ہے، وہ آپ کو معلوم ہے!"

حجاج :۔" اگر معلوم بھی ہے تو یاد نہیں، ——— فرمائیے!"

رباح :۔" کیا وہ یہ نہیں چاہتی کہ آپ کی بیوی بن کر رہے!"

حجاج :۔" ضرور چاہتی ہوگی، لیکن میں نہیں چاہتا!"

رباح :۔" کیا میں پوچھ سکتا ہوں کیوں؟"

حجاج :۔" اس لئے کہ فی الحال مجھے کسی نئی بیوی کی ضرورت نہیں ہے۔"

رباح :۔" سوال ضرورت کا نہیں، اہمیت کا ہے، جب وہ آپ سے محبت کرتی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ آپ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی نہ بن جائیں!"

حجاج :۔" میرے بھائی، حجاج کسی سے محبت نہیں کرتا!"

رباح :۔" صاعقہ سے بھی نہیں ؟"

حجاج :۔" قطعاً نہیں، زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اس سے نفرت نہیں کرتا !"

رباح :۔" واقعی، صاعقہ حد سے زیادہ سادہ لوح ہے، حد ہوگئی حماقت کی، وہ تو امیدوں کی ایک دُنیا بسائے بیٹھی ہے، اس کا خیال ہے کہ آپ حجاز فتح کر کے واپس آئے، اور وہ آپ کی شریک زندگی بنی۔"

حجاج :۔" آخر کس بنیاد پر امیدوں کے یہ قلعے تیار ہوئے ہیں ؟"

رباح :۔ یہ تو میں نہیں جانتا، باقی میری معلومات تو یہی ہیں !"

حجاج :۔" غلط ہیں، ——— ایک بات رباح بھی جانتا ہے، صاعقہ بھی جانتی ہے، اور ہر شخص جانتا ہے، کہ حجاج کو اگر کسی سے اس دُنیا میں محبّت ہے تو صرف اپنے مقصد سے !"

رباح :۔" اور وہ مقصد کیا ہے ؟ ——— یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔"

حجاج :۔" وہ مقصد بھی ساری دُنیا جانتی ہے، ——— وہ ہے، خلیفہ کے دشمنوں کا استیصال، حدود خلافت میں امکانی حد تک اضافہ، اور اس مقصد کے حصول کے لئے حجاج، صاعقہ سے بھی اظہار التفات کر سکتا ہے، اور شیطان سے بھی !"

رباح :۔" (ہنس کر) ہاں بھائی میں اگر نہ جانوں گا تو کون جانے گا، ٹھیک کہتے ہو، ——— بہرحال، تم جانو، اور غریب صاعقہ جانے، ہم بیچ میں بولنے والے کون ؟ ——— اچھا تو پھر عبد اللہ کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے ؟"

حجاج :۔ "ہاں ، عبداللہ ـــــــــــ میں اسے جانتا ہوں ، خوب اچھی طرح جانتا ہوں ، اسے اس پاگل پن کی سزا ملے گی ، کہاں ہے وہ ؟"

رباح :۔ " میرے خیمہ میں استراحت کر رہا ہے ، ـــــــــــ کسی سے کہئے ، پکڑ لائے !"

حجاج نے تالی بجائی ، عبدالمتعال فوراً حاضر ہوا ، حجاج نے کہا ،

" جاؤ ، رباح کے خیمہ سے عبداللہ کو بلا لاؤ !"

---

(۳۷)

یہ کون تھا ؟

حکم کی دیر تھی، کہ عبداللہ ہتکڑی، اور بیڑی میں جکڑا ہوا حجاج کے سامنے حاضر کر دیا گیا، حجاج بڑی تمکنت کے ساتھ اپنی مسند پر بیٹھا تھا، اس کے پہلو میں رباح متمکن تھا، سامنے حکم کا منتظر عبدالمتعال کھڑا تھا، کچھ اور حوالی موالی بھی موجود تھے !

کچھ دیر تک سنّاٹا ساچھایا رہا، پھر حجاج نے قفل سکوت توڑا۔

حجاج :۔"کیوں عبداللہ اب تمہارا مزاج کیسا ہے ؟"

عبداللہ :۔" ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں !"

حجاج :۔" نہیں تم شکر گزار بندے نہیں ہو، محسن کش ہو، غدّار ہو، کینہ پرور ہو!"

عبداللہ :۔" خدا جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کرتا ہے، اسی لئے میں جھوٹ نہیں بولتا، اور اے حجاج تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو بھی جھوٹ بول کر اپنے دامن معصیت کو اور زیادہ داغدار نہ کر۔"

رباح :۔" عبداللہ، تم اسے نہ بھولو کہ کس کے سامنے کھڑے ہو ؟ کس سے باتیں کر رہے ہو ؟"

عبداللہ :۔" میں حجاج کے سامنے کھڑا ہوں، جو خدا کی اتنی ہی حقیر اور ناچیز مخلوق ہے

جتنی چیونٹی، جتنا مچھر!"

رباح:- "ہاں، لیکن اپنی حقیر اور ناچیز مخلوق حجاج کو خدا نے اتنا اختیار دیا ہے کہ وہ جس کا سر چاہے قلم کردے، جس کی زبان چاہے کاٹ لے، جس سے برہم ہو، اس کا رشتۂ حیات منقطع کردے، لہٰذا ایسی ہستی کے سامنے تمہیں زبان سنبھال کر گفتگو کرنی چاہئے، ورنہ اپنے عبرت انگیز انجام کے ذمہ دار تم خود ہوگے!"

عبداللہ:- "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ حجاج کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اسے گناہوں کی تلافی کا موقع دے، اسے صالح اور پاکباز انسان بنادے!"

حجاج:- "تم نے مجھے دمشق واپس بلانا چاہا تھا، لیکن انقلاب زمانہ دیکھو بجائے اس کے کہ وہاں جاتا تم وہاں سے میرے حضور میں پہنچا دیے گئے، اور اب صرف میرے رحم و کرم پر ہو!"

عبداللہ:- "اے حجاج خدا سے ڈر، اور خدا کی مشیت اور قدرت کے سامنے تو بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا میں، ہاں میں اپنی مرضی کے بغیر تیرے پاس پہنچا دیا گیا لیکن یاد رکھ، ایک دن تو بھی اپنی مرضی کے بغیر خدا کے حضور میں پہنچے گا، ہاں میں یہ بھی مانتا ہوں کہ تجھے اقتدار، اور اختیار حاصل ہے، اور تو جب چاہے میرا سر قلم کرسکتا ہے، لیکن اسے نہ بھول کہ میں تیرا دامن پکڑ کر رب العالمین سے مرافعہ کرسکتا ہوں، اور کروں گا، لیکن جب تیری قسمت پر قیامت کے دن مہر لگے گی تو تجھے بچانے والا کوئی نہ ہوگا!"

حجاج:- "میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع

کردو، اور میں خاموشی سے سنتا رہوں، اس لئے بلایا تھا کہ تمہارا جرم تمہارے منہ پر دے ماروں، تمہیں سزا دوں، ایسی سزا جس سے دوسرے عبرت پکڑیں!"

عبداللہ:۔" میں موجود ہوں، تیرا جو جی چاہے کر!"

حجاج:۔" کوئی تمنا؟"

عبداللہ:۔" صرف ایک، ——— یہ کہ بندگانِ خدا پر ظلم کرنا چھوڑ دے، لوگوں کے حقوق نہ مار، بے گناہوں کو تعزیر کے پنجہ میں نہ جکڑ!"

حجاج:۔" پھر تم نے بہکی بہکی باتیں شروع کر دیں، میں یہ کچھ سُننا نہیں چاہتا۔

عبداللہ:۔" اور افسوس کہ میں اس کے سوا نہ کچھ کہہ سکتا ہوں!"

رباح:۔" ابھی وقت ہے، ——— اے شخص اگر چاہے تو اپنی جان بچالے۔"

عبداللہ:۔" میں اتنا بے وقوف نہیں کہ چند دن کی زندگی کی خاطر ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی کو غارت کر لوں!"

حجاج:۔" علی ابن ابی طالب کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

عبداللہ:۔" وہ خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے تھے، رسول اکرمؐ کے برادر قوتِ بازو تھے، دلیر، اور شجاع تھے، بڑے بڑے فرعونوں کے قاتل اور سرکوب تھے!"

رباح:۔" سوال یہ کیا جارہا ہے کہ علی راہ راست پر تھے یا امیر معاویہ؟"

عبداللہ:۔" اس کا جواب خود معاویہ کا ایک ہم نام دے چکا ہے، پھر مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟"

حجاج:۔" اے شخص تو کیا کہنا چاہتا ہے، ؟——— کون معاویہ؟"

عبداللہ:۔" معاویہ کا پوتا، معاویہ بن یزید، ——— وہ اگر معاویہ کو

برسرِ حق سمجھتا ہوتا تو ضرور اس کے تخت حکومت پر بیٹھتا، لیکن اس نے اپنی عاقبت سنوار لی، اور تخت حکومت کو ٹھکرا دیا، کیا اس کے بعد بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

حجاج:- (برہمی کے ساتھ) "ہوں ——— !"

رباح:- "پھر تو حسینؑ کو بھی اچھا سمجھتا ہوگا؟"

عبداللہ:- رسول اکرمؐ نے اپنی زبان مبارک سے جسے نوجوانان جنت کا سردار کہا ہو، اسے کون صاحبِ ایمان بُرا کہہ سکتا ہے؟"

رباح:- "گویا تمہارا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حسینؑ کو برا سمجھتا ہے وہ صاحبِ ایمان نہیں ——— کیوں؟"

عبداللہ:- "کھلی ہوئی بات ہے!"

رباح:- "اچھا امیرالمومنین یزید کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تم حسینؑ اور یزید میں کسے ترجیح دیتے ہو؟ کسے بہتر اور برتر سمجھتے ہو؟ کس سے عقیدت اور محبت رکھتے ہو؟"

عبداللہ:- "جو خدا اور رسول سے راضی تھا، اور خدا اور رسول جس سے راضی تھے۔"

رباح:- "مبہم گفتگو نہ کرو، صاف الفاظ میں اپنا عندیہ ظاہر کرو۔"

عبداللہ:- "جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکا، اب نہ ایک لفظ کم کروں گا، نہ زیادہ۔"

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

رباح:- "پھر تو تمہیں ابن زبیر کا عقیدت مند ہونا ہی چاہیے!"

عبداللہ:- "اور اپنی اس عقیدت پر فخر کرتا ہوں!"

حجاج :۔" صرف اس وقت تک جب تک تلوار سامنے نہیں آتی !"

عبداللہ:۔" تو اپنا یہ شوق بھی پورا کرلے، تیرے پہلو میں تلوار چمک رہی ہے اسے میان سے نکال، اپنا حوصلہ اور میری ہمّت آزمالے !"

حجاج:۔" خدائے قدوس کی قسم، آج تک کسی دریدہ دہن کی باتیں اتنی دیر تک میں نے نہیں سُنیں، ــــــ اب حد ہوچکی، تجھے خاموش ہوجانا چاہئے، بعض سے توبہ کر، امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کی اطاعت ـــــ غیر مشروط اطاعت کا حلف لے، ــــــ پھر شاید میں تیری جاں بخشی کے مسئلہ پر غور کرسکوں، ورنہ اپنی طرف سے تو اپنا خون ہی حل کرچکا، اب ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی !"

عبداللہ :۔" ہاں ـــــ ایک زمانہ تھا کہ میں بھی تیری طرح آنکھ بند کرکے بالکل غیر مشروط طور پر عبدالملک بن مروان کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالے ہوئے تھا، اور اس پر فخر بھی کرتا تھا، لیکن اب میری آنکھیں کھل چکی ہیں !"

رباح :۔" کس طرح ؟ ـــــ ؟"

عبداللہ :۔ پہلے میں نے عبدالملک کے لئے خدا کو فراموش کردیا تھا، اب خدا کے لئے عبدالملک سے ناتہ توڑ لیا ہے !"

رباح :۔ (تمسخر انگیز لہجہ میں) "بھئی یہ تو بڑا غضب ہوا، تم امیرالمومنین کا ساتھ چھوڑ دوگے تو دُنیا ان کی نگاہ میں تاریک ہوجائے گی، وہ کہیں کے نہ رہیں گے، خدا کے لئے امیرالمومنین پر رحم کرو۔"

عبداللہ:۔" جتنا چاہو، مذاق اُڑالو، لیکن میں اپنی رائے پر قائم ہوں !"

رباح :۔" کتنی دیر کے لئے ؟"

عبداللہ:۔" زندگی بھر کے لئے۔"

رباح:۔" اور یہ زندگی اب مہمان کتنی دیر کی ہے؟ ——— جلاد آیا، اور یہ ختم ہوئی ——— !"

عبداللہ:۔" کوئی مضائقہ نہیں!"

حجاج:۔" عبدالمتعال، جلاد کو اذن باریابی دو!"

یہ حکم سنکر عبدالمتعال خیمہ سے باہر چلا گیا، تھوڑی دیر میں واپس آیا، آگے آگے وہ، پیچھے پیچھے ایک جلاد، جس کے ہاتھ میں تیغہ چمک رہا تھا!

رباح:" اب بھی وقت ہے، عبداللہ!"

عبداللہ:۔" ہاں صرف اس کا کہ خدا سے عزم و استقامت کی دعا کروں! ——— اس سے التجا کروں کہ خاتمہ بخیر کرے!"

رباح:۔" (مسکراتے ہوئے) ہاں ہاں ضرور، ضرور!"

حجاج:۔" قتل ہونے سے پہلے اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کر۔"

عبداللہ:۔" صرف دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہتا ہوں!"

رباح:۔" نماز؟ ——— یہ نماز کا کون سا وقت ہے؟"

عبداللہ:۔" نفل کے لئے کسی وقت کی قید نہیں!"

رباح:۔" لیکن نفل کا بھی اس وقت کون سا موقع ہے!؟"

عبداللہ:۔" کیا اُس خدا کا شکر نہ ادا کروں، جس نے مجھے مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے کی سعادت مرحمت فرمائی، جس نے مجھے یہ ہمت دی کہ اس کے لئے اپنی جان قربان کرسکوں، ——— یہ میرا فرض ہے کہ مرنے سے پہلے اس کا شکر ادا کردوں،

اور قبل اس کے جلاّد کا تیغہ میری گردن پر پڑے میں اپنے رب سے پکار کر کہہ دوں،

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

حجاج :۔" نہیں، تجھے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی،

تو خدا کو بھی دھوکا دینا چاہتا ہے، ——— جو شخص اپنے ولی نعمت کا شکر گزار

نہ بن سکا، وہ خالق السماوات والارض کا شکر کس منہ سے ادا کرے گا،

نہیں، تجھے اسی طرح مرنا پڑے گا، تیری گردن اسی طرح کاٹی جائے گی، تجھے نہ

وضو کی اجازت دی جا سکتی ہے، نہ نماز کی !"

عبد اللہ :۔" خدا میری مجبوری دیکھ رہا ہے، ——— اگر تو نماز کی اجازت

نہیں دیتا نہ دے، مجھے امید ہے کہ میری نماز خدا نے قبول فرمالی !"

حجاج :۔" تو جھوٹا ہے، بغیر نماز پڑھے اس کا ثواب کیسے لے سکتا ہے ؟"

عبد اللہ :۔" میں قبلہ رو کھڑا ہوں، اور دل ہی دل میں خدا کو مخاطب کر رہا

ہوں، یہی میری نماز ہے"

حجاج :۔" عبد المتعال ——— اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھیر دو !"

عبد المتعال آگے بڑھا، اس نے عبد اللہ کا رُخ قبلہ کی طرف سے ہٹا دیا،

اور پھر آکر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا !

عبد اللہ :۔" کوئی مضائقہ نہیں، ——— !"

حجاج :۔" کیا مطلب ؟ ——— کیا کہنا چاہتا ہے تو ؟"

عبد اللہ :۔" یہ کہ خدا سمت اور جہت کا پابند نہیں، اس کا جلوہ ہر جگہ دیکھا

جاسکتا ہے، ہرطرف دیکھا جاسکتا ہے، وہ خود ہی فرماتا ہے، انی اینما تولّوا فثم وجہ اللہ

رباح :۔" عبداللہ ——— توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے ———؟"

عبداللہ :۔" جانتا ہوں، اسی لئے تم سے اور حجاج سے باصرار کہتا ہوں کہ اس قیمتی وقت کو ضائع نہ کرو، توبہ کرلو!"

حجاج :۔" رباح، اس شخص سے باتیں کرکے تم اپنی توہین بھی کر رہے ہو، اور میری بھی!"

رباح :۔" کیا کروں، رہ رہ کے خیال آتا ہے، یہ کمبخت ہمارا دوست تھا، ہمارا ساتھی تھا، ہمارے ساتھ زندگی کے نعائم میں حصہ لیتا تھا، گہرا دوست، اور سچّا سپاہی تھا، لیکن نہ جانے کمبخت کو کیا ہو گیا ہے کہ اب بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے، اسکی موت کے خیال سے دل کو صدمہ ہوتا ہے۔"

حجاج :۔" تو تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس لئے کہ موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا!"

رباح :۔" نہیں میں یہیں بیٹھوں گا!"

حجاج :۔" تمہیں اختیار ہے"۔

عبداللہ :۔" میرے دوست رباح، میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ میرے لئے اپنا جی کُڑھا رہے ہو، یقین کرو، میری بھی یہی کیفیت ہے!"

رباح :۔" یعنی تم بھی میرے لئے کُڑھ رہے ہو؟"

عبداللہ :۔" ہاں، ——— بہت زیادہ!"

رباح :۔" لیکن کیوں؟ ——— میرا دماغ تو تمہاری طرح نہیں خراب ہے۔"

عبداللہ :۔ "کاش خراب ہوتا !"

رباح :۔ "یہ کس لئے بھائی ؟"

عبداللہ :۔ "پھر تم مرفوع القلم ہوتے، تمہاری ہر لغزش خدا کے ہاں درگزر کردی جاتی، اس لئے کہ پاگلوں، اور مجنونوں سے خدا باز پرس نہیں کرتا !——— افسوس تو یہی ہے، کہ ہوش و حواس بجا ہیں پھر بھی پاگلوں سے بدتر حرکتیں کر رہے ہو۔"

حجاج :۔ (برہم ہو کر) "اے شخص تو چپ کیوں نہیں رہتا ؟"

عبداللہ :۔ "چاہتا ہوں، کہ خاموش رہوں، لیکن نہیں رہا جاتا، دوستی مجبور کرتی ہے کہ بولوں، کہوں، دل کھول کر سامنے رکھ دوں، لیکن آہ !——— اپنا دل تمہارے سینہ میں کس طرح ڈال دوں ؟ کہ تم سمجھ لو، آج کے ساتھی، اور رفیق دوست، اور ہمدرد، آقا، اور حاکم، کل کام نہ آئیں گے، نہ صرف کام ہی نہیں آسکیں گے، بلکہ تمہاری ہی طرح بے بس بھی ہوں گے !"

حجاج :۔ (جلاد سے مخاطب ہو کر) "تو کھڑا کیا سوچ رہا ہے ؟——— اپنا فریضہ کیوں انجام نہیں دیتا ؟——— کیا اس کا منتظر ہے کہ تیرے لئے کوئی دوسرا جلاد بلایا جائے ؟——— آگے بڑھ اور اپنا کام کر !"

حجاج کے الفاظ سنکر جلاد سہم گیا، وہ عبداللہ کے پاس ہی تو کھڑا تھا، اس نے عبداللہ کی گردن پر خط کھینچا تاکہ اسی نشان پر تلوار پڑے، اور ایک ہی وار میں جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو جائے، خط کھینچنے کے بعد رسمی طور پر اس نے پھر حجاج سے اجازت لی،

جلاد :۔ "یا امیر!——— میری تلوار اٹھتی ہے، میرا کام مارنا ہے، جلانا نہیں،

——— حکم دیجئے، تاکہ ایک ہی وار میں مجرم کی گردن اُڑا دوں !"

حجاج :۔" ہاں ہم جانتے ہیں تو کسی کو جِلا نہیں سکتا۔ لیکن ہم اسی کے قتل کا حکم دیتے ہیں، جو زندہ رہنے کا حق اپنی حماقتوں سے کھو چکا ہے، ——— اجازت ہے تو مجرم کی گردن اُڑا دے !"

یہ سُنتے ہی جلاّد کا تیغہ فضا میں بلند ہوا، لیکن دفعتہً نہ جانے کہاں سے ایک تیر سَنسَناتا ہوا آیا، اور جلاّد کے سینہ میں پیوست ہو گیا، تیغہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

یہ اتنا اچانک حادثہ کچھ ایسے عجیب طور پر رونما ہوا کہ سب پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی، خود حجاج دم بخود تھا، عبدالمتعال بجلی کی سی تیزی سے باہر نکلا، اس نے دستک دے کر بہت سے سپاہیوں کو اپنے اردگرد جمع کر لیا، پھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ان کی ڈیوٹی متعین کر دی، حجاج کا خیمہ مکمل طور پر محاصرہ میں تھا، پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا، وہ بار بار یہ سوچ رہا تھا، اگر یہ تیر جلاّد کے بجائے، حجاج کی پیٹھ پر پڑا ہوتا تو کیا ہوتا ؟

انتظامات سے فارغ ہو کر وہ پھر اندر پہنچا، رباح نے پوچھا،

رباح :۔" یہ کیا ہوا عبدالمتعال ——— ؟"

عبدالمتعال :۔" کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ہمارے لشکر میں ایسا کون آدمی ہو سکتا ہے، جو اتنی بڑی جرأت کر گزرے ——— ؟"

حجاج :۔" بہرحال وہ کوئی بھی ہو، اس کا مقصد اس وقت ہماری جان نہیں قاتل کی جان تھی، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، اس نے کچھ دیر کے لئے عبداللہ کو بچا لیا

——— کیوں رباح، تمہارے ساتھ جو لوگ آئے ہیں، ان میں کوئی مشکوک آدمی تو نہیں؟"

رباح:۔ "ہرگز نہیں، یہ سب پرانے اور آزمودہ کار لوگ ہیں، ان پر مجھے اتنا ہی بھروسہ ہے، جتنا خود اپنی ذات پر!"

حجاج:۔ "پھر کون ہو سکتا ہے یہ؟"

رباح:۔ "سوچنے کی بات ہے، آج اس شخص نے جس دلیری سے جلاد کی جان لی ہے، کل اسی طرح، وہ امیر کو بھی نشانہ بنا سکتا ہے، پھر کیا ہوگا؟"

حجاج:۔ (عبدالمتعال سے) "اس کا سراغ لگنا چاہئے، ——— ہماری حفاظت اور لشکر کی نگرانی تمہارے سپرد ہے، یہ تمہارا کام ہے کہ مجرم کا پتہ لگاؤ، معلوم کرو، وہ کون شخص ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس کے ساتھ ہے؟ رباح کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں، وہ اگرچہ غیر مشکوک ہیں، لیکن ان کی بھی اچھی طرح جانچ پڑتال کرو،"

رباح:۔ "ہاں ہاں، شوق سے، ——— میں منع نہیں کرتا، ——— امیر حجاج کی جان، ہم میں سے ہر ایک کے مقابلہ میں کئی گنا گراں مایہ اور قیمتی ہے!"

عبدالمتعال:۔ "اس فرض کو میں جلد از جلد انجام دینے کی کوشش کروں گا!"

حجاج:۔ (گرج کر) "ہم تین دن کی مہلت دیتے ہیں!"

عبدالمتعال:۔ (سہم کر) "تین دن؟ ———؟"

حجاج:۔ "وہ بھی تمہاری رعایت سے ورنہ ہمارا پہلا اقدام یہ ہوتا کہ تمہیں ابھی قتل کر دیتے، اور کسی اور کو اس کام پر مامور کرتے، تمہیں تین دن دئے جاتے ہیں، اس مدت میں مجرم کا سراغ لگالو، اگر سراغ لگ گیا تو اپنی جگہ پر تم بحال رہوگے، نہ ملا، تو

تمہارا بھی وہی حشر ہو گا، جو ابھی تمہارے سامنے جلّاد کا ہو چکا ہے، ـــــــ جاؤ!"

عبد المتعال، حجاج کے خیمہ سے باہر نکلا، اور آہستہ آہستہ اپنے خیمہ کی طرف بڑھا، ـــــــ اس کے پاؤں لرز رہے تھے، دل دھڑک رہا تھا!

(۳۸)

خیمہ کے اندر

عبدالمتعال اپنے خیمہ میں واپس چلا گیا، جلاّد کی لاش ٹھکانے لگادی گئی ،

عبداللہ پھر اسیر زنداں کردیا گیا، حجاج ، اور عبدالملک بن مروان کا نامہ بر رباح پاس پاس بیٹھے رہ گئے، دونوں پہلو سے پہلو ملائے بیٹھے تھے، لیکن خاموش تھے، ایک کی دوسرے سے بات کرنے کی ہمّت نہیں پڑ رہی تھی، یہاں یہ سکوت کا عالم تھا، اور باہر پہرے دار حجاج کے خیمہ کو محاصرہ میں لئے ہوئے عقاب کی نظروں سے آئندورند کو دیکھ رہے تھے، لشکر کی سرحد پر پہلے بھی کڑی دیکھ بھال کی جاتی تھی ، لیکن اب تو جان پہچان کے لوگوں کا بھی ادھر سے گزرنا، اور سرحد پار کرنا مشکل ہو گیا تھا!

بڑی دیر تک خیمہ کے اندر سنّاٹا چھایا رہا، پھر رباح قفل سکوت توڑا، اس نے کہا،

رباح :۔ "رہ رہ کر دل میں یہ خیال آرہا ہے، کہ وہ کون شخص تھا جس نے اتنی بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ جلاّد کو آناً فاناً ختم کردیا !"

حجاج :۔ "کوئی بھی ہو، اس کی ہمّت اور دلیری کا اعتراف کرنا چاہئے ۔"

رباح :۔ "یہ تو ہے ——— ہر شخص کا یہ کام نہیں ۔"

حجاج :۔" کاش یہ شخص ہم میں سے ہوتا ! ——— ہمارا کوئی آدمی ہوتا ، میں اسکی

قدر کرتا، اسے سر بلند کرتا، اسے ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا کر دم لیتا۔"

رباح :۔" لیکن اب تو اس کی قسمت میں موت لکھی ہے، ——— حجاج بہادر دوست کی قدر کرتا ہے، لیکن بہادر دشمن کو زندہ نہیں چھوڑتا ———!"

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا، حجاج نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

حجاج :۔"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔"

رباح :۔" امید تو ہے عبدالمتعال پتہ چلا لے گا!"

حجاج :۔ (پہلو بدل کر)" ہاں، ——— اگر زندہ رہنا چاہتا ہے، تو چلانا ہی پڑیگا۔"

اور جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، عبدالمتعال، سلیمان کے خیمہ میں حیران و پریشان مضطر اور دل گرفتہ بیٹھا ہوا تھا، سلیمان کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی، افسردگی اور دل گرفتگی کو وہ اپنا حق سمجھتا تھا، آج اس کا میزبان بھی شریک الم بن گیا، یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں ہنسا، واقعی یہ مسرت اور غم، کامیابی اور ناکامی، عروج اور زوال آنی جانی چیزیں ہیں۔

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں!

پھر وہ اپنی اس کیفیت پر غلبہ نہ حاصل کر سکا، اس نے کہا،

سلیمان :۔" میرے دوست کیا بات ہے، آج تم بہت مضمحل اور افسردہ نظر آرہے ہو؟"

عبدالمتعال :۔" (سر کھجاتے ہوئے) نہیں کوئی خاص بات نہیں، یونہی بعض دفعہ طبیعت سست ہو جاتی ہے۔"

سلیمان :۔" میں نہیں مانوں گا، ضرور کوئی خاص بات ہے!"

عبدالمتعال :۔" اگر ہے بھی تو تم میرے کام تو نہیں آسکتے ——— پھر سن کر

کیا کروگے؟"

سلیمان:- "ہاں کام تو نہیں آسکتا، لیکن مشورہ تو دے سکتا ہوں!"

عبدالمتغال:- "تمہارے مشورہ پر بھروسہ کرنا بھی مشکل ہے!"

سلیمان:- "کیوں؟ ——— کیا اس لئے کہ تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو؟"

عبدالمتغال:- "دشمن نہیں سمجھتا تو دوست بھی نہیں سمجھتا۔"

سلیمان:- "ہاں تمہارا ضمیر مجرم ہے، تم محسوس کرتے ہوگے، کہ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، دوست بن کر ساتھ لائے، پھر نظر بند اور پابند کر دیا، تمہارا خیال ہوگا، اگر موقعہ مل گیا تو میں بھی تمہارے ساتھ کسر اُٹھا نہ رکھوں گا ——— ہے نا یہی بات؟"

عبدالمتغال:- "ہاں، ——— تم سچ کہتے ہو!"

سلیمان:- "لیکن میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہے ہو!"

عبدالمتغال:- "پھر کون ہو ———؟"

سلیمان:- "ایک مسلمان ——— اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ دشمن کو بھی معاف کردے، کسی سے بُرا برتاؤ نہ کرے، کسی کے ساتھ بدعہدی نہ کرے، اور جس کام آسکے، آئے! ——— تمہیں افسردہ اور مضمحل دیکھ کر واقعی مجھے افسوس ہورہا ہے، میں چاہتا ہوں، تمہاری یہ کیفیت دُور ہو جائے۔

عبدالمتغال:- "شکریہ ——— لیکن میں تمہیں اپنا شریک فکر نہیں بنا سکتا!"

سلیمان:- "پھر میں اصرار بھی نہیں کرتا، اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو!"

سلیمان خاموش ہوگیا، ——— !

عبدالمتغال بھی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر اٹھا، اور جاتے جاتے کہنے لگا،

عبد المتعال:۔ "میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔"

سلیمان نے کوئی جواب نہیں دیا!

عبد المتعال:۔ "میں نے جو کچھ کہا، وہ سُن لیا تم نے؟"

سلیمان:۔ "ہاں سُن لیا!"

عبد المتعال:۔ "مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

سلیمان:۔ "تمہاری بات کا جواب ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

عبد المتعال:۔ "کیوں؟ ــــــ کیا فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

سلیمان:۔ "اگر موقع مل گیا تو اسے ضائع تو نہیں ہونے دوں گا، ــــــ اپنے انتظامات اور زیادہ مستحکم کر لو، میری جگہ اگر تم ہوتے تو شاید تمہارا جواب بھی یہی ہوتا، میں جھوٹ بول کر تمہیں دھوکا دینا نہیں چاہتا،"

عبد المتعال:۔ "تمہاری اس صاف گوئی کی میرے دل میں قدر ہے، میں بھی صاف گوئی سے کام لے کر کہدینا چاہتا ہوں، کہ میرے انتظامات دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک خفیہ ایک علانیہ، اور یہ دونوں انتظامات بہ ہمہ وجوہ مکمل ہیں، یہ بتا اس لئے رہا ہوں، کہ اگر تم نے ایسی کوشش کی، تو میرے پہرے دار پھر تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے، اور میں اگرچہ تم پر سختی کر رہا ہوں، لیکن حتیٰ الامکان تمہاری جان لینا نہیں چاہتا!"

جواب کا انتظار کئے بغیر عبد المتعال چلا گیا۔

سلیمان حسب معمول عبد المتعال کو خیمہ کے دروازے تک پہنچانے گیا، رات کا وقت تھا، چاندنی کھلی ہوئی تھی، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، عبد المتعال کو رخصت کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک اپنی جگہ پر کھڑا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ عبد المتعال

اپنے چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا، وہ سپاہیوں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا، لیکن اتنے فاصلہ سے سلیمان اس کے الفاظ نہ سمجھ سکا، کچھ دیر تک کانا پھوسی کرنے کے بعد، عبدالمتعال اور اس کے سپاہی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے! ——— کچھ دیر تک سلیمان سوچتا رہا، اتنے ناوقت یہ لوگ کہاں گئے ہیں؛ کیوں گئے ہیں؟ لیکن دماغ اس سوال کا جواب نہ دے سکا، صرف اتنا سمجھ میں آیا، ضرور کوئی خاص بات ہے، اور اس خاص بات کا تعلق آج شب کی افسردگی اور اضمحلال سے ضرور ہے!

(۳۹)

پھر عثمان

سلیمان، آکر اپنے بستر پر لیٹ گیا، اور سوچنے لگا، آخر وہ کیا بات ہو سکتی ہے جو عبدالمتعال جیسے بے فکرے، اور با اختیار شخص کو ملول اور افسردہ کر سکتی ہے، اس فکر میں نیند بھی غائب ہو گئی لاکھ لاکھ اس نے سونے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہو سکا، جی چاہا، خیمہ سے نکل کر باہر کھلی ہوا میں ٹہلے، لیکن آج ہی رات کو جو گفتگو اس کی عبدالمتعال سے ہو چکی تھی، اس کی روشنی میں یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ خیمہ سے باہر جائے، اس کے دل میں خیال آیا، میرے اس ناوقت کے باہر نکلنے کا مطلب اگر فرار لیا گیا تو مفت میں ایک نئی مصیبت سے سامنا پڑیگا چنانچہ بستر پر پڑا ہوا کروٹیں بدلتا رہا،

آدھی سے زیادہ رات بیت گئی! ——— ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، فرنٹ طلایہ کے سپاہی کبھی کبھی گشت کرتے ہوئے اِدھر سے گزر رہے تھے، ان کے قدموں کی آہٹ سنکر، سلیمان کو احساس ہوتا تھا کہ صرف اس خیمہ کے اندر ہی اندر آزادی ہے، باہر نکلنے کی کوشش کی، اور یہ معمولی آزادی بھی رخصت ہوئی۔

دفعتہً اس نے محسوس کیا، جیسے کوئی اس کے خیمہ کا چکر کاٹ رہا ہے، پھر اس نے محسوس کیا، کوئی آدمی خیمہ کے دروازے تک آیا، اور ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا، اتنے میں طلایہ

کے سپاہی پھر گشت کرتے ہوئے ادھر سے نکلے، جب تک ان کے قدموں کی آہٹ آتی وہ کیفیت بھی محسوس نہیں ہوئی، لیکن جیسے ہی وہ آہٹ ختم ہوئی سلیمان نے پھر محسوس کیا جیسے چلتے چلتے کوئی شخص خیمہ کے دروازے کے سامنے رک گیا،

سلیمان کو بڑی حیرت ہوئی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے ؟ ——— وہ سوچنے لگا،

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ عبدالمتعال نے چلتے چلتے کسی سپاہی کو ہدایت کردی ہو کہ رات کے سناٹے میں وہ آئے، اور میرا سر قلم کردے !

پھر دل نے خود ہی اس خیال کی تردید کی،

آخر عبدالمتعال کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے ، وہ جب چاہے دن دھاڑے میری گردن قطع کر سکتا ہے، پھر اسے چوری چھپے مجھے قتل کرانے کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے !؟

یہ خیال دل سے نکل گیا ——— !

لیکن پھر کون ہے ؟ ——— اس کا مقصد کیا ہے ؟ یہ کھڑا یہاں کیا کر رہا ہے!؟

آخر ہمت کر کے وہ بستر سے اُٹھا، لیکن دروازے تک جانے کی ہمت نہ پڑی ——— پھر لیٹ گیا۔

اتنے میں دیکھتا کیا ہے کہ خیمہ کا دروازہ خود بخود کھل گیا !

کوئی شخص اندر داخل ہوا، اس نے احتیاط سے خیمہ کا دروازہ بند کر دیا،

اب سلیمان نے محسوس کیا، ایک سایہ سا اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے،

دل زور زور سے دھڑکنے لگا :

یا الہٰی یہ ماجرا کیا ہے ؟

یہ آنے والا کون ہے ؟

دوست، یا دشمن ہے ــــــ حامی یا مخالف ؟

لیکن دشمن کے لشکر میں دوست کہاں سے آسکتا ہے ؟

ضرور یہ کوئی دشمن ہی ہوگا !

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ سایہ بالکل قریب آگیا،

سلیمان اٹھ کھڑا ہوا، اس نے للکارتے ہوئے کہا،

"کون ــــــ ؟"

آنے والے نے کہا،

"چیخئے نہیں !"

یہ آواز مانوس سی معلوم ہوئی، پھر بھی سمجھ میں نہ آیا کون ہو سکتا ہے یہ ؟

آہستہ سے سلیمان نے پوچھا،

"لیکن تم ہو کون ؟"

ہلکی سی آواز آئی،

"عثمان ــــــ !"

بے ساختہ سلیمان کے منہ سے نکلا،

"عثمان ــــــ ؟ ــــــ عثمان ــــــ ؟"

عثمان :- "ہاں عم محترم میں ہوں، میں حاضر ہو گیا آپ کے قدموں میں !"

سلیمان :- "لیکن تم کس طرح یہاں پہنچے ؟"

عثمان :- "یہ نہ پوچھئے، ــــــ پھر کبھی تفصیل سے بتاؤں گا !"

سلیمان :- "کیوں آئے ہو ؟"

عثمان :- " تاکہ آپ کو اس مصیبت سے رہا کر دوں ! "

سلیمان :- " عذرا کیسی ہے ؟ "

عثمان :- " خدا کا شکر ہے، اب بہت اچھی ہیں ! "

سلیمان :- " اور حسان ؟ "

عثمان :- " وہ تجارتی قافلہ کے ساتھ، ایک ملک سے دوسرے ملک میں گھوم رہے ہیں، میرے روانہ ہونے کے وقت تک تو نہیں پہنچے تھے ! "

سلیمان :- لیکن تم مجھے کس طرح رہا کر دگے ؟ "

عثمان :- " میں یہاں آپ کی جگہ لیٹ جاؤں گا، آپ بھیس بدل کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ۔ "

سلیمان :- " تم مجھے اتنا بزدل سمجھتے ہو ؟ "

عثمان :- " اطمینان رکھئے، میرا یہ لوگ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ۔ "

سلیمان :- " مجھے یہ اطمینان نہیں ہو سکتا ! ——— چلوں گا تو تمہارے ساتھ، ورنہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ ! "

عثمان :- " عم محترم سُنئے تو ! "

سلیمان :- " سُن رہا ہوں، اپنی گفتگو جاری رکھو ۔ "

عثمان :- " مجھے ابھی یہاں رہنا ہے ——— ضرورت ہے ! "

سلیمان :- " (متحیر ہو کر) یہاں، حجاج کے لشکر میں تمہیں رہنے کی ضرورت ہے ؟ "

عثمان :- " جی، ——— بڑی سخت اور اہم ضرورت ! "

سلیمان :- " مجھے قائل کرو، تب مانوں گا ! "

عثمان :۔" میں مکّہ پہنچا، ـــــــــ"

سلیمان :۔" (قطع کلام کرتے ہوئے) تم مکّہ سے آرہے ہو ؟ ـــــــــ حضرت ابن زبیر کا مزاج کیسا ہے ؟ ابو حاجب میرا ایک دوست ہے وہاں، اس کی کیا کیفیت ہے ؟ مجاہدین کے عزم و استقامت کا کیا رنگ ہے ؟"

عثمان :۔" آہ ! یہ نہ پوچھئے !"

سلیمان :۔" کیوں ؟ ـــــــــ تمہیں بتانا پڑے گا !"

عثمان :۔" حضرت ابن زبیر جذبۂ شہادت سے سرشار ہیں، میرا خیال ہے مکّہ میں، نہیں خانۂ کعبہ میں، کربلا کی تاریخ دوہرائی جائے گی !"

سلیمان :۔" کمبخت یہ کیا کہتا ہے ؟ ـــــــــ !"

عثمان :۔" عم محترم، میں جھوٹ نہیں کہتا، حضرت ابن زبیر نشۂ شہادت سے سرشار ہیں، لیکن دوسروں کی ہمّت پست ہو چکی ہے۔"

سلیمان :۔" یہ حضرت کے ساتھیوں کا حال ہے ؟"

عثمان :۔" صرف ساتھیوں کا نہیں، حضرت کے عزیزوں، اور صاحبزادوں تک کی یہی کیفیت ہے !"

سلیمان :۔" آہ، یہ میں کیا سُن رہا ہوں ؟"

عثمان :۔" یہ لوگ زندگی پر مٹے جا رہے ہیں، ان سے اب تکلیفیں نہیں برداشت ہو رہیں، ان کا حوصلہ پست ہو گیا ہے، ولولہ سرد پڑ گیا ہے، ہمت جواب دے گئی ہے یہ حجاج سے مرعوب ہو چکے ہیں، اس سے لڑنا نہیں چاہتے، صلح کرنا چاہتے ہیں، اپنے آپ کو، اپنے مال کو، جان کو، زندگی کو، اولاد کو، اس کے پنجۂ غضب سے بچا لینا

چاہتے ہیں، —————خدا ہی جانتا ہے کیا ہونے والا ہے ؟"

یہ کہتے کہتے، عثمان کی آواز بھرّا گئی !

سلیمان :" میرا دل خون ہوا جا رہا ہے ، ————اُف ، مسلمان، اور یہ کمزوری؟"

عثمان :" مجھے موقعہ مل گیا، ابو حاجب نے سب بتا دیا، میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو رہا کراؤں، اور جس طرح بھی ہو سکے، ابو حاجب کی بیوی، اور لڑکی کو یہاں سے نکال لے جاؤں، وہ اپنی بیوی کے غم میں دیوانہ ہوا جا رہا ہے !"

سلیمان :" بیٹے ، میں تو اب یہیں رہوں گا، اب یہیں رہوں گا، اب واپس جا کر کیا کروں ؟ مجھے یہیں رہنے دے ، باقی ابو حاجب کے بال بچوں کو ضرور نکال لے جا، کسی طرح یہاں سے !"

عثمان :۔ نکال کرلے تو جاؤں گا، لیکن دو چار دن کے بعد، ابھی موقعہ نہیں ہے عبد المتعال میری تاک میں ہے، ————اس وقت بھی میری ہی تلاش میں گیا ہوا ہے ————لیکن میں ہاتھ آچکا !"

سلیمان :" تجھے عبد المتعال کیا جانے ؟"

عثمان :" جانتا تو نہیں، پہچانتا بھی نہیں، لیکن ہے میرے ہی تعاقب میں !"

سلیمان :۔" آخر کس طرح ؟"

عثمان نے جلّاد کے قتل، اور اپنی تیر افگنی کا سارا قصّہ سناتے ہوئے کہا،

عثمان :" حجاج نے اسے دھمکی دی ہے، اگر اس نے تیر انداز کا یعنی میرا سراغ نہ لگایا تو وہ بھی قتل کر دیا جائے گا !"

سلیمان :۔" اوہو، اب سمجھ میں آیا اس کی افسردگی کا راز، ————لیکن بیٹے

بڑی ہمّت کی تم نے، لیکن پھر تم مجھے کیسے رہا کرا رہے تھے؟"

عثمان:۔"آپ چلے جائیے، میں آپ کی جگہ لیٹ جاؤں گا، اذان فجر کے وقت اُٹھوں گا، اور ان انجان لوگوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا ہوا نکل جاؤں گا!"

سلیمان:۔"ہاں یہ ہو تو سکتا ہے، لیکن ابھی نہیں، پہلے تو ابو حاجب کے بچوں کی فکر کر، جب وہ لوگ خیریت سے مکّہ پہنچ جائیں، تب پھر میری فکر کرنا!"

عثمان:۔"اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی!"

سلیمان:۔"کوئی مضائقہ نہیں، ——— اب صبح ہوا چاہتی ہے، تو نکل جا!"

عثمان:۔"بہت بہتر، ——— کل پھر میرا انتظار کیجئے گا!"

سلیمان:۔"ضرور کروں گا، لیکن احتیاط سے!"

عثمان:۔"مطمئن رہیئے!"

عثمان خاموشی سے چلا گیا! ——— اس کے جانے کے بعد، سلیمان آرام کی نیند سو گیا، ——— فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔

(۴۰)

سرگزشت

عثمان، عائشہ سے رخصت ہو کر، فکر و تخیّل کی وادیوں کی سیر کرتا مکّہ پہنچا، یہاں آنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ دُنیا بدل چکی ہے، حالات پلٹا کھا چکے ہیں، جب وہ یہاں سے گیا تھا حالات اگرچہ جب بھی کچھ بہت زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھے، کچھ کمزور قلب کے تھے، کچھ بے حوصلہ لوگ تھے، کچھ موقع پرست بھی تھے، لیکن مجاہدین صف شکن، اور صاف باطن کی بھی کمی نہ تھی یہ وہ لوگ تھے، جن کے دلوں میں ولولۂ شہادت موج زن تھا، جن کے سینہ میں شہادت کی آرزو مچل رہی تھی، جن کے سروں میں خدا کے لئے، اور خدا کی راہ میں مر مٹنے کا جذبہ پرورش پا رہا تھا، لیکن اب ——— ؟ اب حالات بالکل بدلے ہوئے نظر آ رہے تھے، حجاج کے بے رحمانہ محاصرے، اور سفاکانہ طرزِ عمل نے لوگوں کی ہمت لوٹ لی تھی، اب ہر شخص کے دل میں صرف یہی ایک سوال بار بار پیدا ہوتا تھا، ——— ہم اس جنگ کو جب سر نہیں کر سکتے، تو صلح کیوں نہیں کر لیتے ؟

لڑائی سے لوگ اب جی چرانے لگے تھے، اور لڑائی سے بچنے کی تدبیریں سوچنے لگے تھے۔

ایک حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ اور ان کے چند رفقا تھے، جو برابر اپنے مسلک پر

ڈٹے ہوئے تھے، ان حضرات کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ ہم جیتیں گے یا ہاریں گے، ان کے پیش نظر صرف ایک بات تھی، یہ کہ خدا کے دین کے لئے ہیں اُن لوگوں سے لڑنا ہے، جن کی زندگی، جن کے اعمال، جن کی سیرت، اسلام کی بنیادی تعلیمات کی مخالف ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو نظرانداز کرتے ہیں، اسوۂ رسول ؐ کی پیروی نہیں کرتے، اندھا دھند ظلم کرتے ہیں، مظلوموں کی دادرسی نہیں کرتے، بیت المال کا مصرف صرف یہ رہ گیا ہے کہ اسے اپنی مرضی کا تابع بنا لیں۔

یہ حالات دیکھ کر عثمان کو بڑا دکھ ہوا، اس نے سوچا، یہ حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں پھر وطن واپس جاؤں، اس نے سوچا، اب میرا فرض یہ ہے کہ جہاد میں حصّہ لوں، آخر وہ ابوحاجب سے ملا، جس کی روداد اسے معلوم ہو چکی تھی، اور جو اب سلیمان ہی کے خیمہ میں رہ رہا تھا، ابوحاجب نے بزرگانہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور اسے سلیمان کے عزم سے مطلع کیا، ساتھ ہی ساتھ اس تشویش کا بھی اظہار کیا کہ اسے حجاج کے لشکر میں گئے ہوئے اتنے دن ہو چکے ہیں، نہ وہ خود آیا، نہ کوئی اطلاع موصول ہوئی، عثمان نے ابوحاجب سے کہا،

"قبلہ، —— میں حجاج کے لشکر جاتا ہوں، اور جس طرح بھی بنتا ہے، سلیمان کو واپس کرتا ہوں، آپ کے بال بچوں کو لے کر اب میں آؤں گا، —— البتہ آپ سے یہ استدعا ضرور ہے کہ جب وہ آ جائیں تو آپ انہیں یہاں نہ ٹھہرنے دیں، بلکہ گھر روانہ کر دیں، وہاں ان کا پہنچنا بہت ضروری ہے، ورنہ کئی قیمتی جانیں ضائع ہو جائیں گی!"

ابوحاجب نے وعدہ کر لیا،

"اطمینان رکھو، ایسا ہی ہوگا، میں سلیمان کو فوراً روانہ کر دوں گا!"

ابو حاجب سے رخصت ہو کر عثمان حجاج کے لشکر کا چکر کاٹنے لگا، اسے پہلے سے معلوم تھا، اور اب اس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا تھا، کہ آمد و رفت کے لئے انتظامات کتنے سخت ہیں، کیسی کڑی نگرانی ہو رہی ہے، یہ دیکھ کر وہ لشکر سے ذرا پرے ہٹ کر، ایک ٹیلہ کے اوپر پہنچا، اور وہاں چھپ کر بیٹھ رہا، آدھی رات تک وہ دم سادھے وہیں بیٹھا رہا، یہ اتنی ویران اور سنسان جگہ تھی، کہ ادھر سے اس عرصہ میں کوئی بھی نہیں گزرا، نصف رات گزرنے کے بعد لشکر میں بھی سناٹا چھا گیا، اب وہ لشکر کے اس حصہ کی طرف گیا، جہاں بالکل اندھیرا تھا، اور کافی رات گزر جانے کے باعث بالکل سوتا پڑا تھا، پہلے تو عثمان نے اِدھر اُدھر دیکھا جب کوئی نظر نہ آیا تو وہ ایک جست میں لشکر کے اندر تھا، کچھ دیر تک وہ اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا وہ چوروں کی طرح دبک دبک کر چل رہا تھا، کوئی پہرہ دار سپاہی اگر گشت کرتا نظر آتا تھا، تو کسی خیمہ کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ جاتا تھا، اس کے نکل جانے کے بعد پھر چلنا شروع کر دیتا تھا، اب یہ گھومتے گھومتے لشکر کے اُس حصہ کی طرف پہنچا، جہاں آفاقی لوگ رہتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے تھے، نہ باقاعدہ سپاہ میں بھرتی ہوتے تھے، لیکن لشکر کے اندر موجود رہتے تھے، اور مزدوری کا کام روز اجرت پر کرتے تھے، عثمان نے سوچا، اس سے اچھی جگہ نہیں مل سکتی، وہ یہیں ٹھہر گیا، اب سوال یہ تھا کہ اگر کسی نے پوچھا، تو کون ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا، اگر کہیں گرفتار کر لیا گیا، تو اور مشکل پیش آئے گی، اسی فکر میں وہ ایک چھوٹے سے خیمہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی باہر نکلا، اب صبح ہو چلی تھی، اور لوگ نماز فجر کی تیاری کرنے لگے تھے، یہ آدمی جو خیمہ سے باہر نکلا تھا، ایک عمر رسیدہ شخص تھا، اس نے عثمان سے پوچھا،

"تو کون ہے؟"

قبل اس کے کہ عثمان جواب دے، وہ خود ہی کہنے لگا،

"یاد پڑتا ہے کہیں دیکھا ہے تجھے ـــــــ تو خلیفہ کے قاصد رباح کے آفاقیوں کے ساتھ تو نہیں ہے؟"

عثمان کو موقعہ مل گیا، اس نے کہا،

"ہاں میں انہی کے ساتھیوں میں سے ہوں، لیکن مزدوری پر جھگڑا ہوا، میں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ـــــــ بڑے ناد ہند لوگ ہیں!"

وہ بوڑھا مسکرایا،

"تم رات ہی کو مارے غصّہ کے نکل پڑے، اور یہاں دروازے پر بیٹھے سردی میں سکڑتے رہے؟ ـــــــ اندر آجاتے؟"

عثمان نے کہا،

"بغیر جان پہچان کے اندر کیسے آجاتا؟"

بوڑھا بولا،

"میرا لڑکا کل ہی وطن واپس گیا ہے، مجھ اکیلے سے سارے کام نہیں ہو پاتے، مرضی ہو تو میرے ساتھ رہو، جو مزدوری ملے گی آدھو آدھ تقسیم کر لیا کریں گے"

عثمان راضی ہوگیا۔

عثمان نہ رباح کو جانتا تھا، نہ اس کے ساتھیوں کو، لیکن پاؤں ٹکانے کے اس موقع کو اس نے غنیمت جانا، اور بڑے میاں کے ساتھ جن کا نام طفیل تھا، رہنے لگا، بڑے میاں کو یہ شک بھی نہیں گزرا کہ عثمان لشکر سے باہر کا آدمی ہو سکتا ہے، ایسے مستحکم انتظامات کی موجودگی میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی غیر آدمی اندر داخل ہو سکتا ہے

اور طفیل کے ساتھ عثمان کو دیکھ کر کسی نے شبہ بھی نہیں کیا، کہ یہ کوئی اجنبی آدمی ہے،

عثمان دن بھر طفیل کے ساتھ محنت مزدوری کرتا، اور رات کو کھانا کھانے کے بعد، اجازت لے کر "ٹہلنے" نکل جاتا، طفیل کو کیا ضرورت تھی کہ اعتراض کرتا، جب کہ یہ دیکھ رہا تھا کہ عثمان محنتی اور کارگزار شخص ہے، اور دل کا اتنا غنی ہے کہ حساب کتاب کے وقت مزدوری کی کمی زیادتی پر پوچھ گچھ بھی نہیں کرتا۔

دو تین دن کے اندر عثمان نے ایک مزدور کی حیثیت سے سارے لشکر کا گشت کر لیا، یہ معلوم کر لیا کون کہاں رہتا ہے، رباح، اور حجاج، اور عبدالمتعال اور دوسرے افسروں کے خیمے بھی اس کی نظر پر چڑھ گئے، منذر کی حالت بھی معلوم ہو گئی، ابو حاجب کا خیمہ بھی اس نے دیکھ لیا، اس کے بیٹے جہاں قید تھے، وہاں بھی ہو آیا، اب لشکر کی کوئی بات ایسی نہ تھی، جو اس کے علم میں نہ ہو۔

عبداللہ کی سرگزشت جب اسے معلوم ہوئی تو بہت متاثر ہوا، چنانچہ حجاج کے خیمہ کی پشت پر عین اس وقت پہنچا جب جلاد اسے قتل کرنے والا تھا، ایک ہی تیر میں اس نے جلاد کا صفایا کر کے سارے لشکر میں ایک ہلچل مچا دیا، اور پھر موقعہ پا کر سلیمان سے بھی مل آیا، لیکن سلیمان کی ضد اور خود رائی نے کام بگاڑ دیا، اب عثمان کو دوسری فکروں کے ساتھ، یہ فکر بھی تھی کہ ان حضرت کو کس طرح صحیح سلامت یہاں سے نکال باہر کرے، اور جب تک یہ یہاں ہیں، وہ یکسوئی سے کوئی کام نہیں کر سکتا!

دوسرے دن ابھی تک اس نے اپنا کوئی پروگرام مرتب نہیں کیا تھا، رات ہو چکی تھی، اور وہ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس نے دیکھا، سپاہیوں کا ایک دستہ کسی قیدی کو ہتکڑی بیڑی میں جکڑے ہوئے اسی طرف آرہا ہے

وہ ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا، سپاہی جب قریب پہنچے تو اس نے دیکھا سلیمان کو یہ لوگ گرفتار کر کے لے جا رہے ہیں، وہ چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، وہ سوچنے لگا، اگر کل اس نے میری تجویز پر عمل کیا ہوتا تو آج مکہ میں ہوتا، اور گھر روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا ہوتا، پھر اس کے سامنے ریحانہ، عذرا، اور عائشہ کی تصویر پھرنے لگی، اس نے سوچا، میری عدم موجودگی، حسان کی غیر حاضری، اور سلیمان کی گرفتاری سے خلیل، اور نعمان پورا فائدہ اٹھائیں گے، نہ جانے یہ لوگ کیا کر گزریں، وہ اب تک اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا، اس نے دیکھا، سپاہی سلیمان کو اس خیمہ میں لے گئے، جہاں منذر قید تھا، اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ تو معلوم ہو گیا، سلیمان کہاں قید ہے؟

اتنے میں طفیل آ گیا، اس نے عثمان کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا،

"یہاں کھڑے ہوئے کیا کر رہے ہو بیٹے؟"

عثمان نے جواب دیا،

"یونہی کھڑا تھا، —— ابھی یہ سپاہی کسی کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں، —— کون ہے یہ؟"

طفیل:- "ابن زبیر کا جاسوس، —— عبدالمتعال نے اسے گرفتار کیا ہے —— وہ تم نے سنا ہو گا، ایک دن حجاج کے خیمہ میں کسی نے جلاد کو تیر مار کر ہلاک کر دیا تھا!"

عثمان:- "ہاں، اسی دن نا جب امیر رباح آئے ہیں؟"

طفیل :۔ "ہاں اسی دن، ——— یہ حرکت سلیمان ہی کی تھی ———!"

عثمان :۔ "سلیمان تو عبد المتعال کے پاس مقیم تھا؟"

طفیل :۔ "ہاں دوست بن کر آیا تھا، لیکن آخر جاسوس تھا، اپنی کارگزاری دکھانے کو یہ کام کرگزرا، اب ہلاک کیا جائے گا؟ ——— وہ تو کہو عبد المتعال کی جان بچ گئی، ورنہ وہ قتل کیا جاتا!"

عثمان :۔ "یہ کیوں ——— ؟ عبد المتعال نے کیا خطا کی تھی ——— ؟"

طفیل :۔ "امیر حجاج نے صرف تین دن کی مہلت دی تھی، ——— اگر تیرانداز کا پتہ نہ چلا تو عبد المتعال کی گردن ماردی جائے گی!"

عثمان :۔ (مسکراکر) ٹھیک ہے، پھر تو عبد المتعال کو بڑی آسانی سے اپنی جان بچانے کا موقع مل گیا!"

طفیل :۔ "ہوگا، ہمیں کیا، ——— میں تم سے ایک خاص بات کہنے آیا تھا اس وقت، ——— منذر کے خیمہ میں جو شخص خدمت گاری کا کام کرتا تھا، اس کا تبادلہ دوسری ڈیوٹی پر ہوگیا ہے، میں نے تمہارا نام لکھادیا ہے، ——— کل سے تم جانا۔"

عثمان :۔ "اچھی بات چلا جاؤں گا، لیکن خدمتگار کی ڈیوٹی کیوں بدل دی گئی"

طفیل :۔ "یہ قاعدہ ہے، ——— کسی قیدی کے پاس ایک ہی آدمی کو زیادہ دن تک نہیں ٹھہرنے دیتے، ———"

عثمان :۔ "کہیں وہ سازباز نہ کرلے اس سے؟"

طفیل :۔ "ہاں، ——— اور ہمارے ہاں تو بہت زیادہ احتیاط برتی جاتی ہے!"

---

(۴۱)

رباح اور حجاج

رباح ابھی تک واپس نہیں گیا تھا، وہ بدستور حجاج کا مہمان تھا، اس کا خیال تھا، حجاز کے فتح ہو جانے کے بعد حجاج کے ساتھ دمشق واپس جائے گا! البتہ اس خیال سے ضرور فکرمند تھا کہ جنگ شروع کیوں نہیں ہوتی! ـــــ اس میں کیا مصلحت ہے؟

حجاج اپنے خیمہ میں مسند پر شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ متمکن تھا، اتنے میں رباح پہنچ گیا، خندہ جبینی کے ساتھ حجاج نے اس کا استقبال کیا، اور حسب معمول اپنے پاس بٹھا لیا، عبدالمتعال بھی موجود تھا، اور ایک کونہ میں چپ چاپ کھڑا تھا، عبدالمتعال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حجاج نے کہا،

"اُس روز جلّاد پر جس شخص نے تیر چلایا تھا، اسے عبدالمتعال نے گرفتار کر لیا!"

رباح :- "بڑا کام کیا، ـــــ کون ہے وہ شخص؟"

حجاج :- "ابن زبیر کا ایک جاسوس، ـــــ جو دوست بن کر عبدالمتعال کے پاس آیا تھا!"

رباح :- "تحقیق کرلی آپ نے؟"

حجاج :- "تحقیق کی ضرورت مجرم کے لئے نہیں ہوتی، ـــــ اب وہ گرفتار

ہو چکا ہے۔ اور بہت جلد کیفر کردار کر دار کو پہنچا دیا جائے گا۔"

رباح :۔" یہ تو سب ہوتا رہے گا، لیکن جنگ کب شروع ہو گی ——— ؟"

حجاج :۔" ہو جائے گی، ——— وہ وقت بھی جلد آنے والا ہے !"

رباح :۔" میرا تو یہ خیال ہے کہ جتنی جتنی تاخیر ہو رہی ہے، اتنی ہی ابن زبیر کی تیاریاں مکمل ہو رہی ہوں گی !"

حجاج :۔" یہی تو غلط خیال ہے، ——— میرے دوست، جتنی جتنی اس جنگ میں تاخیر ہو رہی ہے، اتنی ہی اتنی ابن زبیر کی قوت کم ہو رہی ہے !"

رباح :۔" کس طرح ——— ؟ یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔"

حجاج :۔" میں نے مکہ کا مکمل محاصرہ کر رکھا ہے، اگر یہ محاصرہ چند روز اور جاری رہا، تو اہل مکہ الامان پکار اُٹھیں گے، ان کا سارا دم خم ختم ہو جائے گا۔"

رباح :۔" مانے لیتا ہوں، یہ خیال صحیح ہے، لیکن اب جنگ میں مزید تاخیر امیرالمومنین کی برہمیٔ مزاج کا سبب ہو گی !"

حجاج :۔ (سہم کر) "یہ تم نے کیسے جانا ؟"

رباح :۔" اس لئے کہ امیرالمومنین کی خواہش ہے جلد از جلد یہ مرحلہ سر کیا جائے ——— اسی لئے انہوں نے غیر مسئول طور پر سارے اختیارات تمہیں سونپ دئے ہیں !"

حجاج :۔" کیا امیرالمومنین نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا ؟"

رباح :۔" کیا تھا ——— اور جہاں تک مجھے خیال ہے، میں بتا چکا ہوں !"

حجاج :۔" اگر یہ بات ہے تو مجھے جنگ شروع کرنے میں کوئی تامل نہیں، ———

آج کون دن ہے ؟"

رباح :-" کوئی دن بھی ہو، شگون لینے کی ضرورت نہیں، فوج کو حکم دو، کہ وہ سازوسامان سے لیس ہوکر میدان میں پہنچ جائے، ایک ایک دن، اب ایک ایک برس معلوم ہو رہا ہے ـــــــ میں ٹھہرا اسی لئے ہوں کہ فتح حاصل ہونے کے بعد تمہارے ساتھ ہی دمشق واپس چلوں !"

حجاج :-" انشاء اللہ تمہاری یہ آرزو ضرور پوری ہوگی، ـــــــ زیادہ نہیں ایک ہفتہ اور انتظار کرلو، آئندہ ہفتے ہم لڑائی شروع کردیں گے، ـــــــ اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چند دن سے زیادہ نہیں جاری رہے گی !"

رباح :-" اچھا بھائی یہ بھی دیکھے لیتے ہیں !"

حجاج :- (عبدالمتعال سے) "تم نے سُن لیا ہم نے رباح سے کیا وعدہ کیاہے؟"

عبدالمتعال :-" سُن لیا، اور آپ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا !"

حجاج :-" تو جاؤ، سب کو عزم سے مطلع کردو، ـــــــ ہمارے ایک اشارہ پر فوج میدان جنگ میں پہنچ جانی چاہئے !"

عبدالمتعال :-" ایسا ہی ہوگا !"

یہ کہہ کر عبدالمتعال خیمہ سے باہر نکل گیا، اور حجاج رباح کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگا، گویا وہ اسے بتا رہا تھا، کہ میرے حکم کی تعمیل کس مستعدی، اور چستی سے ہوتی ہے !

(۴۲)

اِضطراب

عبدالملک بن مروان اپنے ایوان زرنگار میں اطمینان و سکون کے عالم میں بیٹھا۔ کنیزوں کا ایک طائفہ ابھی ابھی رخصت ہو کر، گیا تھا، اب وہ تنہا تھا، اور کسی گہرے خیال میں مستغرق تھا، اتنے میں دبے پاؤں صاعقہ آگئی، اسے دیکھ کر وہ مسکرانے لگا۔

عبدالملک :۔" آؤ صاعقہ، ـــــــ ہم تمہی کو اس وقت یاد کر رہے تھے!"

صاعقہ :۔" کنیز کے دل میں بھی یہ خیال بڑی دیر سے آرہا تھا، کہ اپنے آقا کے حضور میں پہنچے، لیکن ـــــــ"

عبدالملک :۔" لیکن کیا چیز مانع ہوئی؟"

صاعقہ :۔" پاسِ ادب، ـــــــ مجھے معلوم ہوا، امیرالمومنین مصروف ہیں۔"

عبدالملک :۔" نہیں تم پر کوئی پابندی نہیں، ـــــــ تم ہر وقت ہمارے پاس آسکتی ہو!"

صاعقہ :۔" رباح کو گئے ہوئے اتنے دن ہو گئے لیکن نہ اس کا کوئی خط آیا، نہ حجاج کی طرف سے کوئی اطلاع ملی۔"

عبدالملک :۔" ہاں، اس خاموشی کی وجہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی!"

صاعقہ:۔" میں نے سنا ہے، ابن زبیر نے فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں، ———!"

عبدالملک:۔" ہاں میں نے بھی سنا ہے، لیکن میری فیصلہ کن تیاری کا نام جانتی ہو کیا ہے؟"

صاعقہ:۔" امیرالمومنین ارشاد فرمائیں!"

عبدالملک:۔" (مسکرا کر) اس کا نام ہے حجاج بن یوسف ثقفی!"

صاعقہ:۔" حجاج کے نام سے دُنیا کانپتی ہے، واقعی وہ امیرالمومنین کا جاں نثار اور وفادار خادم ہے، اس نے امیرالمومنین کے ہر دشمن کو بے حال کیا، اور وہی دوسرے تمام دشمنوں کی سرکوبی کرے گا!"

عبدالملک:۔" حجاج نہیں جانتا رحم کسے کہتے ہیں، اور جن لوگوں سے ہم برسرپیکار ہیں وہ اسی کے سزاوار ہیں کہ ان کے ساتھ رحم اور مروت کا برتاؤ نہ کیا جائے!"

صاعقہ:۔" بے شک ———!"

عبدالملک:۔" ابن زبیر کی خواہش ہے کہ حکومت کا ایوان مسجد بن جائے، اور مسجد کا مصلےٰ حکومت کی مسند ——— بھلا، کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟"

صاعقہ:۔" نہ ہو سکتا ہے نہ ہونا چاہئے!"

عبدالملک:۔" ابن زبیر قرآن کی حکومت چاہتے ہیں، اور میں تلوار کی حکومت کا قائل ہوں!"

صاعقہ:۔" وہ حکومت ہی کیا جس کی تلوار میان میں ہو!"

عبدالملک:۔" جس دن ابن زبیر کا سر آئے گا، اُس دن میں سمجھوں گا کہ ہاں اب

وقت آیا ہے صحیح معنوں میں حکومت کرنے کا !"

صاعقہ :۔" اس وقت بھی کیا چیز مانع ہے امیرالمومنین کو ؟"

عبدالملک :۔ (ایک آہ سرد بھر کر) "صاعقہ تم نہیں جانتیں اس شخص یعنی ابن زبیر نے میرا خواب وخور حرام کردیا ہے، میرا سکون قلب چھین لیا ہے، میری ذہنی اور دماغی یکسوئی لوٹ لی ہے، مجھے عیش وآرام، اور راحت وآسائش سے محروم کردیا ہے، !"

صاعقہ :۔" نہیں میرے آقا، یہ آپ کا خیال ہے، ابن زبیر آپ سے کچھ نہیں چھین سکتا، آپ کے پاس حکومت ہے، قوت ہے، طاقت ہے، فوج ہے، کیا نہیں ہے آپ کے پاس !؟"

عبدالملک :۔" سب کچھ ہے، لیکن جب تک ابن زبیر کا سر قطع نہیں ہو جاتا، سب کچھ بیکار ہے، بے مزہ ہے ——— وہ قرآن کا نام لے کر اُٹھا ہے، وہ حکومت الٰہیہ کا داعی بن کر میدان میں آیا ہے، وہ کہتا ہے، بیت المال مسلمانوں کا ہے، خلیفہ کا نہیں، وہ کہتا ہے، حکومت صرف وہی قابل قبول ہوسکتی ہے، جس کی بنیاد تعلیمات قرآن، اور اسوۂ رسول ہو !"

صاعقہ :۔" کہنے دیجئے ——— اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، لوگ نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں !"

عبدالملک :۔" نہیں صاعقہ، لوگوں میں اور ابن زبیر میں فرق ہے !"

صاعقہ :۔" کیا فرق ہے امیرالمومنین ——— ؟"

عبدالملک :۔" یہ شخص بہت بڑے باپ ——— زبیر ——— کا بیٹا ہے

ابوبکر کا نواسا، عائشہ کا بھانجا اور اسماء کا بیٹا ہے، لوگ اس کے تقدس کے قائل ہیں!"

صاعقہ:۔" میں نہیں مانتی!"

یہ کہہ کر وہ مسکرادی!

عبدالملک:۔" کیا تم حقیقت کا انکار کرتی ہو؟"

صاعقہ:۔" نہیں امیرالمومنین ——— میں یہ عرض کرتی ہوں، ابن زبیر لاکھ بڑے ہوں، لاکھ مقدس ہوں، لاکھ محبوب عوام ہوں، کیا وہ حسینؑ ابن علی سے بڑھ کر ہیں ——— ؟"

عبدالملک:۔" نہیں حسینؑ اور ابن زبیر کا کیا مقابلہ؟"

صاعقہ:۔" پھر کیا ہم نے انہیں قتل نہیں کر دیا؟"

عبدالملک:۔" ہاں تو؟ ——— ؟"

صاعقہ:۔" پھر ابن زبیر کی گردن کاٹنا کیا مشکل ہے؟"

عبدالملک:۔" پھر یہ کام اب تک انجام کیوں نہیں پایا؟ ——— حجاج کیا کر رہا ہے؟ کیا وہ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا؟"

صاعقہ:۔" نہیں امیرالمومنین حجاج کا ایوان عشرت میدان جنگ ہے!۔ صرف میدان جنگ ——— !"

عبدالملک:۔" لیکن یہ تاخیر؟ ——— یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے ——— !"

صاعقہ:۔" پھر ایک پیامبر بھیجئے، اور حکم دیجئے، کہ جلد از جلد اپنا فرض انجام دے کر واپس آئے!"

عبدالملک:۔ "ہاں ایسا ہی ہوگا ——— !"

پھر اس نے دستک دی، اور حاجب کو حکم دیا، کہ میر منشی کو بلائے

(۴۳)

مکّہ کی طرف کوُچ!

آج حجاج کے لشکر میں ایک عجیب قسم کی چہل پہل اور گھماگھمی نظر آرہی تھی وقت موعود آپہنچا تھا، آج حجاج اپنا لشکرِگراں لے کر کعبہ پر چڑھائی کر رہا تھا، اس کے افسروں اور سپاہیوں میں ہر شخص چوکس اور مستعد نظر آرہا تھا، رباح اگرچہ خلیفہ کا نامہ بر تھا، اسے اس جنگ سے کوئی سروکار نہ تھا، لیکن وہ بھی سلاح جنگ سے آراستہ، اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا، اور جنگی تیاریوں کا بچشم خود معائنہ کر رہا تھا حجاج بھی پورے طور پر اپنے تئیں جنگی تیاریوں کے لئے وقف کئے ہوئے تھا، حکام اور افسران کو ہدایات دے رہا تھا، پیادوں، سواروں، اور سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا، سلاح جنگ کی تقسیم اور مال غنیمت کی بشارت دے رہا تھا، ہر سپاہی کو اس نے یہ نوید دے رکھی تھی کہ مال غنیمت کے علاوہ بھی بہت کچھ زرومال انعام میں ملے گا، سپاہیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے، انہوں نے آج تک حجاج کی سربراہی میں کبھی شکست نہیں کھائی تھی، جہاں اور جس جگہ بھی گئے مقابلہ کرنے والوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، آج بھی انہیں یقین تھا کہ فتح وظفران کے قدم چومے گی اور سالم وفاتح واپس آئیں گے۔

عبدالمتعال سارے لشکر کا ایک گشت کر کے حجاج کے حضور میں حاضر ہوا،
رباح نے مسکرا کر پوچھا،

" کیا ہم حملہ کے لئے بالکل تیار ہیں ؟"

عبدالمتعال نے جواب دیا،

" ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں، صرف امیر حجاج کے اشارہ کی دیر ہے !"

حجاج :- " میں چاہتا ہوں کہ میدان جنگ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے اُن قیدیوں کا بھی فیصلہ کردوں، ——— جاؤ، سب کو لے آؤ !"

عبدالمتعال فوراً تعمیل ارشاد کے لئے باہر نکلا، اور تھوڑی دیر میں تمام قیدیوں، ——— عبداللہ، منذر، ابوحاجب کے بیٹوں، اور سلیمان ——— کو لے کر حاضر ہو گیا، ان قیدیوں کے ساتھ آہنگر بھی تھے، انہی میں طفیل اور عثمان بھی موجود تھے !

حجاج نے نفرت اور حقارت کی نظر ان تمام قیدیوں پر ڈالی، اس کے بعد ایک کوڑا ہاتھ میں لے کر مسند سے اٹھا، اور قیدیوں کے پاس پہنچا، یہ سب قیدی ہتکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے کھڑے تھے، حجاج نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا،

" جانتے ہو، آج تم سب کیوں طلب کئے گئے ہو ؟"

عبداللہ نے کہا،

" دل کے ارادے، اور غیب کی باتیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، تو ہم سے ایسے مہمل سوال کر کے وقت کیوں ضائع کرتا ہے ؟"

حجاج جھلاّ گیا !

"ادبے ادب خاموش وہ وقت قریب آرہا ہے، جب تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا!"

پھر حجاج ابوحاجب کے لڑکوں سے مخاطب ہوا،

"تم ابوحاجب کے بیٹے ہو، نوجوان ہو تنومند ہو، تم سے مجھے امیدیں تھیں، کہ ترقی کروگے، عروج حاصل کروگے، لیکن تمہارے باپ نے غداری کی، وہ ہماری دست رس سے فی الحال باہر ہے، لیکن تم قبضہ میں ہو، تمہاری گردن ضرور ماری جائے گی!"

ابوحاجب کا ایک لڑکا کہنے لگا،

"آپ کو اختیار ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ باپ کی غلطی ہم کیوں بھگتیں، کیا قرآن کریم میں صاف وارد نہیں ہوا ہے، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا) والد اگر خطاوار ہیں تو انہیں سزا دیجئے، ہم نے کوئی قصور نہیں کیا تو تعزیر کے سزاوار کیوں قرار دئے جائیں؟"

حجاج:- "بے وقوف ——— تم مجھے قرآن کی آیت سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہو تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، ——— بیٹا اگر باپ کی وراثت بغیر محنت کئے، اور کمائے ہوئے پا سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ باپ کے جرائم میں اسے شریک نہ کیا جائے ——— بہرحال میرا یہ فیصلہ ہے کہ تم کشتنی اور گردن زدنی ہو"

پھر حجاج منذر کے پاس آیا،

"منذر، ——— آج تیری قسمت کا فیصلہ بھی ہو کر رہے گا، اب تجھے کوئی نہیں بچا سکتا، موت تیرے استقبال کو آگے بڑھ رہی ہے!"

منذر:۔"میں موت سے نہیں ڈرتا، موت صرف ایک ہی بار آتی ہے، بار بار نہیں آتی، اور جب آتی ہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا ــــــــ اے حجاج میں موت کا استقبال کرنے کو تیار ہوں، لیکن یہ نہ سمجھ کہ تو بچ جائے گا، ایک روز تجھے بھی مرنا پڑے گا اور مرنے کے بعد اپنے مظالم کی جواب دہی بھی کرنی پڑے گی، قبل اس کے کہ وقت آئے، ایک مرتبہ پھر اپنے نفس اور اعمال کا محاسبہ کرلے!"

حجاج منذر کی یہ باتیں سنکر بھڑک اٹھا، اس نے ایک کوڑا منذر کے منہ پر پورے زور سے مارا، اور گرجتے ہوئے کہا،

"خاموش، ــــــــ تو میری فکر نہ کر، تیرا حساب آج ہی چکایا جائے گا!"

پھر وہ، عبداللہ کے پاس آیا، کچھ دیر کھڑا اسے گھورتا رہا، پھر یوں گویا ہوا،

حجاج:۔" مجھے افسوس ہے کہ تو بھی ان لوگوں کے ساتھ ہے!"

عبداللہ:۔" میں تو کسی کے ساتھ نہیں ہوں، جس کے ساتھ تونے رکھا، رہنا پڑا، میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا، نہ یہ جانتا ہوں ان لوگوں کا جرم کیا ہے!"

حجاج:۔" ان لوگوں کا بھی وہی جرم ہے، جو تیرا ہے، تو بھی غدار ہے، اور یہ بھی غدار ہیں، اور حجاج صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ غداروں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارے!"

عبداللہ:۔" تو اپنا کام کر، ہم اپنا کام کررہے ہیں، احکم الحاکمین ہی فیصلہ کرے گا کون حق پر تھا، کون باطل پر؟"

حجاج:۔" حق وہ ہے، جو ہم کہیں، اور باطل وہ ہے جو ہمارے خلاف ہو!"

عبداللہ:۔" نعوذ باللہ کیا تو اپنے تئیں خدا سمجھتا ہے؟"

حجاج :۔" میں تجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتا، رباح کی خاطر سے اب تک تجھے موقعہ تھا، اگر تائب ہو جاتا تو جان بچ سکتی تھی، لیکن وہ موقع بھی تو نے گنوا دیا، اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے !"

عبد اللہ :۔" حجاج میں تجھے بشارت دیتا ہوں، توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے، اگر توبہ کرے گا تو ضرور قبول ہو گی !"

حجاج نے کوئی جواب نہیں دیا، اور سلیمان کے پاس پہنچا،

حجاج :۔" اے شخص تیرا نام کیا ہے ؟"

سلیمان :۔" مجھے سلیمان کہتے ہیں !"

حجاج :۔" کیا تو ہی وہ شخص ہے، جس نے تیر مار کر ہمارے خیمہ میں جلّاد کو ہلاک کیا تھا ؟"

سلیمان :۔" نہیں، ——— میں وہ شخص نہیں ہوں !"

حجاج :۔" کیا تو ابن زبیر کا جاسوس نہیں ہے ؟"

سلیمان :۔" میں کسی کا جاسوس نہیں ہوں۔"

حجاج :۔" کیا تو ابن زبیر کا حامی نہیں ہے ؟"

سلیمان :۔" دل و جان سے حامی ہوں، وہ حق پر ہیں، اور ان سے مقابلہ کرنے والے مقاتلہ کرنے والے باطل پر، ———"

حجاج :۔" بس، ——— تو نے اعتراف جرم کر لیا !"

سلیمان :۔" اگر یہ جرم ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجرم ہوں، اور جب تک زندہ ہوں، اس جرم کا ارتکاب کرتا رہوں گا !"

حجاج :۔" نہیں، ——— اب تیرا وقت آخر آ پہنچا ہے، اب کسی جرم کی تجھے مہلت

نہیں ملے گی، ——— تیرے لئے ہم نے یہ سزا تجویز کی ہے کہ تجھے قتل کیا جائے، اور قتل کے بعد تیری لاش کا مثلہ کیا جائے، کیوں کہ جاسوس بھی ہے، اور غدار بھی، لہٰذا تجھے دوہری سزا ملنی چاہئے!"

سلیمان:۔ "مجھے منظور ہے، ——— تم مجھے قتل کر دو، اور قتل کے بعد میری لاش کا حلیہ بگاڑ دو، اور اس کے علاوہ بھی تمہارے دل میں جو ظلم آئے وہ کر گزرو، لیکن تم میرا عقیدہ نہیں بدل سکتے!"

حجاج:۔ "عبدالمتعال، ——— جلاّد کو حاضر کر!"

عبدالمتعال ادب سے سر جھکا کر، خیمے سے باہر نکلا، چونکہ سب کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا، لہٰذا قیدیوں کے محافظ، اور آہنگر بھی عبدالمتعال کے ساتھ باہر نکل گئے،

تھوڑی دیر کے بعد عبدالمتعال جلاّد کو لے کر حاضر ہوا، یہ ایک خوفناک شخص تھا، سیاہ رو، تیرہ دروں، ہاتھ میں ننگی تلوار، آنکھوں میں شقاوت، اور سنگ دلی کے سرخ ڈورے۔

حجاج نے جلاّد سے مخاطب ہو کر کہا،

"یہ مجرم ہیں، ان سب کے لئے ہم نے قتل کی سزا تجویز کی ہے، ان سب کی گردن پر خط کھینچ، اور باری باری سب کو فنا کے گھاٹ اتار دے!"

یہ حکم دے کر حجاج، پھر اپنی مسند پر آ کر متمکن ہو گیا، رباح بھی بڑی دیر سے یہاں بیٹھا تھا، اور منتظر تھا کہ سب کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتا دیکھ لے، تو باہر نکلے، اور پھر لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ کرے۔

جلاّد مشکل سے دو تین آدمیوں کی گردن پر خط کھینچ پایا ہوگا، کہ دفعتہً جلاّد تیورا کر گرا، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا، اس کے گرتے ہی سب لوگ جو پوری

توجہ سے اس کی کارروائی دیکھ رہے تھے، اس کی طرف لپکے، ایک خنجر اس کی پیٹھ میں پیوست تھا، صرف قبضہ باہر نظر آ رہا تھا، پھل پیٹھ سے ہوتا ہوا سینہ میں تیر چکا تھا،

یہ اتنا اچانک واقعہ ہوا کہ حجاج جیسا شخص بھی، جو خوف اور دہشت کے نام سے ناواقف تھا، سہم گیا، اس نے عبدالمتعال سے کہا،

"خبردار، خیمہ سے باہر کوئی شخص نہ جانے پائے، عبدالمتعال تلوار سونت کر دروازے پر کھڑا ہو گیا، خیمہ میں جتنے لوگ تھے، سب سہم کر بیٹھ گئے، دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ اب کس کی شامت آتی ہے؟ حجاج نے کہا،

"ضرور، یہ حرکت کسی ایسے شخص کی ہے جو اس خیمہ میں موجود ہے!——!"

رباح نے کہا،

"یقیناً——لیکن کون ہو سکتا ہے وہ؟ یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو مشکوک ہو؛ جس پر شبہ کیا جا سکے؟"

حجاج:۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا، یہ اپنی نوعیت کا دوسرا حادثہ یہاں معلوم ہوتا ہے، دشمن کے آدمی موجود ہیں، وہ ہماری نگرانی کرتے ہیں، ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں، ہمارے اعمال و افعال کی نگرانی کرتے ہیں، اور اس طرح رہتے ہیں کہ ہم انہیں پکڑ نہیں سکتے، گرفتار نہیں کر سکتے، سزا نہیں دے سکتے،——حجاج کو مرعوب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ہاتھی سے گنے کھائے جا رہے ہیں!"

رباح:۔ "لیکن ان بچکانہ حرکتوں سے کیا ہو سکتا ہے؟"

حجاج:۔ "کچھ نہیں ہو سکتا، لیکن اس طرح ہماری ہوا خیزی ہوتی ہے!"

رباح:۔ "اور ہم میں سے ہر ایک کی اسی طرح جان لی جا سکتی ہے!"

رباح:۔ "لیکن اب فیصلہ کن گھڑی آگئی، آج فیصلہ ہو جائے گا، زندگی کس کی قسمت میں ہے، اور موت کس کے نصیب میں ——— ؟"

حجاج ابھی کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ خیمہ کے باہر سے شور اٹھا،

"برید!"

"برید!"

یہ سنتے ہی حجاج سرِدقد اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے رباح سے کہا،

"امیرالمومنین کا کوئی تازہ فرمان آیا ہے!"

رباح بھی اُٹھ کھڑا ہوا، خیمہ کا دروازہ کھول دیا گیا، اور خلیفہ کا نامہ بر، حجاج کے سامنے پہنچا، دستور یہ تھا کہ خلیفہ کا نامہ آنے کے بعد دوسرا کام نہیں کیا جا سکتا تھا، جب تک اسے پڑھ نہ لیا جائے، اور اس کی تعمیل نہ کردی جائے،!

پورے اعزاز و احترام اور دستور کے ساتھ حجاج نے نامہ لیا، پھر وہ حجاج کو، اور تمام حاضرین کو سنایا گیا۔

نامہ میں خلیفہ نے درشتی کے ساتھ حجاج کو تاکید کی تھی کہ ابن زبیر کو ذرا بھی موقعہ نہ دیا جائے، نہ انتظار اور تعطل کی پالیسی اختیار کی جائے، بے تامل مکہ پر حملہ کردیا جائے، اور فتح کے بعد ابن زبیر کا سر فوراً دمشق بھیجدیا جائے!

خط سننے کے بعد حجاج نے عبدالمتعال سے دریافت کیا،

"ہم کتنی دیر میں کوچ کر سکتے ہیں؟"

عبدالمتعال نے کہا،

"فوراً یا امیر ———!"

حجاج نے کہا،

" تو فوراً منادی کرو، فوج ابھی اور اسی وقت روانہ ہو گی !"

عبدالمتعال نے نفیر بلند کرائی، اور تھوڑی دیر میں، حجاج کی فوج اپنے پرچم لہراتی ہوئی، مکہ کی طرف روانہ ہو گئی !—— جلّاد کی لاش ٹھکانے لگا دی گئی، اور قیدی پھر اپنے خیمہ میں بھیج دیے گئے !

---

(۴۴)

خوف وہراس

مکہ مکرمہ میں بھی یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ آج حجاج کا لشکر پوری قوت و طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوگا، اور اس خبر نے کمزور قلب کے لوگوں، اور عافیت پسند اصحاب میں ایک ہولناک قسم کی دہشت پیدا کردی تھی، ہر شخص یہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہوگا؛ خود اس کی زندگی کیسے بچے گی؛ اس کے بال بچوں، دوستوں، عزیزوں اور ساتھیوں کا کیا حشر ہوگا؛ شکست صاف نظر آرہی تھی، فتح کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ —— یہ عجیب قسم کی جنگ تھی، جو دیر پا ہونے سے پہلے لوگوں کے ذہن و دماغ پر اپنے لرزہ خیز نتیجہ کا نقش ثبت کر چکی تھی!

بیت الحرام میں اس وقت بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابن زبیر اپنی مجلس خاص میں، اپنے رفیقوں، اور ساتھیوں سے مصروف گفتگو تھے، —— لوگ جاننا چاہتے تھے، اس گفتگو کا انجام کیا ہوگا؛ صلح یا جنگ ——؟ اگرچہ لوگوں پر خاموشی چھائی ہوئی تھی، لیکن ان کے چہروں سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کے دل میں اس وقت کیسی ہلچل مچی ہوئی ہے؛ خیالات کے بادل کس طرح اُمنڈ اُمنڈ کر آرہے ہیں؟ توہمات کی کیسی زبردست یورش ہو رہی ہے؟

ابو حاجب حضرت کے مریدان باصفا میں شامل ہو چکا تھا، وہ بھی مجلس خاص میں شریک تھا، اتنے میں کسی کام سے وہ باہر آیا، کئی لوگوں نے اسے گھیر لیا،

"مجلس جاری ہے یا ختم ہو گئی ——؟"

یہ سوال تھا، جو بیک وقت کئی زبانوں سے ادا ہوا،

ابو حاجب نے کہا،

"ابھی جاری ہے!"

ایک آدمی نے دریافت کیا،

"آخر فیصلہ تک پہنچنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

ابو حاجب نے جل کر کہا،

"تم جیسے کم ہمّت اور تھڑدلے لوگوں کی وجہ سے!"

یہ سنکر سوال کرنے والے چپ ہو گئے!

ابو حاجب نے تیوری چڑھا کر درشت لہجہ میں کہا،

"جس اشتیاق سے تم لوگ یہ معلوم کرنے کے درپئے ہو کہ صلح ہو گی یا جنگ؟ —— اگر اسی جذبہ سے تم حق کے لئے مرمٹنے کا ارادہ کر لیتے تو آج فضا دوسری ہوتی، —— آج تم پر دہشت اور خوف کی کیفیت نہ ہوتی، ایمان، اور ایثار کا نور جگمگا رہا ہوتا تمہارے چہروں پر، —— میں جانتا ہوں، تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ تمہاری صرف ایک تمنا ہے یہ کہ تمہیں لڑنا نہ پڑے، آزمائش میں پڑے بغیر، تم اپنی زندگی، اپنے مستقبل، اپنی دولت، اپنے گھر بار کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ، —— میں نہیں جانتا مجلس خاص کیا فیصلہ کرے گی، لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تمہاری یہ تمنا پوری نہیں ہو گی، تمہیں آزمائش میں پڑنا پڑے گا، تمہیں اپنے ایمان کا

امتحان دینا پڑے گا، تمہیں حق یا باطل میں سے کسی ایک کو منتخب کر لینا پڑے گا!"

حاضرین میں سے ایک نے کہا،

" ہم تمہاری ہی طرح صاحب ایمان ہیں، ہم حق کے پرستار ہیں، اور باطل سے نفرت کرتے ہیں، ہم ایثار اور امتحان سے ذرا بھی نہیں ڈرتے، لیکن ـــــ لیکن ـــــ"

اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکا، اس کی آواز بھرّا گئی، اس کے ہونٹ کانپنے لگے، اس کی آنکھوں سے، آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے،

ابوحاجب نے ملاطفت اور شفقت کے لہجہ میں کہا،

" تم رک کیوں گئے؟ ـــــ کہو کیا کہہ رہے تھے، ـــــ لیکن؟ "

وہ بولا،

" لیکن، ـــــ جانتے ہوئے آگ میں کود پڑنا کونسی دانشمندی ہے؟ خود قرآن میں خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا ہے،

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ـــــ!"

یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، ـــــ کیا قرآن نے یہ نہیں کہا ہے؟"

ابوحاجب:" ضرور کہا ہے؟ قرآن کو کون جھٹلا سکتا ہے، لیکن تم اس سے ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟"

وہ شخص تاثر انگیز لہجہ میں گویا ہوا،

" میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنی قوت کا اندازہ ہے، ہم حجاج کے ظلم و ستم سے بھی واقف ہیں، صورت حال یہ ہے کہ محاصرہ نے ہمیں ادھ مرا کر دیا ہے، قحط کی سی کیفیت طاری ہے ہم پر، ہم بھوکوں مر رہے ہیں، اور ہمارے حوصلے پست ہو رہے ہیں، ہمارے کتنے ساتھی

ہیں جن کا جی چھوٹ چکا ہے، جن کا ولولہ سرد پڑچکا ہے، جن کی ہمّت جواب دے چکی ہے"

ابوحاجب :۔" ہاں میں جانتا ہوں، لیکن ان باتوں کا مدعا ؟ مقصد ؟"

وہ شخص سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا،

" اور دوسری طرف حریف کا یہ عالم ہے کہ وہ تازہ دم ہے، اس کے پاس نہ اناج کی کمی ہے، نہ مال و زر کی، دمبدم تازہ دم سپاہ کمک کے طور پر اس کی مدد کو پہنچ رہی ہے، اس کی تعداد بھی ہم سے زیادہ ہے، اسلحہ بھی وافر ہیں، ہر اعتبار سے وہ ہم پر فوقیت رکھتا ہے پھر اگر ہم اس سے لڑیں تو کس برتے پر !؟"

ابوحاجب :۔" کیا خدا سے تم مایوس ہو چکے ہو ؟"

وہ بولا،

" خدا سے مایوسی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، خدا یہ نہیں کہتا، کہ ہم آنکھیں بند کر لیں، ہمیں چشم بینا اسی لئے عطا ہوئی ہے کہ ہم اس سے کام لیں !"

ابوحاجب :۔" تمہاری چشم بینا جو کچھ دیکھ رہی ہے، افسوس وہ مجھے نظر نہیں آتا، تمہارے سامنے مصلحت ہے، عافیت ہے، میرے سامنے شہادت ہے، ایثار ہے، تم اپنے راستہ پر چلو، ہم اپنے راستہ چلیں گے !"

ایک اور شخص حاضرین میں سے بولا،

" تو اس کا مطلب یہ ہوا، کہ مجلس خاص جنگ کا فیصلہ کر چکی ہے !؟"

ابوحاجب :۔" مجلس خاص نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے، جو فیصلہ بھی وہ کرے گی آپ کو معلوم ہو جائے گا !"

یہ کہکر ابوحاجب پھر مجلس خاص میں چلا گیا اور یہ لوگ آپس کی سرگوشیوں میں مصروف ہو گئے۔

(۴۵)

تجدیدِ بیعت

ابوحاجب لوگوں سے یہ تلخ اور ترش گفتگو کرنے کے بعد پھر مجلس خاص میں واپس پہنچا، حضرت عبداللہ ابن زبیر اپنے رفیقوں، اور ساتھیوں سے فرما رہے تھے،

"اگرچہ تم لوگ میرے ہاتھ پر راہ الہٰی میں قربان ہو جانے کی بیعت کر چکے ہو، لیکن میں تمہیں مجبور کرنا نہیں چاہتا، میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں! —— آج سے قبل بھی، کچھ عرصہ پہلے، اسی طرح کی ایک مجلس خاص منعقد ہوئی تھی، اس مجلس میں بھی یہی سوال درپیش تھا کہ صلح کی جائے یا جنگ جاری رکھی جائے، تب بھی میں نے کسی پر جبر نہیں کیا تھا، ایک نوجوان مجاہد عثمان کی پُرجوش تقریر آج بھی بہت سے کانوں میں گونج رہی ہوگی، آج کا مرحلہ پہلے مرحلہ سے زیادہ سخت و صعب ہے، آج میں کسی کو تقریر کرنے کی اجازت نہیں دوں گا، —— صرف ایک بات کہتا ہوں، جو میرے ساتھ رضاکارانہ طور پر پورے انشراح قلب کے ساتھ ہنسی خوشی مرنا چاہتا ہے، وہ جائے، اور ہتھیار بند ہو کر آجائے، اور اگر کوئی شخص اپنے مصالح کے باعث میرا ساتھ نہیں دینا چاہتا اسے حق ہے کہ وہ یہاں سے اُٹھے، اور اپنے عافیت کدے میں چلا جائے، میں نے اُسے ہر ذمہ سے آزاد کیا!"

حضرت ابن زبیر کی اس تقریر کو لوگوں نے خاموشی کے ساتھ سُنا، جب وہ تقریر ختم کر کے اپنی مسند پر بیٹھے تو بھی لوگ چپ چاپ بیٹھے رہے،

حضرت نے فرمایا،

"اگر آپ حضرات میں سے کوئی بھی میرا ساتھ دینا نہیں چاہتا تو میں آپ کو بیعت سے آزاد کرتا ہوں، میں اپنے بیٹوں تک کو بھی رخصت دے چکا ہوں!——!"

سب لوگ خاموش تھے!

لیکن ابو حاجب خاموش نہ رہ سکا،

ابو حاجب:۔ "یا امیر! ہم نے بیعت بے شک آپ کے ہاتھ پر کی تھی، لیکن خدا کو گواہ بنایا تھا، اور خدا کے لئے کی تھی،——کیا اگر ہم نقض بیعت کریں تو خدا کی بازپرس سے بھی بچ جائیں گے——؟"

حضرت ابن زبیر:۔ "اس کا علم خدا ہی کو ہے، میں کچھ نہیں کہہ سکتا،——میں صرف اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں، یعنی اپنے عزم اور ارادہ پر قائم ہوں——بہت سے لوگ مجھ سے ٹوٹ چکے ہیں، دوست بھی، ساتھی بھی، اور حد یہ ہے کہ بیٹا بھی مجھے کسی سے شکوہ نہیں، شکایت نہیں، میں کسی کا ذمہ دار نہیں، مجھ پر صرف وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس کا تعلق میری ذات سے ہے، اور بس!"

ابو حاجب:۔ "یہ آپ نے درست فرمایا، لیکن معاملہ اب تک اپنی جگہ پر قائم ہے، سوال یہ ہے کہ خدا کو خوش رکھ کر بیعت توڑ سکتے ہیں!"

حضرت ابن زبیر:۔ "اس کا جواب مجھ سے نہ لو، اپنے دل سے لو، دل سے اچھا اور مستند مفتی کوئی نہیں!"

ابو حاجب:۔" میں ان تمام حضرات کے سامنے اپنی بیعت کی تجدید کرتا ہوں، خدا کو گواہ کر کے عہد کرتا ہوں کہ میری زندگی اور موت، نماز اور روزہ، حج، اور زکوٰۃ، صرف خدا کے لئے ہے، ــــــــ میں اسی کے لئے زندہ رہوں گا، اسی کے لئے جان دوں گا!"

حضرت ابن زبیر:۔ "جزاک اللہ!"

ابو حاجب:۔" تھوڑی دیر میں ہم سن لیں گے کہ حجاج کا لشکر اپنی پوری بہیمیت اور درندگی کے ساتھ آگیا!"

حضرت ابن زبیر:۔" ہاں میری اطلاع بھی یہی ہے!"

ابو حاجب:۔" تو کیا ہمیں یونہی بیٹھے رہنا چاہیئے، کیا یہ وقت صرف باہمی گفتگو، اور صلاح ومشورت میں ضائع کر دینا چاہیئے، کیا ہم اس لئے جمع ہیں کہ حجاج کا لشکر آئے اور کھیرے، ککڑی کی طرح ہمیں کاٹ کر رکھ دے؟ ــــــــ نہیں، خدا کی قسم جب ابو حاجب زندہ ہے ایسا نہیں ہو سکے گا، میں آپ کے دوش بدوش دشمن سے لڑوں گا، ــــــــ خون کے آخری قطرہ تک، آخری سانس تک ــــــــ!"

حضرت ابن زبیر:۔" تو جاؤ، ہتھیار بند ہو کر آجاؤ!"

ابو حاجب:۔" ابھی جاتا ہوں، ــــــــ لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے؟ کیا یہ حضرات یہیں عالم مراقبہ میں بیٹھے رہیں گے؟"

حضرت ابن زبیر:۔" کوئی کسی کی طرف سے جواب نہیں دے سکتا، ہر شخص اپنے فعل، اور ارادہ کا مختار ہے ــــــــ!"

ابو حاجب:۔" دوستو، بتاؤ، تم نے کیا سوچا ہے؟ ــــــــ عزت کی موت، یا ذلت کی زندگی؟ حق کی سربلندی یا باطل کی کامگاری؟ اسلام یا اہانت اسلام؟

اب سوچنے کا وقت نہیں رہا، یہ عمل کا وقت ہے۔"

حاضرین مجلس پر سکوت چھایا رہا، کسی کی زبان نے بھی جنبش نہیں کی !

ابو حاجب :۔" دوستو ، یاد کرو، تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟"

حضرت ابن زبیر:۔" ابو حاجب، لوگوں کو تنگ نہ کرو، انہیں زبردستی اپنا ساتھ دینے پر مجبور نہ کرو، ہم کسی پر بھی دباؤ ڈالنا نہیں چاہتے۔"

ابو حاجب :۔" یا امیر، کیا میرا یہ فرض نہیں ہے کہ انہیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہوں !"

حضرت ابن زبیر:۔" صرف انہیں یاد دلا سکتے ہو جو بھول چکے ہوں، لیکن جو یاد ہی نہ کرنا چاہتے ہوں، انہیں گھول کر نہیں پلا سکتے، تم سوتے ہوئے کو جگا سکتے ہو، لیکن جو جاگ رہا ہو، اسے نہیں جگا سکتے !"

ابو حاجب :۔ میں انہیں جھنجھوڑوں گا ، انہیں آمادہ کروں گا کہ حق کو نہ چھوڑیں۔"

حضرت ابن زبیر:۔" نہیں ہم پر یہ فرض نہیں عائد ہوتا، خدا اپنے نبی آخر الزماں سے فرما چکا ہے، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ، تم ان پر داروغہ بنا کے نہیں بھیجے گئے ہو، پھر ہم دعوت کے سوا، اور کیا کر سکتے ہیں !؟"

پھر حضرت ابن زبیر نے حاضرین کو آخری مرتبہ مخاطب فرمایا،

" جاؤ، ——— یہاں سے جانے کے بعد جو تمہارا دل کہے وہ کرو، ——— جی چاہے، آخر وقت تک لڑنے کا فیصلہ کر لو، مرضی ہو تو حجاج کے پاس چلے جاؤ، اس سے معافی مانگ لو، ——— ممکن ہے وہ جاں بخشی کر دے !"

ابو حاجب :۔" جو لوگ بیت الحرام میں مجتمع ہیں، وہ بھی اس مجلس خاص کا

فیصلہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔"

حضرت ابن زبیر:۔" انہیں بھی بتادو، ان سے کہدو، کہ وہ آزاد ہیں، جو مناسب سمجھیں کریں!"

ابو حاجب:۔" ان کا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے، رخصت کی اجازت سنکر وہ ہتھیار ڈال دیں گے!"

حضرت ابن زبیر:۔" کوئی مضائقہ نہیں۔"

ابو حاجب:۔" پھر ہماری شکست یقینی ہو جائے گی!"

حضرت ابن زبیر:۔" ہو جانے دو! ــــــ کسی مسئلہ کا فیصلہ ہماری فتح و شکست سے نہیں ہوتا، کربلا کے میدان میں امام حسینؑ نے بھی شکست کھائی تھی، لیکن کیا تم انہیں شکست خوردہ سمجھتے ہو؟"

ابو حاجب:۔" ہرگز نہیں، انہوں نے اپنی جان دے کر اسلام کو زندہ کر لیا!"

حضرت ابن زبیر:۔" آج بھی اسلام پر ایک وقت پڑا ہے، کیا ہم اپنی جان دے کر اسے زندہ کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟"

ابو حاجب:۔" کر سکتے ہیں، لیکن رفقا اور ساتھی جدائی جو اختیار کر رہے ہیں؟"

حضرت ابن زبیر:۔" کیا کربلا میں بھی یہ نہیں ہو چکا ہے، ــــــ امام حسینؑ کے ساتھ کتنے آدمی تھے جو آخر وقت تک ثابت قدم رہے تھے؟"

ابو حاجب:۔" بہت کم، سو سے بھی کم!"

حضرت ابن زبیر:۔" لیکن جاں بازوں کی قلت کے باوجود انہوں نے کیا کیا؟ ــــــ کیا صلح کر لی تھی؟"

ابو حاجب :۔ "نہیں یا حضرت !"

حضرت ابن زبیر :۔ "بس تو ہم بھی اپنے چند جاں بازوں کے ساتھ میدان میں نکلیں گے، اور بتا دیں گے کہ حق قلت و کثرت، فتح و شکست، کامیابی اور ناکامی سے بالا ہوتا ہے، ـــــ لیکن یاد رکھو، آج اگر کوئی بھی حجاج کے مقابلہ کو نہ نکلا تو یہ اسلام کی زبردست توہین ہو گی !"

ابو حاجب :۔ "ہم یہ توہین نہیں ہونے دیں گے، ہم اس فرض کفایہ کو ادا کریں گے !"

حضرت ابن زبیر :۔ "شاباش، ـــــ تو اب وقت کم ہے، ـــــ میں والدہ سے رخصت ہو کر ابھی آتا ہوں، تم باہر جاؤ، اور جو چند آدمی ہمارے ساتھ جام فنا پینے پر تیار ہوں، انہیں حکم دے دو کہ وہ میدان جنگ میں بے تامل پہنچ جائیں۔"

حضرت ابن زبیر زنان خانہ میں والدہ سے ملنے تشریف لے گئے، اور ابو حاجب اپنے ساتھیوں کو جمع کرنے چلا گیا۔

مجلس برخاست ہو گئی !

---

(۴۶)

شیر دل ماں

حضرت عبداللہ ابن زبیر مجلس خاص میں سے رخصت ہوکر زنان خانہ میں تشریف لے گئے، بدن پر سلاح جنگ آراستہ تھے، وہ سیدھے اپنی والدہ محترمہ کے پاس پہنچے، والدہ کا نام اسمار تھا، یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں، وہی صاحبزادی جنہوں نے آں حضرتؐ کی ہجرت کے وقت ہمّت مردانہ کا ثبوت دیا تھا، غار ثور میں اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر بھجوایا کرتی، ابو قحافہ، ابوبکر کے والد نے جب شکایت کی کہ ابو بکر خود بھی گیا، اور اپنے ساتھ گھر کی ساری دولت بھی لیتا گیا، تو انہوں نے اپنے بوڑھے اور نابینا دادا کا ہاتھ کنکر پتھر کی ایک تھیلی پر رکھ کر تسلّی دیتے ہوئے کہا،

"نہیں دادا جان، وہ ہمارے لئے بہت کچھ مال و زر چھوڑ گئے ہیں، یہ دیکھئے!"

ابو قحافہ نے ٹٹول کر دیکھا، خوش ہوئے، اور کہا،

"تب مجھے اس کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں!"

یہی اسما ـــــ آج عمر طبعی کی منزل سے آگے نکل چکی تھیں، اگرچہ زندہ تھیں، لیکن بینائی جاتی رہی تھی، ضعف و نقاہت کا دور دورہ تھا، بڑھاپا شباب پر تھا، زندگی کا اگر کوئی سہارا تھا، تو وہی اکلوتا بیٹا،

ابن زبیر!

وہ ایک چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھیں، کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر ان کے پاس تشریف لائے، پاؤں کی آہٹ پا کر وہ سمجھ گئیں کوئی آیا ہے، انہوں نے پوچھا،

"کون ہے؟"

ابن زبیر:۔"میں ہوں آپ کا خادم عبداللہ۔"

اسما:۔"آؤ بیٹے آؤ، ——— اس وقت تم کیسے آ گئے!؟"

ابن زبیر:۔"آپ سے جہاد کی اجازت لینے آیا ہوں۔"

اسماء:۔"کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے جہاد پر جانے سے مجھے تکلیف ہوگی؟"

ابن زبیر:۔"نہیں، میں جانتا ہوں، آپ ایک مجاہد کی لڑکی، ایک مجاہد کی بیوی، ایک مجاہد کی ماں ہیں، آپ کو اس کام سے تکلیف نہیں ہو سکتی، لیکن اجازت طلب کرنا میرا فرض تھا، یہ فرض ادا کرنے حاضر ہوا ہوں!"

اسماء۔"میں بڑی خوشی سے اجازت دیتی ہوں، ——— بیٹے، قریب آ تاکہ میں تجھے کلیجے سے لگا لوں۔"

حضرت ابن زبیر ماں سے اور قریب ہو گئے، بوڑھی ماں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فرزند دلبند کو سینہ سے لگایا، کوئی چیز گڑتی ہوئی معلوم ہوئی،

اسما:۔"بیٹے یہ تیرے سینہ پر کیا چیز ہے؟"

ابن زبیر:۔"یہ زرہ ہے، لوہے کی زرہ ———!"

اسما:۔اس کے استعمال کا مقصد؟"

ابن زبیر:۔"ذاتی حفظ و دفاع، یہ تیر کو بیکار کر سکتی ہے، تلوار کا وار روک

سکتی ہے !"

اسماء۔" بیٹے تو خدا کی راہ میں قربان ہونے نکلا ہے، کہ اپنی جان بچانے کے لئے، لوہے اور فولاد کی سپر اور زرہ کا سہارا لینے !"

ابن زبیر:۔" تو کیا آپ کی رائے ہے کہ میں زرہ اتار دوں ؟"

اسماء:۔" ہاں، اگر جہاد کی نیت خالص ہے، دل میں واقعی خدا کے لئے مر مٹنے کا جذبہ ہے تو حفاظت کے اس سامان سے دستبردار ہو جا !"

ابن زبیر:۔" بہت خوب !"

یہ کہہ کر حضرت نے اسی وقت زرہ اتار کر ایک طرف رکھدی،

ابن زبیر:۔" والدۂ محترمہ میں نے زرہ اُتار دی، —— لائیے اپنا ہاتھ، دیکھ لیجئے، میرے سینہ اور تلوار کے درمیان اب کوئی چیز حائل نہیں ہو گی !"

حضرت اسماء نے اپنے ہاتھ سے بیٹے کا سینہ ٹٹولا، زرہ نہ دیکھ کر خوش ہوئیں۔

اسماء:۔" ہاں میں نے دیکھ لیا، مجھے تجھ پر فخر ہے، اب تو شوق سے جا، اور شہادت کے انعام سے سرفراز ہو۔"

ابن زبیر:۔" بڑے سخت دشمن سے پالا پڑا ہے !"

اسماء:۔" ہاں دشمن سے رحم اور رعایت کی توقع کرنا حماقت ہے !"

ابن زبیر:۔" اماں جان، دشمن حجاج ہے، جو انسانیت کا احترام کرنا بھی نہیں جانتا۔"

اسماء:۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے، میرے بچے ؟"

ابن زبیر:۔" کچھ نہیں، —— صرف یہ کہ وہ جن لوگوں کو ہلاک کرتا ہے ان کا مثلہ بھی کرتا ہے، یعنی لاش کی صورت بگاڑ دیتا ہے، ہاتھ پاؤں، اور ناک کان کاٹ

دیتا ہے !"

اسماءؓ:۔" ہاں میں جانتی ہوں، حجاج یہ سب کچھ کرتا ہے، لیکن بکری جب ذبح ہو گئی تو اسے پتہ بھی نہیں چلتا، کب اس کی کھال اُتاری گئی، کب اس کی بوٹیاں کی گئیں، کب اس کا کلیجہ نکالا گیا؟ ——— کیا تو ان چیزوں سے ڈرتا ہے؟ خائف ہے کہ مرنے کے بعد بھی تیرے جسم کو ایذا، اور اذیت دی جائے گی؟ ———؟"

ابن زبیرؓ:۔" نہیں بالکل خائف نہیں ہوں، میں نے یہ باتیں صرف اس لئے کہیں کہ آپ کو صدمہ نہ پہنچے !"

اسماءؓ:۔" میری طرف سے اطمینان رکھ، میں اپنا دل مضبوط کر چکی ہوں !"

ابن زبیرؓ:۔" اماں جان ابھی ایک صورت باقی ہے۔"

اسماءؓ:۔" وہ کیا ———؟"

ابن زبیرؓ:۔" صلح ہو سکتی ہے ——— اگر میں عبدالملک بن مروان کو خلیفہ تسلیم کرلوں تو جان بچ سکتی ہے۔"

اسماءؓ:۔" تو اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھتا ہے یا عبدالملک کو؟"

ابن زبیرؓ:۔" عبدالملک اگر برسرِ حق ہوتا، اگر اس کی حکومت اسلام کے لئے باعثِ ننگ نہ ہوتی تو میں بیعت میں اتنی دیر لگاتا؟"

اسماءؓ:۔" پھر کیا زندگی بچا کر تو حق کا سودا کرنا چاہتا ہے؟"

ابن زبیرؓ:۔" نہیں، ——— آپ کا عندیہ لینا چاہتا تھا !"

اسماءؓ:۔" کسی حالت میں بھی تو مجھے کمزور نہ پائے گا، اگر واقعی جہاد کی نیت صادق ہے، تو باتوں میں وقت نہ ضائع کر، میدانِ جنگ تیرا انتظار کر رہا ہے !"

ابن زبیر:۔" جاتا ہوں، اور پوری خوشی، پورے اطمینان کے ساتھ جاتا ہوں، ہر ہر طرح سے میں نے آپ کو آزمالیا، خدا کا شکر ہے کہیں بھی میں نے کمزوری نہیں پائی، تزلزل نہیں دیکھا، اب میں خدا کے راستہ میں بے فکری سے جان دوں گا، فکر جو کچھ تھی وہ صرف آپ کی تھی، ——— آپ کے بارے میں میں نے جو امید قائم کی تھی، بحمداللہ وہ پوری ہوئی ——— عائشہ کی بہن، ابوبکر کی بیٹی، زبیر کی بیوی، اور عبداللہ کی ماں کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، ——— اماں جان، ایک بات اور،

اسماء:۔" میں سُن رہی ہوں، کہہ کیا کہنا چاہتا ہے؟"

ابن زبیر:۔" میری شہادت کے بعد آپ کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ گرے!"

اسماء:۔" یہ وعدہ تو نہیں کرسکتی کہ آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرے گا، ہاں یہ وعدہ ضرور کرتی ہوں کہ آہ کی آواز میرے منہ سے نکلے گی۔"

ابن زبیر:۔" بس تو اب میں جاتا ہوں!"

اسماء:۔" الوداع ———!"

اور ابن زبیر عزم و اطمینان کا پیکر بنے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے!

(۴۷)

رخصت اور عزیمت

حضرت اسمار سے رخصت ہو کر، حضرت عبد اللہ ابن زبیر باہر تشریف لائے، ابوحاجب سامنے کھڑا تھا، قبل اس کے کہ آپ کچھ فرمائیں، وہ آگے بڑھا، اور اس نے عرض کیا،

"حجاج کا لشکر پہنچ چکا ہے، لشکر کی کمان خود حجاج کر رہا ہے، بس اب حملہ شروع ہی ہوا چاہتا ہے!"

حضرت ابن زبیر نے پورے استقلال اور استقامت کے ساتھ فرمایا،

"ہمیں خدا پر بھروسہ ہے، ہم آخر وقت تک لڑیں گے!"

ابوحاجب:۔ "کاش یہی جذبہ ہمارے دوسرے ساتھیوں میں بھی ہوتا!"

حضرت ابن زبیر:۔ "ابوحاجب میں دیکھ رہا ہوں، تم کچھ پریشان سے نظر آرہے ہو! ——— کیا بات ہے!؟"

ابوحاجب:۔ "نہیں حضرت، بالکل پریشان نہیں ہوں، ہاں متاسف ضرور ہوں"

حضرت ابن زبیر:۔ "کس بات پر؟ ——— کیوں؟"

ابوحاجب:۔ "ابتدا میں ہماری عزیمت کا کیا حال تھا؟ اور اب ہماری کیا

کیفیت ہے؟ پہلے ہم یکسر جوش و ولولہ تھے، اور اب تمامتر انفعال، اور حجاب، پہلے ہم حق کے لئے جان ہتھیلی پر لئے رہتے تھے، اور اب موت کے نام سے گھبرا جاتے ہیں، بس اسی بات کا افسوس ہے!"

حضرت ابن زبیر:- "جس طرح موسم میں انقلاب آتا ہے، اسی طرح مزاج اور طبیعت خیال، اور ارادے، عقیدہ اور تصوّر میں بھی انقلاب آتا ہے، لیکن یہ انقلاب دیرپا، اور مستقل نہیں ہوتا، آتا ہے اور گزر جاتا ہے، ——— یہ بھی ایک انقلاب ہے، گزر جائے گا!"

ابوحاجب:- "ضرور گزر جائے گا، لیکن کب؟ ——— جب ہمارا پرچم سرنگوں ہو چکے گا، اور دشمن فتح کا پھریرا لہرا رہا ہوگا؟"

حضرت ابن زبیر:- "یہی سمجھ لو، ——— میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اور آج آخری بار کہتا ہوں کہ داعیان حق و صداقت کبھی بھی نتائج کی پروا نہیں کرتے، وہ صرف اپنے کام کی فکر کرتے ہیں، اور اسی میں منہمک رہتے ہیں، ان کی ذمہ داری صرف اتنی ہی ہے، ——— کس نے سنا، کس نے اعراض کیا، کس نے اقرار کیا، کس نے انکار کیا، کس نے دعوت قبول کرلی، کس نے رد کردی، اس سے انہیں کوئی بحث نہیں ہوتی، ——— کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں نے دعوت کا حق ادا کردیا؟"

ابوحاجب:- "بے شک یا حضرت!"

حضرت ابن زبیر:- "تم بالکل ہراساں نہ ہو، ہم اندیشہ اور فکر سے بے نیاز ہیں۔"

ابوحاجب:- "یا حضرت مجھے فکر اس کی ہے کہ اگر ہم ناکام ہوگئے تو پھر ہماری دعوت کا کیا حشر ہوگا؟ ——— کیا حق سرنگون ہو جائے گا، اور باطل تخت کبریائی پر متمکن ہوگا؟

اس شکست میں مجھے تو یہی آثار نظر آرہے ہیں !"

حضرت ابن زبیر:۔ "تم غلط سمجھ رہے ہو، حق کبھی سرنگوں نہیں ہوتا، خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ کچلا جائے، باطل کبھی سرفراز نہیں ہوتا، خواہ کتنا ہی اقتدار و اختیار اس کی جھولی میں کیوں نہ آجائے، ——— جب امام ہمام حضرت حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش کیا تھا، تب بھی بہت سے لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے، لیکن کیا حق کی دعوت رُک گئی؟"

ابو حاجب:۔ "نہیں، ——— جاری رہی!"

حضرت ابن زبیر:۔ "تو پھر یقین رکھو، عبداللہ ابن زبیر کی گردن پر جب چھری چلے گی، تب بھی یہ سلسلہ رک نہیں سکتا، جاری رہے گا، خدائی کاموں کی تکمیل ہمارے ہاتھوں میں نہیں، خود خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے، ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے ایک ذریعہ بن جاتے ہیں، ——— ہمارے بعد دوسرا ذریعہ پیدا ہو جائے گا، ضرور ہوگا، یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ دنیا قائم ہے!"

اس اثنا میں کہ حضرت ابو حاجب سے مصروف تکلّم تھے، مسجد حرام، اور آس پاس سے بہت سے لوگ آ کر جمع ہو گئے تھے، اور حضرت کی گفتگو سن رہے تھے، ایک شخص نے کہا،

"یا حضرت، ہم نے سنا ہے کہ آپ اپنی بیعت سے لوگوں کو آزاد کر رہے ہیں، ——— کیا یہ صحیح ہے؟"

حضرت نے ذرا سے تامل کے بعد فرمایا،

"ہاں تم نے صحیح سنا ہے، ——— کسی کو اپنی طرف سے ابتلا میں ڈالنا نہیں

چاہتا، تم عاقل و بالغ ہو، خود سوچ سکتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے!"

ایک اور شخص نے کہا،

"ہم نے بیعت کی تھی کہ آخر وقت تک آپ کے پرچم تلے جنگ کریں گے، اور اس وقت تک یہ لڑائی جاری رکھیں گے، جب تک عروسِ مقصد سے ہمکنار نہ ہو جائیں۔"

حضرت ابن زبیر:- "ہاں تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے یہ بیعت کی تھی، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ارادوں میں تزلزل پیدا ہو چکا ہے، ——— کیا یہ غلط ہے؟"

وہ کہنے لگا،

"آپ کا اندازہ صحیح ہے، ——— ہم تھک چکے ہیں، پریشان ہو چکے ہیں، ہمارا حوصلہ بھی کمزور ہو چکا ہے، اب ہم میں یہ سکت نہیں کہ دشمن سے لڑ سکیں!"

حضرت ابن زبیر:- "اسی لئے تو میں نے تمہیں بیعت سے آزاد کیا ہے، ——— اب تمہارا راستہ کھلا ہوا ہے، جو چاہو کرو، صلح کرو، معافی مانگ لو، کیمپ بدل لو، جو چاہو کرو!"

ابو حاجب:- "آپ کا یہ پیام میں ان تمام حضرات تک پہنچا چکا ہوں، ———!"

حضرت ابن زبیر:- "پھر انہوں نے کیا کہا؟"

ابو حاجب:- "وہی جو آپ کے سامنے کہہ رہے ہیں، ——— یہ حجاج کو بُرا سمجھتے ہیں، لیکن اس سے لڑنا نہیں چاہتے، عبدالملک بن مروان کو غاصب سمجھتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ اس کی بیعت کرلیں، اور اس طرح اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچائیں، یہ اموی حکومت کو منہاج خلافت راشدہ سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں، لیکن بجائے اس کے کہ اس کی اصلاح کی جدوجہد کریں، عافیت اس میں سمجھتے ہیں کہ اس کی اطاعت

قبول کرلیں ــــــــ!"

حضرت ابن زبیر:- "ہر شخص اپنی رائے، اور اپنے ضمیر کا مختار ہے،
ہاں یہ تو بتاؤ، کتنے آدمی ہیں، جو ہمارے ساتھ میدان جنگ میں چلنے کو تیار ہیں؟"

ابو حاجب:- "صرف چند، ــــــــ اتنے کم کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں!"

حضرت ابن زبیر:- (مسکرا کر) "تم بھی غالباً انہی لوگوں میں ہو؟"

ابو حاجب:- "خدا سے استقامت کی دعا کرتا ہوں!"

حضرت ابن زبیر:- "تو وہ لوگ کہاں ہیں؟ ــــــــ کم از کم ہم سب کو ایک جگہ
جمع تو ہو جانا چاہئے۔"

ابو حاجب نے یہ سنکر "اللہ اکبر" کا ایک نعرہ لگایا، یہ نعرہ سنتے ہی بیت الحرام،
اور آس پاس سے چند لوگ ہتھیاروں سے لیس ہو کر حضرت ابن زبیر کے گرد جمع
ہو گئے!

(۴۸)

بے چینی!

عثمان اب تک حجاج کے لشکر میں تھا، اور خوش قسمتی سے قیدیوں کی خدمت پر مامور تھا، وہ اس ڈھب اور اس انداز سے لڑ رہا تھا کہ اس کے "چال چلن" پر کسی کو شبہ نہیں ہوا تھا، بلکہ ایک حد تک لوگ اس پر اعتماد کرنے لگے تھے، طفیل کی سرپرستی کی وجہ سے وہ بہت سی مصیبتوں سے بچ گیا تھا، اور آزادی سے اپنا کام کر رہا تھا، چابک دست ایسا تھا کہ حجاج کے خیمہ میں ایک چھوڑ دو، دو جلادوں کا صفایا کر چکا تھا، لیکن کیا مجال ہے کہ پکڑا گیا ہو، یا اس پر شبہ کیا گیا ہو، رفتہ رفتہ سلیمان کے باعث وہ قیدیوں کا ہمراز بھی بن گیا تھا، انہیں اپنے اعتماد میں لے لیا تھا خود ان کا معتمد بن گیا تھا، وہ کوشش کر رہا تھا کہ ان لوگوں کو رہا کر دے لیکن کسی طرح دال نہ گلتی تھی، کچھ اس لئے کہ قیدیوں کے خیمہ کی بڑی کڑی نگرانی ہوتی تھی اور کچھ اس لئے کہ اس کے جو دو ساتھی محافظ تھے، وہ بھی بڑے چوکس تھے، کیا مجال ہے، جو ایک منٹ کے لئے بھی ان میں سے کوئی ڈیوٹی سے غائب ہو، کئی دن اسی طرح گزر گئے تھے، اور منزل مقصود روز بروز دور سے دور تر ہوتی چلی جا رہی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، یہ گتھی کس طرح حل کی جائے، ——— جتنی جتنی دیر ہوتی جاتی تھی، اتنا اس کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا، اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا، طفیل نے اس کے لئے

کھانا تیار کر رکھا تھا، دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، پھر طفیل تو کسی کام سے باہر چلا گیا اور عثمان اپنے بستر پر لیٹ گیا، کہ نیند سے دل بہلائے، لیکن نیند نہیں آئی، آج نہ جانے کیوں بار بار عائشہ کی یاد اسے ستا رہی تھی۔

وہ کیسے کیسے وعدے کرکے آیا تھا اُس سے؟

کس کس طرح اس نے روکنے کی کوشش کی تھی؟

پھر اس لالچ میں کہ وہ سلیمان کو لے کر جلد واپس آجائے گا، اس نے سفر پر جانے کی اجازت دے دی تھی!

اور جب سے وہ آیا تھا، ایک خط بھی تو نہ لکھ سکا تھا اُسے،

کیا سمجھتی ہوگی وہ؟

کیا خیال کر رہی ہوگی وہ؟

وہ سوچتی ہوگی میں نے اسے بھلا دیا، فراموش کر دیا،

اور یہ سوچ کر وہ تنہائی میں روتی بھی ہوگی، آنسو بھی بہاتی ہوگی!

میں کس طرح اس تک پہنچوں؟ کیسے اسے اپنی محبت کا یقین دلاؤں؟ کیونکر اس کی غلط فہمیاں رفع کروں،——؟

اور اس مدّت میں اس غریب پر کیسی کیسی مصیبتیں ٹوٹی ہوں گی؟

خلیل اپنی بد معاشیوں سے ہرگز باز نہ آیا ہوگا،

نعمان کی سازشیں بھی ضرور جاری ہوں گی،

سلمیٰ کی زہر سے بھری ہوئی باتیں نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہوں، کون اس کی زبان روک سکتا ہے؟

عذرا تنہا سپر کا کام دے رہی ہو گی، لیکن کب تک؟ ——— کہاں تک؟ وہ اکیلی کس کس کا مقابلہ کرے گی؟ کس کس کے وار روکے گی؟

پھر اُسے یاد آیا، اس کی ماں ریحانہ بھی عائشہ سے کتنی بے پناہ محبت کرتی ہے، ضرور وہ اپنا سارا وقت اس کی تسلی، اور دل دہی میں صرف کرتی ہو گی، لیکن ———!

لیکن خلیل کی شرارتیں، نعمان کی سازشیں، سلمیٰ کی خباثتیں، ——— ان سب کا توڑ، اکیلی ریحانہ، یا عائشہ، یا عذرا کے پاس کہاں سے آسکتا ہے؟

یہ سوچتے سوچتے اس کا جی چاہنے لگا کہ یہاں سے پر پرواز پیدا کرکے اڑ جائے، اور فوراً اپنے قبیلہ کی سمت روانہ ہو جائے،

یہ سوچ کر وہ کھڑ بڑا کر بستر سے اُٹھ بیٹھا، کپڑے پہنے، سامان باندھا، بس صرف اتنی کسر تھی کہ سامان کو پشت پر رکھے، اور روانہ ہو جائے، یکایک اس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا، وہ سوچنے لگا،

یہ میں کیا کر رہا ہوں؟

کیا مجھے یہ کرنا چاہئے؟

یہ بات مجھے زیب دیتی ہے کہ جس نیک کام کا میں نے قصد کیا تھا اُسے چھوڑ دوں؟ اور اپنے دل، اپنے نفس، اپنی زندگی کے جھمیلوں میں پڑ جاؤں؟

کیا عائشہ مجھے اتنی عزیز ہے کہ اس کے لئے حق کو چھوڑ دوں؟

حق اور باطل کی جنگ میں حصہ نہ لوں؟ خدا کے جہاد پیشہ بندوں کی خدمت نہ کروں؟ جو لوگ خدا کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں اُتر رہے ہیں، ان کا ساتھ نہ دوں؟ پھر میں مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہوں گا؟

پھر مجھے حق ہوگا کہ اپنے تئیں انسان کہہ سکوں؟

پھر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟

نہیں، ـــــ میں ایسا نہیں کر سکتا، عائشہ ہمیشہ کے لئے چھٹ جائے، ریحانہ مرجائے، اور میں اس کی صورت بھی نہ دیکھ سکوں، خلیل، نعمان، اور سلمیٰ اپنی سازشوں میں کامیاب ہو جائیں، ـــــ یہ سب کچھ گوارا کروں گا، لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ ایسے نازک مرحلہ پر کہ حجاج کا لشکر مکّہ پر چڑھائی کر رہا ہو، داعیان حق وصداقت موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہوں، اور میں صرف اپنی فلاح کے بارے میں سوچتا رہوں،

پھر وہ بستر پر لیٹ گیا، اور سامان اس نے الگ رکھ دیا، اتنے میں گھوم پھر کر طفیل آ گیا، اس نے جو عثمان کا سامان بندھا ہوا دیکھا تو گھبرا گیا۔

طفیل:۔"عثمان یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ تمہارا سامان بندھا ہوا کیوں رکھا ہے؟ کیا تم جا رہے ہو؟"

عثمان:۔"ہاں ارادہ تو تھا، لیکن اب بدل گیا، اب نہیں جاؤں گا!"

طفیل:۔"لیکن میرے بیٹے یہ دفعتہً کیا ہو گیا تمہیں؟ ایک دم ارادہ کیوں کر بیٹھے؟ دفعتہً ارادہ بدل کیوں دیا؟"

عثمان:۔"کوئی خاص بات نہیں، والدہ کی علالت کا خیال آ گیا تھا، اس لئے سوچا چلا جاؤں!"

طفیل:۔"پھر رک کیوں گئے؟"

عثمان:۔"پھر خیال آیا، نہایت اہم ڈیوٹی پر مامور ہوں، جنگ شروع ہی ہو رہی ہے، فیصلہ ہو جائے، تب رختِ سفر باندھوں!"

طفیل :۔" نہیں اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے ؟ بوڑھا آدمی ہوں ، زمانہ کے بہت سے سرد و گرم دیکھ چکا ہوں ، ضرور کوئی ایسی بات ہے جسے تم چھپا رہے ہو ؟ ——— مجھ سے چھپاؤ گے ؟ کیا تم نہیں جانتے میں تمہیں کتنا عزیز رکھتا ہوں ؟ کیا ایک باپ اس سے زیادہ محبت کر سکتا ہے جتنی میں تم سے کرتا ہوں ؟"

عثمان :۔" آپ کی محبت اور شفقت کا دل سے قائل ہوں ، سچ پوچھئے تو اسی لئے اب تک یہاں ٹک بھی گیا ، ورنہ میں تو بالکل سیلانی آدمی ہوں ، آج یہاں کل وہاں ؟ !"

طفیل :۔" تمہارے اس خیال کا شکر گزار ہوں بیٹے ، ——— لیکن پھر کہوں گا ، تم کیا ہو ؟ یہ نہیں بتاتے ، عرصہ سے تمہیں دیکھ رہا ہوں ، تمہاری چال ڈھال دیکھ رہا ہوں ، دل نہیں مانتا کہ تم مزدور ہو ، معمولی آدمی ہو ، کیا مجھے نہ بتاؤ گے ؟ ——— صرف ایک بات کہتا ہوں ، مجھ پر اگر اعتبار کیا تو پچھتانا نہ پڑے گا تمہیں ، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا ! ——— کیا اب بھی خاموش رہو گے ——— ؟"

(۴۹)

رقیہؓ اور خلیل

——— اور ادھر، عائشہ ہجر و فراق کے غم میں تڑپ رہی تھی، جب طفیل اور عثمان میں گفتگو ہو رہی تھی، جب عثمان اس کی یاد میں اتنا بیقرار تھا کہ واپسی کا ارادہ کرنے لگا تھا، عائشہ اپنے غم خانہ میں چپ اور اداس بیٹھی ہوئی تھی، نعمان اور سلمیٰ اور خلیل ہر جتن کر کے ہار چکے تھے، لیکن وہ عائشہ کے عزم کو شکست نہ دے سکے، وہ ریحانہ، اور عذرا کے استقلال میں تزلزل نہ پیدا کر سکے، وہ کسی طرح بھی اس امر پر عائشہ کو تیار نہ کر سکے، کہ خلیل کی رفیقۂ حیات وہ بن جائے، خلیل بھی اب مایوس ہو چکا تھا، اسے عائشہ سے، اس کی سیرت سے، اس کے کردار سے، اس کے اخلاق و عادات سے محبت نہیں تھی، وہ محبت کرتا تھا اس عائشہ سے جو ایک عورت تھی، ——— اور حسین بھی تھی، ——— لیکن کیا عورتوں کی کمی تھی؟ حسین عورتیں نایاب تھیں؟ ——— پھر وہ عائشہ کے نام کا وظیفہ کیوں پڑھتا رہتا؟ پھر وہ صرف عائشہ کے لئے اپنی زندگی کیوں وقف کر دیتا؟ اگر اس کی شادی عائشہ سے ہو بھی جاتی تو وہ کیا کرتا؟ کیا زندگی بھر عہد وفا نبھاتا ———؟

کیا زندگی کی آخری سانس تک وہ عائشہ کا دم بھرتا ———؟

کیا عائشہ کے سوا وہ ہر عورت کو ماں یا بہن قرار دیتا ———؟

نہیں ــــــــ!

وہ اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے اس کا قائل ہی نہیں تھا، کہ استقلال و استقامت کے ساتھ کوئی کام کرے۔

وہ صرف وقت گزاری کا قائل تھا!

عائشہ سے شادی میں کامیاب ہو جانے کے بعد بھی وہ زیادہ سے زیادہ چند ماہ عہد وفا نباہتا، اس کے بعد پھر رنگ رلیوں میں مصروف ہو جاتا، پھر نئی نئی عورتوں کی جستجو کرتا پھر عرب دوشیزاؤں سے محبت کا سوانگ رچاتا، ان کی یاد میں اشعار پڑھتا، ان سے سہیلیوں کے ذریعہ ساز باز کرنے کی کوشش کرتا، ــــــــ! یہ تو اُس وقت ہوتا، جب عائشہ سے اُس کی شادی ہو جاتی، لیکن جب شادی نہیں ہوتی، اور اس کا کوئی امکان بھی باقی نہیں رہا تو پھر وہ کیوں عفت اور پاک دامانی کی زندگی بسر کرتا؟

جیسے جیسے وہ عائشہ سے مایوس ہوتا گیا، ویسے ویسے اس کی رنگ رلیاں بڑھتی گئیں، ویسے ویسے وہ نئے نئے عشق میں اپنے اوقات صرف کرتا رہا ــــــــ!

ماں باپ کو بھی عائشہ کی دُھن اس لئے تھی کہ خلیل نے اپنے عشق اور تعلق کا اس زور شور سے اظہار کیا تھا کہ جان کی بازی لگا بیٹھا تھا، لیکن جب وہ عائشہ کو بھولنے لگا نئی نئی دلچسپیاں پیدا کرنے لگا، تو انہوں نے اپنے لخت جگر کی حوصلہ افزائی کی، انہوں نے چاہا کہ وہ کسی سے دل لگائے، اور شادی پر آمادہ ہو جائے، ــــــــ اس لئے کہ وہ بھی سمجھتے تھے، عائشہ کا ملنا آسان نہیں، دشوار ہے، بہت دشوار، بلکہ ناممکن، وہ جانتے تھے نہ ریحانہ رام کی جا سکتی ہے، نہ عذرا، نہ سلیمان، اور نہ عائشہ؟ ــــــــ وہ تو کسی طرح قابو میں آ ہی نہیں سکتی۔

نہ بہ زاری نہ بہ زوری نہ بہ زرمی آید!

لہذا وہ یہ خبر سنکر خوش ہوتے تھے، اب خلیل عائشہ کو بھولتا جارہا ہے، اور رکھیں اور عشق و محبت کا کھیل، کھیل رہا ہے!

——— اور ایک روز ———!

جب نعمان اور سلمیٰ کو یہ اطلاع ملی، کہ خلیل نے طے کرلیا ہے کہ وہ عائشہ کا اب نام بھی نہیں لے گا، اور جس جوش و خروش سے وہ عائشہ سے محبت کرتا تھا، اب اسی زور شور سے رقیہ سے محبت کرنے لگا ہے، تو وہ بہت خوش ہوئے، اور انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اور جلد از جلد خلیل کو پابند کردینا چاہئے۔ رقیہ کے گھر والے بھی خلیل کے کردار، اور سیرت سے واقف تھے، لہذا شروع میں جب رقیہ کا پیام پہنچا تو وہ ہچکچائے، لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ اتنے بڑے داماد کو مسترد کر دیتے، اتنے بڑے گھر کو ٹھکرا دیتے، لہذا تھوڑے سے حیل و حجت کے بعد وہ راضی ہوگئے، اور نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی!

رقیہ نہ صرف عائشہ کی بڑی چہیتی سہیلی تھی، بلکہ وہ عادات و اطوار، اور اخلاق و سیرت میں بھی اس سے مشابہت رکھتی تھی، لیکن اس عزم سے محروم تھی، جو قدرت نے عائشہ کو بخشا تھا۔ اسی لئے دل سے اس رشتہ کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ نکاح کے وقت قاضی کے سامنے انکار نہ کرسکی "ہاں" کہنے پر مجبور ہوگئی، عائشہ اس کے خیالات سے واقف تھی، اس نے مشورہ بھی دیا کہ ایک عرب لڑکی کی طرح وہ جرأت سے کام لے، اور صاف الفاظ میں انکار کردے، لیکن دل سے اس مشورہ کی قدر کرنے کے باوجود وہ اس پر عمل نہ کرسکی، وہ اپنے ماں باپ کو خفا کرنا نہیں چاہتی تھی، ان کی ناراضگی مول لیتے ہوئے

ڈرتی تھی!

خلیل اس نکاح سے جتنا خوش تھا، رقیہ اتنی ہی مغموم تھی، لیکن دنیا نے خلیل کا ہنستا اور مسکراتا ہوا چہرہ تو دیکھا، رقیہ کے روتے ہوئے دل پر کسی نے توجہ نہیں کی،

تقریب سادگی سے انجام پائی، لیکن بہرحال شیخ قبیلہ کے لڑکے کی شادی تھی، سادگی نے بھی دھوم دھام، اور تزک و احتشام کی صورت اختیار کر لی، کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس نے اس تقریب میں شرکت نہ کی ہو، جس نے نعمان کو جوش و خروش کے ساتھ مبارکباد نہ دی ہو، جس نے خلیل کو اپنے امکان اور استطاعت کے مطابق تحفے نہ دئے ہوں —— ایسے موقعے روز روز تو نہیں آتے، ان میں بھی اگر دل کھول کر حصہ نہ لیا جائے تو پھر، وہ دن اور موقعہ کب آئے گا، جب دل کی حسرتیں نکالی جائیں؟

غرض مسرت کی دھوم دھام، اور مبارک سلامت کے غل شور میں رقیہ دلہن بن کر خلیل کے گھر یا دل نخواستہ پہنچ گئی، —— اس غل شور نے اس کی آہ کو دبا لیا اس کی سسکیوں کو کسی کے کان تک نہ پہنچنے دیا!

(۵۰)

رقیّہ اور عائشہ

خلیل اور رقیہ کی شادی نے ایک نئی صورت حال پیدا کردی، —— یعنی رقیہ کا گھر بھی مخالفوں کی صف میں آگیا، اب تک اس گھر سے اگر بہت گہرے تعلقات نہیں تھے تو دشمنی اور مخالفت بھی نہیں تھی، لیکن اب ہوگئی، یہ کیونکر ممکن تھا کہ خلیل جس گھر کے لوگوں سے نفرت کرے، نعمان اور سلمیٰ جس کا نام سننے سے برافروختہ ہو جاتے ہوں اس سے میل جول کا رشتہ رقیہ کا گھر قائم رکھے، چنانچہ شادی ہوتے ہی یہ رشتہ بڑی آسانی سے ٹوٹ گیا، اور چونکہ خلاف توقع نہیں تھا، اس لئے نہ دوسروں کو تعجب ہوا، نہ ریحانہ اور عذرا کو افسوس!

البتہ عائشہ کو ضرور افسوس تھا، اس لئے کہ وہ اس کی بڑی معتمد سہیلی تھی، رازدار، ہم راز، اگرچہ وہ جانتی تھی اس فیصلہ میں رقیہ کا دل نہیں شریک ہوگا۔

اور ایک روز دفعتہً مسکراتی ہوئی، تبسّم کے پھول بکھیرتی ہوئی رقیہ آگئی، اس نے ریحانہ کو سلام کیا، عذرا سے ملاقات کی، اور عائشہ کا کمرہ پوچھتی ہوئی سیدھی وہاں چلی گئی، عذرا اور ریحانہ دونوں کو حیرت ہوئی، یہ لڑکی کیسے آگئی؟ لیکن گھر آئے ہوئے مہمان کو نکالا تو نہیں جا سکتا، اور جب وہ عائشہ کے کمرہ میں پہنچی تو اسے دیکھ کر وہ دم بخود ہوگئی۔

این چہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بہ خواب

وہ اپنی آنکھیں ملنے لگی، رقیہ نے پاس بیٹھتے ہوئے کہا،

"آنکھوں میں کیا ہوا ہے جو بار بار مل رہی ہو ؟"

عائشہ نے جواب دیا،

" یقین نہیں آتا کہ تم ہی ہو، اسی لئے بار بار یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہوں!"

رقیہ اس کے گلے سے لپٹ گئی ، کہنے لگی،

" بھلا رقیہ تجھے چھوڑ سکتی ہے !"

عائشہ :-" لیکن اجازت کیسے ملی یہاں آنے کی ؟ ——— یا کوئی بہانہ کر کے آئی ہو؟"

رقیہ :-" بہانہ کر کے کیوں آتی ؟ کوئی جرم کر رہی ہوں ، کہہ کر آئی ہوں، کہ عائشہ سے ملنے جا رہی ہوں:"

عائشہ :-" یہ جرأت ——— ؟ کسی نے منع نہیں کیا؟"

رقیہ :-" صرف کہہ کر آئی ہوں ، اجازت کسی سے نہیں لی ، واپسی پر اگر کوئی اعتراض کرے گا تو سمجھ لوں گی، ——— لیکن کہا بھی ایسے تیوروں سے ہے کہ اُمید نہیں کوئی باز پُرس کرے !"

عائشہ :-" ان تیوروں سے خلیل تو ڈر گیا ہوگا، لیکن کیا دوسرے بھی ڈر جائیں گے ؟"

رقیہ :-" میں کسی کو ڈراتی سہماتی نہیں، ہاں ایک بات شروع سے ہے ، جب کسی بات کا فیصلہ کرلوں ، تو جان جائے بات نہ جائے ، یہ سب کو معلوم ہے !"

عائشہ :-" اوہو، جب یہ بات تھی تو پھر شادی کیوں کرلی ؟ انکار کیوں نہ کر دیا ؟ ——— کیا میں جانتی نہیں کہ تو اس شادی کی دل سے مخالف تھی !"

رقیہ :۔" ہاں تھی تو، اور جی بھی کئی دفعہ چاہا کہ انکار کر دوں، لیکن نہ جانے کیوں ایسا کر نہیں سکی ——— !"

عائشہ :۔" ڈر لگا ہوگا ؟"

رقیہ :۔" میں کسی سے نہیں ڈرتی، صرف یہ خیال آگیا کہ ابا کو صدمہ ہوگا، اماں کو رنج پہنچے گا، پھر یہ سوچا شادی کے معاملہ میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، آئندہ کیا ہوگا؟ لہذا کیوں نہ منظور کر کے قسمت کو خدا کے حوالہ کر دیا جائے !"

عائشہ :۔" جزاک اللہ ——— اللہ والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، بڑا اجر ملے گا اس صبر جمیل کا !"

رقیہ :۔ (مسکرا کر) " اونہہ، مذاق کرنے لگیں، ——— بھئی ہم تمہاری ایسی جرأت کہاں سے لائیں ——— ؟"

عائشہ :۔" جرأت کا کیا سوال ہے، میں نے بھی کوئی جرأت نہیں دکھائی، وہ تو کہو اماں نے میرا عندیہ سمجھ لیا، اور اڑ گئیں، ورنہ اگر وہ راضی ہو جاتیں، یا ابا زبان دے دیتے تو میں بھی کیا کر سکتی تھی ؟"

رقیہ :۔" ہاں اور کیا، ——— اچھا تم اپنا حال سناؤ !"

عائشہ :۔" اپنا حال کیا سناؤں، سب خیریت ہے، خیریت تمہاری خداوند کریم سے نیک چاہتی ہوں !"

رقیہ :۔ (مسکرا کر) " اور دیگر احوال ——— ؟"

عائشہ :۔" وہ کچھ نہیں ! ——— آگے آیت !"

رقیہ :۔" عثمان کا کوئی خط آیا ؟"

عائشہ:- "نہیں تو، ——"

رقیہ:- "کوئی خبر ملی؟ کسی اور سے کچھ پتہ چلا؟"

عائشہ:- "اور کون ہے جو ان کی خیر خبر لا کر دے، خط لکھیں گے تو وہی لکھیں گے!"

رقیہ:- "اتنے دن تو ہو گئے، —— آخر ماجرا کیا ہے؟"

عائشہ:- "کچھ نہیں، جوشیلے آدمی ہیں، ڈر یہ لگتا ہے، کہیں جہاد میں شرکت کا فیصلہ نہ کر لیں! تو کوئی کیا کرے گا؟"

رقیہ:- "ارے تم جہاد سے ڈرتی ہو! اتنی خود غرضی؟"

عائشہ:- "نہیں جہاد سے نہیں ڈرتی، موقعہ ہو تو میں خود ان کی کمر میں تلوار باندھ کر جہاد کے لئے روانہ کروں، وہ شہید بھی ہو جائیں تو اُف نہ کروں، خیال جو کچھ ہے وہ یہاں کے حالات کا ہے!"

رقیہ:- "یہاں کے حالات کا اب کیا خیال —— قربانی کا بکرا میں بن گئی میری بسینٹ پانے کے بعد اب خلیل کچھ نہیں کر سکتا!"

عائشہ:- "پھر بھی ایک تلخی، ایک بدمزگی، بلکہ دشمنی، اور عداوت کی جڑ تو پڑ گئی!"

رقیہ:- "ہاں، لیکن کچھ دن گزرنے دو، پھر یہ باتیں خواب و خیال ہو جائیں گی!"

عائشہ:- "ہاں بھئی، مجھے اللہ واسطے کی دشمنی سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے!"

رقیہ:- "لیکن مجھے ایک بات کا اور ڈر لگ رہا ہے!"

عائشہ:- "وہ کیا —— ؟ دیکھو مذاق نہیں، سچ سچ کہنا!"

رقیہ:- "ڈر یہ لگتا ہے، کہیں وہ حضرت کسی اور کو دل نہ دے بیٹھیں ——

یہ دیر کہیں اسی لئے نہ لگ رہی ہو ؟"

عائشہ :۔ (خود اعتمادی کے ساتھ) "نہیں یہ تمہارا وہم ہے !"

رقیہ :۔" ایسا نہیں ہو سکتا ——— ؟"

عائشہ :۔" قطعاً نہیں ہو سکتا ، تم عثمان کو نہیں جانتیں ، وہ خلیل نہیں ہے !"

رقیہ :۔ "یہ نہ کہو ، مرد بھی عجیب ذات ہوتے ہیں۔"

عائشہ :۔" ہوا کریں ، لیکن میرا عثمان سب سے الگ ہے ! سب سے جدا ہے ، اس کی طبیعت ، مزاج ، خیالات ، کردار ، سیرت ، ہر چیز بچپن سے دیکھ رہی ہوں ، وہ سب سے نرالا ، سب سے انوکھا ہے ، وہ بہت اچھا آدمی ہے ، اس کے بارے میں ایسا بُرا خیال قائم کر کے اپنے سر گناہ نہ لو !"

رقیہ :۔" اخاہ ، وہ اتنے بڑے ولی اللہ ہیں کہ ان کے بارے میں بدگمانی کرنے سے گناہ ہو گا ؟"

عائشہ :۔" ہاں ہو گا کیوں نہیں !"

رقیہ :۔ (جھوٹ موٹ سہم کر) "اچھا بھئی توبہ ، کان پکڑتے ہیں ، اب ایسی غلطی نہیں ہو گی !"

عائشہ :۔ (مسکرا کر) "جب وہ آ جائیں تب ان سے معافی مانگنا !"

رقیہ :۔ "تمہاری خاطر سے یہ بھی کروں گی !"

عائشہ :۔" وہ کہہ گئے تھے جلد آئیں گے ، لیکن اتنے دن گزر گئے ، ان کی طرف سے بڑی فکر ہے ! ——— خدا خیر کرے اچھے ہوں۔"

رقیہ :۔" آمین ، ——— ایک ترکیب بتاؤں ؟"

عائشہ :- "کوئی احمقانہ ترکیب سوچی ہو گی ؟"

رقیہ :- "جاؤ ہم نہیں بتاتے !"

عائشہ :- "میں پوچھ کب رہی ہوں، نہ بتاؤ !"

رقیہ :- "اچھا بتائے دیتے ہیں :"

عائشہ :- "تمہاری مرضی بتا دو :"

رقیہ :- "یہاں سے بھیس بدل کر مکہ جاؤ، اور وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ جاکر !"

عائشہ :- (غم انگیز انداز میں) "رقیہ تم تو میرا مذاق اُڑا رہی ہو، کاش تمہیں میری حالت کا اندازہ ہوتا، ایک آگ ہے جو اندر ہی اندر میرا کام تمام کئے دے رہی ہے !"

یہ کہتے کہتے عائشہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

رقیہ اس کے گلے سے لپٹ گئی، خود اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے !

"میں تو مذاق کر رہی تھی، عثمان سے اچھا آدمی چراغ لے کر ڈھونڈھو گی تو نہیں ملے گا، وہاں کچھ اُلجھنیں پیدا ہو گئی ہوں گی، اس لئے دیر ہوئی، لیکن انشاء اللہ جلد آئیں گے، بس اب مسکرا دو، ہنسو !"

یہ کہہ کر رقیہ نے گدگدی شروع کر دی، اگرچہ اب تک آنکھیں پُرنم تھیں لیکن اسے مسکرانا بھی پڑا، اور وہ ہنس بھی دی !

(۵۱)

افسانۂ غم!

انہیں افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے

سُنایا کچھ کہیں سے، کچھ کہیں سے

آج بہت دنوں کے بعد، رقیہ پھر عائشہ کے ہاں آئی تھی، دونوں سہیلیوں میں گھُل مل کے باتیں ہو رہی تھیں، رقیہ نے کہا،

"آج عذرا خالہ نہیں نظر آتیں کہاں گئی ہیں وہ؟"

عائشہ بولی،

"جب سے ریحانہ خالہ بیمار ہوئی ہیں، بلکہ جب سے خلیل کا جھگڑا اٹھا ہے وہ یہیں آکر بس گئی ہیں، کبھی کبھی گھر چلی جاتی ہیں ——— آج بھی وہیں گئی ہیں، آجائیں گی تھوڑی دیر میں!"

رقیہ:۔ "اور ان کا عثمان کی والدہ ریحانہ کا کیا حال ہے؟"

عائشہ:۔ "حال کیا پوچھتی ہو، موت سے کُشتی لڑ رہی ہیں، آج اچھی ہیں، کل بیمار، گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ، ایک تو بوڑھی ہو چکیں پھر بیٹے کی جدائی

کا غم، پھر شوہر کی بے پروائی، اور مٹر گشت کا دُکھ، ـــــ میں نے تو سنا ہے
انہوں نے کہیں شادی بھی کر لی ہے، اطمینان سے وہیں رہتے ہیں، بہانہ تجارت کا
ہے، کبھی کبھی آجاتے ہیں!"

رقیہ:- "ہاں یہ تو میں نے بھی سنا ہے، سچ ہوگا!"

عائشہ:- "ممکن ہے، ـــــ مجھے ریحانہ خالہ پر بڑا ترس آتا ہے!"

رقیہ:- "کیوں بھئی ترس کی کیا بات ہے؟"

عائشہ:- "شوہر کی طرف سے تو بیچاری خوش قسمت کبھی نہیں رہیں، ایک لڑکا
ہے، وہی زندگی کا سہارا ہے، اس کی جدائی کا غم لاکھ لاکھ ہمت کے ساتھ سہا کرتی
ہیں، لیکن بے چاری سہہ نہیں پاتیں، کسی طرح!"

رقیہ:- "ہاں یہ ہے بھی کُڑھن کی بات، ـــــ عثمان نے بھی حد کر دی،
نہ آج آتا ہے نہ کل، ـــــ نہ جانے کیا کر رہا ہے وہاں، عاشق ہوتے جب اتنا
بے پروا ہے، کہ نہ ماں کی فکر، نہ منگیتر کی پروا، اگر کہیں خیر سے حضرت عاشق نہ ہوتے
تو نہ جانے کیا گُل کھلاتے!"

عائشہ:- "نہیں رقیہ انہیں کچھ نہ کہو، وہ بڑے اچھے آدمی ہیں ضرور کوئی ایسی
ہی مجبوری ہے کہ نہ آسکے!"

رقیہ:- "اچھا مان لیا، مجبور رہیں، نہیں آسکے، ـــــ خط کیوں نہیں
بھیجا؟"

عائشہ:- "ہو گی کوئی مجبوری"

رقیہ:- "بس تمہاری انہی باتوں نے تو عثمان کو اور زیادہ بگاڑ دیا ہے!

عائشہ:۔ (ہنس کر) "انہیں کیا معلوم میں کیا کہہ رہی ہوں، ان کے بارے میں!"

رقیہ:۔ "سب معلوم ہے، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، —— بڑی سچّی بات ہے۔"

عائشہ:۔ "خدا نے چاہا تو اب آنے ہی ہوں گے۔"

رقیہ:۔ "تمہارے منہ میں گھی شکر، —— تم سے ریحانہ کی حالت نہیں دیکھی جاتی، اور مجھ سے تمہارا حال نہیں دیکھا جاتا!"

عائشہ:۔ (مسکرا کر) "کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟ میں تو اچھی ہوں!"

رقیہ:۔ "ہاں اچھّی ہو، بڑی اچھی، —— یہ پھول سا چہرہ کملا گیا ہے، آنکھوں کے آگے گڑھے پڑ گئے ہیں، چہرہ زرد ہو گیا ہے، —— کبھی آئینہ بھی دیکھتی ہو؟"

عائشہ:۔ "ہاں دیکھ لیا، —— تم نے دکھا تو دیا!"

رقیہ:۔ "اور کیا، —— مجھے تو ڈر لگتا ہے، کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ!"

عائشہ:۔ "ہاں یہی اماں بھی کہتی رہتی ہیں۔"

رقیہ:۔ "تو اپنی حالت سنبھالو، آدمی بنو۔"

عائشہ:۔ "اچھا، تمہاری نصیحت پر بھی عمل کر دیکھوں گی!"

رقیہ:۔ "تم میں یہی تو عیب ہے، ہر بات کو یونہی ٹال دیتی ہو۔"

عائشہ:۔ "پھر کیا کروں —— ؟ بتاؤ، کہو۔"

رقیہ:۔ "دل پر قابو رکھو۔"

عائشہ:۔" دل جب کسی سے محبت کرنے لگتا ہے تو بے قابو ہو جاتا ہے!"

رقیہ:۔" ہاں ہو جاتا ہے، لیکن بھلا اس طرح؟"

عائشہ:۔" اس طرح اور اُس طرح تو میں نہیں جانتی۔"

رقیہ:۔" تم تو کچھ بھی نہیں جانتیں، معلوم ہے بڑی بھولی ہو!"

عائشہ:۔" اور کیا تمہاری طرح سیانی ہوں —— ؟"

رقیہ:۔" مجھے چھوڑو، اپنی خبر لو، ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے، اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہوا۔"

عائشہ:۔" کیا ہو گا اگر مجھے کچھ ہوا، —— روؤ گی میرے اوپر؟ مجھے یاد کر کر کے!؟"

رقیہ:۔" خدا نہ کرے، ایسی باتیں کیوں منہ سے نکالتی ہو، تم نے ابھی دُنیا سے پایا کیا ہے؟"

عائشہ:۔" بہت کچھ، —— !"

رقیہ:۔" ذرا اس بہت کچھ کی فہرست ہم بھی سُنیں؟"

عائشہ:۔" غم حسرت! —— یہی سب کا حاصل ہے!"

رقیہ:۔" اونہہ یہ غم حسرت تو جشنِ مسرّت سے بدل جائے گا ایک دن، انشاءاللہ!"

عائشہ:۔" اب تو لو بس اللہ ہی سے لگی ہے۔"

رقیہ:۔" میں دیکھتی ہوں، —— آج تمہاری باتوں میں کچھ یاس کا رنگ ضرورت سے زیادہ جھلک رہا ہے، —— لیکن عائشہ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔"

عائشہ :- " یہ میں نے بھی سنا ہے بزرگوں کی زبان سے ۔"

رقیہ :- " تو غلط ہے کچھ ؟"

عائشہ :- " یہ کہنے کی جرأت کہاں سے لاؤں ؟"

رقیہ :- " تو آخر کیوں اتنی غمزدہ اور پریشان ہو کیا تمہیں عثمان کی وفاداری پر اعتماد نہیں ؟ !"

عائشہ :- " بہت ہے ، ——— اتنا ہی جتنا اپنے اوپر ہے !"

رقیہ :- " تمہیں اس کی محبت اور صداقت کا یقین نہیں ؟"

عائشہ :- " کیسے نہیں ؟ ——— اتنا ہی جتنا اس وقت دن کے ہونے ، سورج کے نکلنے ، اور پھر اس کے ڈوبنے ، اور شام کے ہونے کا ہے !"

رقیہ :- " پھر اس دل گرفتگی کا سبب کیا ہے ؟"

عائشہ :- " کچھ نہیں ، سوا اس کے کہ ،

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
اِنسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

رقیہ :- " اچھا اگر عثمان کا خط آجائے جب تو خوش ہو جاؤ گی ؟"

عائشہ :- " جب خط آئے گا تب بتاؤں گی !"

رقیہ :- " اور اگر خود عثمان آجائے ——— تب ؟"

عائشہ :- " یہ بھی اُسی وقت پوچھنا جب وہ آلیں !"

رقیہ :- " ہر بات تم اُسی وقت کے لئے اُٹھائے رکھتی ہو ، آخر اب کیا پوچھوں ؟"

عائشہ :- " موسم کا حال ، ———!"

رقیہ:- "بڑی شریر ہو، ——— اچھا بتاؤ کیسا ہے موسم؟"
عائشہ:- "بہت گرم، ——— پسینہ ہے کہ اُبلا آرہا ہے، دل ہے کہ ڈوبا جارہا ہے!"

رقیہ:- "ہاں، لیکن موسم بدلتا بھی تو ہے، گرمی کے بعد سردی بھی تو آتی ہے، خزاں کے بعد بہار بھی تو اپنا جلوہ دکھاتی ہے، دھوپ کی تپش کے بعد چاندنی کی رُت بھی تو آتی ہے۔"
عائشہ:- "کون یہ باتیں نہیں جانتا، سب کو معلوم ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔"
رقیہ:- "بس تو تمہارے دل کا موسم بھی بدلے گا۔"
عائشہ:- "ہاں یہ تو مجھے بھی یقین ہے ضرور بدلے گا!"

اتنے میں دروازہ پر کسی نے دستک دی، عائشہ نے رقیہ سے کہا،
"جاؤ تو دیکھو، کون ہے؟ میرا اُٹھنے کا جی نہیں چاہتا، ——— شاید اماں آگئی ہوں!"

رقیہ جھوٹ موٹ بگڑ کر اُٹھی،

"ذرا دیر کے لئے تو ہم آتے ہیں، جب بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا جاتا!"
یہ کہتے کہتے وہ مسکرادی، اور اس کے ساتھ عائشہ بھی!
رقیہ دروازے پر پہنچی تو اس نے دیکھا، ایک بوڑھا آدمی کھڑا ہے، پاؤں گرد سے اَٹے ہوئے، چہرے پر تکان کا اثر، رقیہ نے پوچھا،
"آپ کون ہیں؟"
وہ بولا،

" بیٹی یہ نہ پوچھو، میں کون ہوں، ——— کبھی کچھ تھا، اب تو صرف ایک چلتی پھرتی لاش ہوں !"

رقیہ کو ترس آگیا،

" کھانا لاؤں ؟ ——— پانی پئیں گے آپ ؟"

وہ بولا،

" نہیں، ——— یہ بتاؤ کیا سلیمان کا گھر ہے ؟"

رقیہ :- " نہیں، سلیمان کا نہیں، عثمان کا گھر ہے !"

وہ کہنے لگا،

" کوئی مضائقہ نہیں، مجھے یہاں بھی آنا تھا، اس کی ماں سے ملنا تھا، اچھا ہوا، پہلے میں یہیں آگیا !"

اِن باتوں پر بڑی حیرت ہوئی رقیہ کو، اس نے پوچھا،

" آپ کہاں سے آرہے ہیں ؟"

وہ گویا ہوا،

" مکّہ سے آرہا ہوں بیٹی، ——— مجھے عثمان کی ماں کے پاس لے چل، میں ایک پیام لایا ہوں وہ پہنچا دوں !"

رقیہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ خوش ہوگئی، اس نے دروازہ کھول دیا، اور کہا،

آئیے ——— آجائیے، میں آپ کو ان کی ماں سے ملا دوں !"

آگے آگے رقیہ اور پیچھے پیچھے وہ بوڑھا شخص، ——— ریحانہ تکیہ سے

ٹیک لگائے بستر پر بیٹھی تھی، آج اس کی طبیعت ذرا چاق تھی، رقیہ اس کے پاس بوڑھے کو لے کر گئی، اور کہنے لگی،

" خالہ، یہ آدمی مکّہ سے آیا ہے!"

ریحانہ خوشی سے بیتاب ہو کر بولی،

" مکّہ سے؟ ــــــ کیوں بھائی تم عثمان کو بھی جانتے ہو؟"

وہ کہنے لگا،

" ہاں عثمان کو بھی جانتا ہوں، اور سلیمان کو بھی! ــــــ انہی کا بھیجا ہوا آیا ہوں

ریحانہ سنبھل کر بیٹھ گئی، رقیہ بوڑھے کو ریحانہ کے قریب بٹھا کر جلدی سے عائشہ کے پاس آئی، اسے ایک ٹھونکا لگایا، اور کہا،

" اری اُٹھ، ــــــ دیکھ مکّہ سے ایک آدمی آیا ہے، کوئی خبر لے کر"

عائشہ کھڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، دونوں دروازے تک پہنچیں، عائشہ نے کہا،

" میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گی، تم یہاں دروازے پر کھڑی ہو جاؤ، میں تمہاری آڑ میں کھڑی ہو کر باتیں سُن لوں گی!"

رقیہ نے ایسا ہی کیا۔

ریحانہ سے اس شخص نے کہا،

" میں کوک کا رہنے والا ہوں، میرا نام منذر ہے، سلیمان سے میری دوستی ہو گئی تھی، اس کا اور میرا بہت دنوں ساتھ رہا، ــــــ"

ریحانہ:۔" سلیمان اور عثمان کی خبر بعد میں سنانا، پہلے یہ تو بتاؤ اس جنگ کا کیا ہوا، جو حضرت ابن زبیر اور حجاج کے مابین ہو رہی تھی!"

منذر:۔" وہ جنگ ختم ہو گئی"

ریحانہ:۔" ختم ہو گئی، لیکن کامیابی کس کے حصّہ میں آئی؟"

منذر:۔" ظالم جیت گیا، اور مظلوم ہار گیا!"

ریحانہ:۔" حضرت کو شکست ہوئی؟ وہ ہار گئے؟ لیکن وہ زندہ تو ہیں؟"

منذر:۔" نہیں، ــــــــ وہ شہید ہو گئے، ان کی نعش کی بے حرمتی کی گئی کئی دن تک گردن کاٹ لینے کے باوجود، ان کا جسم لٹکائے رکھا، تاکہ لوگوں پر حجاج کی دہشت قائم ہو، اور وہ عبرت حاصل کریں!"

ریحانہ:۔" آہ! ــــــــ کتنا جگر خراش سانحہ ہے، لیکن خدا کی لاٹھی بے آواز ہے، وہ ضرور اس خون ناحق کا بدلہ لے گا!"

منذر:۔" اسی اُمید پر میں بھی زندہ ہوں، میرا دل گواہی دیتا ہے، کہ یہ خون ناحق رائگاں نہ جائے گا؟

ریحانہ:۔" اب مکہ پر حجاج کا عمل دخل ہے؟"

منذر:۔" ہاں، ــــــــ اور وہ پوری بے رحمی اور شقاوت کے ساتھ، لوگوں کی جان و مال پر ڈاکہ ڈال رہا ہے!"

ریحانہ:۔" اور خدا دیکھ رہا ہے! ــــــــ!"

منذر:۔" ہاں، وہ دیکھ رہا ہے، اور اسی لئے مجھے یقین ہے کہ اموی حکومت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی!"

ریحانہ:۔" سلیمان سے تمہاری وہیں ملاقات ہوئی تھی؟"

منذر:۔" ہاں، ــــــــ وہ مکہ آیا تھا تاکہ اپنے عزیز عثمان کو ماں کے پاس

خدمت کے لئے بھیجے، اور خود مجاہدین کی صف میں شامل ہوگیا۔۔۔۔۔!"

ریحانہ:۔ (حیرت سے) "وہ مجاہدین کی صف میں شامل ہوگیا، وہ اس لئے گیا تھا؟"

منذر:۔" میں سب جانتا ہوں، ہاں وہ عثمان کو جہاد کے راستہ سے ہٹا کر اسے برداشت نہ کرسکا کہ اس کی جگہ خالی رہے!۔۔۔۔۔اُس جگہ پر خود آگیا، پھر وہ ایک دوست ابو حاجب کے مظلوم بال بچوں کی مدد کے سلسلہ میں حجاج کے لشکر میں پہنچا، وہاں اس کے ایک بے ایمان دوست عبدالمتعال نے اسے گرفتار کرلیا،۔۔۔۔۔"

ریحانہ:۔" آہ،۔۔۔۔۔وہ گرفتار ہوگیا؟"

منذر:۔" ہاں،۔۔۔۔۔میری اس کی جیل میں ملاقات ہوئی، دوستی ہوئی۔"

ریحانہ:۔" لیکن اب وہ کہاں ہے؟"

منذر:۔" ہم جیل میں تھے کہ بھیس بدل کر عثمان وہاں پہنچا۔۔۔۔۔"

ریحانہ:۔" عثمان بھی وہاں پہنچ گیا،۔۔۔۔۔وہ کیسا ہے؟"

منذر:۔" عثمان نے ہمیں عین اُس دن جب ابن زبیر اور حجاج کے لشکر میں لڑائی زور شور سے ہو رہی تھی اپنے ایک ساتھی طفیل کی مدد سے رہا کردیا۔۔۔۔۔"

ریحانہ:۔" یا اللہ تیرا شکر،۔۔۔۔۔ورنہ حجاج تم لوگوں پر نہ جانے کیسے کیسے ستم توڑتا!"

منذر:۔" ہم لوگ رہا ہو کر میدان جنگ میں پہنچے، اور شریک جہاد ہوگئے۔"

ریحانہ:۔" بہت اچھا کیا۔۔۔۔۔مجھے سلیمان سے یہی توقع تھی، اور عثمان؟

———— وہ شریک جہاد نہیں ہوا؟"

منذر :- "وہ بھی ہمارے پہلو بہ پہلو لڑ رہا تھا، ایسا بہادر لڑکا میں نے آج تک نہیں دیکھا!"

ریحانہ :- "ہاں میں جانتی ہوں، وہ بڑا جیالا، اور دلاور ہے!"

منذر :- "میں نے بھی اس کا مشاہدہ کر لیا، اُس ماں پر فرشتے رشک کریں گے جس کے پیٹ سے عثمان پیدا ہوا۔"

ریحانہ :- "تم نے سلیمان کے بارے میں نہ بتایا؟"

منذر :- "بتا چکا ہوں، وہ ہمارے ساتھ میدان جنگ میں پہنچا اور شریک جہاد ہو گیا، ———— بڑی دیر تک لڑائی ہوتی رہی، اس لڑائی میں ہم سب ساتھی بکھر گئے، کسی کو کسی کا پتہ نہ رہا۔"

ریحانہ :- "ہاں گھمسان کی لڑائی میں تو یہ ہوتا ہی ہے!"

منذر :- "لڑائی اس طرح ختم ہوئی کہ حق ہار گیا، اور باطل جیت گیا، حضرت ابن زبیر شہید کر دئے گئے!"

ریحانہ :- "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"

منذر :- "میں بھی زخمی ہوا، لیکن بچ گیا، حجاج کے غلبہ کے بعد، میں عثمان اور سلیمان کی تلاش میں نکلا، لاشوں کے ہجوم میں مجھے ایک جگہ سلیمان سسکتا ہوا نظر آیا وہ دم توڑ رہا تھا!"

ریحانہ :- (بڑے استقلال سے) "یہ نہ کہو، ———— یہ کہو وہ جنّت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا!"

منذر:۔ "ہاں، وہ جنت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا، اس کے سینہ پر میں نے خود گنا، ۲۱ زخم تھے، میں جلدی سے اس کے قریب پہنچا، اس نے مرتے مرتے مجھے وصیت کی کہ میں ریحانہ کے پاس جاؤں، اور اس سے کہدوں کہ وہ عذرا، اور عائشہ کو اپنے سے جدا نہ ہونے دے، پھر اس نے لڑکھڑاتے ہوئے الفاظ میں تاکید کی کہ میں عثمان کو تلاش کروں، اور اسے لے جاکر ریحانہ کے قدموں پر ڈال دوں!"

ریحانہ:۔ "ہاں اسے عثمان کا بڑا خیال تھا، وہ اولاد سے زیادہ اسے چاہتا تھا"

منذر:۔ "اس نے ایک اور وصیت بھی کی تھی!"

ریحانہ:۔ (بیتابی کے ساتھ) "وہ کیا ——؟"

منذر:۔ "یہ کہ عثمان اور عائشہ کی شادی ——"

ریحانہ:۔ "ہاں یہ میری بھی دلی آرزو ہے، خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا، ! —— مگر پھر تم نے اسے تلاش کیا؟"

منذر:۔ "ہاں بہن، پھر میں اس کی جستجو میں لگ گیا!"

ریحانہ:۔ "اس جستجو کا نتیجہ کیا نکلا؟ —— ملا؟"

منذر:۔ "ہاں ملا —— شہیدوں کے انبوہ میں، اس کی لاش بھی پڑی تھی، اس کے سینہ پر میں نے شمار کیا تو ۳۵ زخم تھے، ——"

ریحانہ:۔ (استقلال سے) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!"

منذر:۔ "خدا ایسا بیٹا ہر کسی کو دے، —— کتنا بہادر کتنا دلاور تھا وہ!"

ریحانہ:۔ (کانپتی ہوئی آواز سے) "ہاں وہ ایسا ہی تھا!"

منذر:۔ "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ——"

اتنے میں دھماکے کی آواز آئی، رقیہ نے بڑھ کر عائشہ کو سبنھالنے کی کوشش کی لیکن وہ دم توڑ چکی تھی!

(۵۲)

عرب عورت کا حوصلہ

عذرا ابھی تک گھر سے نہیں آئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی آگئی، وہ بالکل بے خبر تھی کہ یہاں کیا حالات رونما ہو چکے ہیں؟ وہ پہلے تو گھر میں وہ ایک اجنبی شخص، ——— منذر ——— کو دیکھ کر ٹھٹکی، پھر اسے ریحانہ کے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ آگے بڑھی، ریحانہ گم صم بیٹھی تھی، ——— ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ بات کرنا بھول گئی ہے، جیسے کسی بھولی ہوئی بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے، جیسے وہ کسی عجیب کشمکش میں مبتلا ہے، عذرا اور قریب بڑھی، اور ریحانہ کے بالکل پاس پہنچکر اس نے کہا

"بہن، ———"

لیکن ریحانہ نے کوئی جواب دیئے بغیر حیران آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، ابھی وہ مزید کچھ کہہ نہ سکی تھی کہ اس کی آواز سنکر رقیہ دوڑی ہوئی آئی، اور اس کے کلیجہ سے لپٹ گئی،

"ہائے میری عائشہ، ———!"

اور پھر وہ چیخ چیخ کر بچوں کی طرح رونے لگی!

عذرا، ریحانہ ہی کی حالت دیکھ کر چکرا رہی تھی، اس موقع پر رقیہ کو دیکھ کر، ا

عائشہ کا نام لے کر اسے روتے دیکھ کر تو اس کے اوسان اور زیادہ غائب ہو گئے، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا، اور تھرّائی ہوئی آواز سے اپنے تئیں سنبھالتے ہوئے پوچھا،

"کیا ہوا رقیہ؟! ——— عائشہ کیسی ہے؟ میں تو اسے اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی، جب میں گئی ہوں تب وہ بہت خوش تھی، مسکرا رہی تھی، ——— بولو رقیہ تم بولتیں کیوں نہیں، اور کیوں رو رہی ہو؟ خدا کے لئے جواب دو!"

عذرا نے رقیہ سے اتنی ساری باتیں کرلیں، لیکن اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ دو قدم کا فاصلہ طے کر کے سیدھی کمرہ میں پہنچ جائے، اور آنکھوں سے دیکھ لے، کیا حال ہے عائشہ کا؟ ——— وہ رقیہ کے منہ سے اس کی خیریت کی خبر سنکر اندر جانا چاہتی تھی! لیکن رقیہ نے کوئی جواب نہیں دیا! اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے، اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی، ——— عذرا نے پھر بڑی مشکل سے اپنے بکھرے ہوئے حواس مجتمع کئے اور اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے پوچھا،

عذرا:۔ "میری رقیہ، میری بچّی خدا کے لئے بتا دے، میری عائشہ کیسی ہے؟ ——— اچھی تو ہے؟ ——— زندہ تو ہے؟"

رقیہ:۔ "آہ! ——— میں نہیں جانتی، عائشہ زندہ ہے یا بیہوش ہے، یا مر گئی؟ اگر زندہ ہے بھی تو اب وہ نہیں بچ سکتی!"

عذرا:۔ "نہیں نہیں ایسا نہ کہو رقیہ، اتنا بڑا بول منہ سے نہ نکالو ——— عائشہ ابھی کیوں مرنے لگی؟ ابھی اس نے دُنیا کا دیکھا ہی کیا ہے؟ مرنے کے میرے دن ہیں، پہلے میں مروں گی، میں زندہ رہوں، اور وہ مر جائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

رقیہ :۔" ہائے میں نہیں جانتی ، وہ کس عالم میں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟ — چلئے دیکھ لیجئے، چل کر اُسے !"

عذرا :۔" نہیں میں وہاں نہیں جاؤں گی ، تو بلا لا ، کہیو ، تیری ماں بلا رہی ہے وہ فوراً بچوں کی طرح دوڑی آئے گی ؟"

رقیہ :۔" کسے بلا لاؤں ؟ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ؟"

عذرا :۔" میری بچّی تو میری عائشہ کو بلا لا ، —— جا کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے ؟ —— میری بیٹی !"

رقیہ :۔" آپ نہیں سمجھتیں ، آپ نہیں سمجھ سکتیں ، میں کچھ نہیں کہہ سکتی !"

ریحانہ اب تک خاموش تھی ، اور خاموشی سے رقیہ اور عذرا کی باتیں سُن رہی تھی ، اس طرح سُن رہی تھی ، گویا وہ کسی اور عالم میں ہے ، اب اس نے عذرا کو مخاطب کیا :

ریحانہ :۔" عذرا ، —— تمہیں ایک خوش خبری سناؤں ؟ —— ؟"

عذرا :۔ (متحیر ہو کر) "خوش خبری —— ؟ کیا عثمان کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے ؟"

ریحانہ :۔" ہاں ، —— عثمان کے بارے میں بھی اور سلیمان کے بارے میں بھی ۔"

عذرا :۔" وہ کہاں ہیں ؟"

ریحانہ :۔" جنت میں ، —— میری بہن ، عثمان میرا لختِ جگر خدا کی راہ میں قربان ہو گیا ، یہ جو سامنے بیٹھے ہیں ، یہ اس کی لاش دیکھ کر آئے ہیں ، کہتے ہیں ، وہ آخر وقت تک لڑتا رہا ، اس نے پیٹھ نہیں دکھائی ، بہت سے زخم کھائے ، لیکن سب کے سب سینہ پر ، —— کیوں مسافر ٹھیک ہے نا ؟"

منذر:۔" ہاں بہن بالکل ٹھیک ہے!"

ریحانہ:۔" اور یہ کہتے ہیں کہ سلیمان بھی لڑتے لڑتے راہ خدا میں مارا گیا، وہ بھی ہمیشہ کا جیالا، اور دلاور تھا، دشمن کے وار پر وار اپنے سینہ پر روکتا رہا، زخم کھاتا رہا، خون بہتا رہا، لیکن وہ ہراساں نہیں ہوا، اس وقت تک حق کے دشمنوں سے لڑتا رہا جب تک تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں گئی، جب تک گردن کٹ نہیں گئی، جب تک خون کا ایک قطرہ بھی باقی رہا، جب تک سانس کی ایک رمق بھی موجود رہی، ـــــــ کیوں مسافر میں غلط تو نہیں کہتی؟"

منذر:۔" نہیں بہن، ذرا بھی غلط نہیں، ـــــــ میرا آنکھوں دیکھا حال ہے میں نے ہی تو تمہیں بتایا ہے!"

ریحانہ:۔" اور حضرت ابن زبیر بھی شہید ہو گئے، ـــــــ انہوں نے سب سے زیادہ زخم کھائے، سب سے زیادہ بہادری کے ساتھ لڑے، اور انہیں ایک اور بھی اعزاز حاصل ہوا، ان کی گردن کاٹ لی گئی، اور ان کی لاش لٹکا دی گئی، حجاج سے بڑھ کر سفاک اور سنگ دل دُنیا میں پیدا نہیں ہوا، اس نے اتنے نیک، مقدس، اور پاک انسان پر یہ ظلم کیا، ـــــــ اب کیا ہوگا؟ ابن زبیر سیر جناں میں مصروف ہوں گے، اور ایک وقت آئے گا، کہ حجاج کو ان خون آشامیوں کا بدلہ ملے گا، ـــــــ کیوں مسافر؟"

منذر:۔" بے شک، جو لوگ خدا کی راہ میں لڑے، جنہوں نے خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جانیں قربان کیں، جنہوں نے روپیہ کا لالچ نہ کیا، جاگیر کی طمع نہ کی، قوت، اور اقتدار سے مرعوب نہ ہوئے، خاندان و خانماں کی پروا نہ کی، حتیٰ کہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک راہ خدا میں بہا دیا، ان سے بڑھ کر جنت کا سزاوار اور کون ہو سکتا ہے،

یہی تو وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ یہ مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو بھلا موت آسکتی ہے کہیں ؟ ایسے لوگ کہیں مٹ سکتے ہیں، یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے !"

ریحانہ:۔"سن لیا عذرا ؟"

عذرا:۔(استقلال سے) "ہاں سن لیا ـــــ مجھے فخر ہے کہ اس ثواب کی دولت اور نعمت سے میں بھی محروم نہ رہوں گی، تم بھی محروم نہ رہو گی، میرا سہاگ لٹ گیا، تمہاری کوکھ اُجڑ گئی ـــــ لیکن میری عائشہ وہ کہاں ہے ؟ وہ کیسی ہے ؟"

ریحانہ:۔" عائشہ اپنے کمرہ میں ہے"

عذرا:۔" لیکن کس حال میں ؟ ـــــ وہ تو تلوار نہیں باندھ سکتی، شریعت نے اسے ذمکلف نہیں کیا ہے، وہ تو ایک الھڑ اور نادان لڑکی ہے، کیا وہ بھی شہید ہو جائے گی ؟"

ریحانہ:۔" نہیں، وہ شہید نہیں ہوئی !"

عذرا:۔" تو پھر کیا وہ مر گئی ؟"

ریحانہ:۔" ہاں غم کا پہاڑ جب ٹوٹتا ہے، تو آدمی مر بھی جاتا ہے، بیہوش بھی ہو جاتا ہے، حواس بھی کھو بیٹھتا ہے، سب کچھ ہوتا ہے ـــــ عائشہ ایک بہادر باپ کی بیٹی ہے، حادثات پر افسوس کرنا، اور ان پر غمگین ہونا قدرتی بات ہے، لیکن ایسے بہادر باپ کی بیٹی، اتنی بزدل نہیں ہو سکتی، وہ زندہ ہے، جاؤ اسے دیکھو، اس کے منہ پر پانی چھڑکو، اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرو، ایسا نہ ہو یہ بے توجہی

اس کی جان لے لے، —— اب وہی میرا، اور تمہارا سہارا ہے!"

منذر:۔" نہیں بہن یہ نہ کہو، اصل سہارا خدا کا ہے، کسی مخلوق کا سہارا لینا ٹھیک نہیں۔"

ریحانہ:۔" ہاں بھائی میں بھٹک چلی تھی، تم نے میری آنکھیں کھول دیں، سچ کہتے ہو، اصل سہارا صرف خدا ہے، اس کے علاوہ نہ کسی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، نہ کیا جانا چاہیئے، —— یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ اس نے مجھ بوڑھی، بیمار، اور زار و نزار عورت کے دل میں صبر و شکیب کا جذبہ پیدا کیا۔"

منذر:۔"بے شک! —— لیکن کس بچی کا نام لیا تھا ابھی؟ —— ہاں یاد آیا عائشہ، غالباً وہ سلیمان کی لڑکی ہے؟"

ریحانہ:۔" ہاں! وہ سلیمان ہی کی لڑکی ہے!"

منذر:۔" اس کی خبر لو، کہیں ایسا نہ ہو خدانخواستہ اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں —— غریب کا ہے کو کبھی اتنے بڑے اور ہولناک صدمہ سے دو چار ہوئی ہوگی —— کچھ شُدبُد طب مجھے بھی آتی ہے، مجھے لے چلو وہاں، میں اسے دیکھوں گا، اسے ہوش میں لانے کی کوشش کروں گا!"

عذرا گم صم کھڑی تھی، —— بالکل خاموش ——!

ریحانہ میں اُٹھنے کی سکت نہ تھی، ——!

رقیہ آگے بڑھی، اور منذر کو لے کر اندر چلی گئی، —— عذرا اب بھی اپنی جگہ بر یکسر اضطراب و التہاب اور سکون و استغراق بنی کھڑی تھی!

لیکن نہ جانے کس طرح یہ خبر آناً فاناً سارے قبیلہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی!

اِس خبر کے سُنتے ہی قبیلہ کے لوگ عثمان کے گھر کی طرف دَوڑ پڑے، حد یہ ہے کہ اِن آنے والوں میں نعمان بھی تھا، سلمیٰ بھی تھی، اور ——— خلیل بھی تھا!

یوں تو عثمان کے گھر سے بھی لوگوں کو تعلق خاطر تھا، لیکن سلیمان کی تو سارا قبیلہ عزت کرتا تھا، وہ اگر چاہتا تو نعمان کے مقابلہ میں بڑی آسانی سے شیخ قبیلہ بن سکتا تھا، اگر اس کا اور نعمان کا مقابلہ کسی بات پر ہوتا تو خود نعمان کو بھی یقین تھا، قبیلہ والوں کی بہت بڑی اکثریت اس کا ساتھ نہ دیتی، اور سلیمان کے ساتھ مل کر زندگی کی بازی لگا دیتی، یہی وجہ تھی کہ نعمان سلیمان کا ہمیشہ پاس و لحاظ کرتا رہا، اور ایک بھائی کی طرح اس کی عزت کرتا رہا!

یہ حادثہ کچھ اس طرح اور اچانک پیش آیا تھا کہ دوست اور دشمن، حامی اور مخالف، حلیف اور حریف سب ہی جمع ہو گئے تھے!

سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی،

یہ صدمہ عذرا، اور عائشہ کا نہیں سارے قبیلہ کا ہے!

یہ غم کسی ایک گھر سے تعلق نہیں رکھتا، یہ وہ غم ہے جس نے قبیلہ کے ہر فرد کو نڈھال اور سوگوار کر دیا تھا۔

خلیل اپنی دشمنی فراموش کر بیٹھا تھا، وہ اور لوگوں کی طرح گھر کے باہر میدان میں نہیں بیٹھا رہا، اس نے رقیہ کو آواز دی، اور بے تکلّف گھر میں داخل ہو گیا، ریحانہ اور عذرا دونوں کے لئے بہر حال وہ لڑکے ہی کی حیثیت رکھتا تھا، ——— کوئی بھی اسے روک نہ سکا۔

(۵۳)

عفو تقصیر

کافی رات گزر چکی تھی، خلیل اپنے خیمہ میں بیتابانہ ٹہل رہا تھا۔

شاید وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اسی طرح ٹہلتے ٹہلتے اسے جب بڑی دیر گزر گئی تو اسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سی محسوس ہوئی، وہ خیمہ کے دروازے پر پہنچا، سفید چادر میں لپٹی ہوئی ایک عورت اندر داخل ہوئی!

خلیل نے کہا،

"رقیہ بہت دیر کردی تم نے، ——— کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، ——— کسی دوسرے کی حالت بھی سمجھا کرو!"

رقیہ:۔ "کسی دوسرے کی حالت سمجھتی نہ ہوتی تو ایسے ناوقت گھر چھوڑ کر باہر کیوں جاتی!"

خلیل:۔ "ہاں رقیہ میں دل سے تمہارا شکرگزار ہوں۔"

رقیہ:۔ (مسکراکر) "بس خالی شکرگزار ہے ——— ان میٹھے بولوں کو لیکر

میں کیا کروں گی ؟"

خلیل :۔" تو تم کیا چاہتی ہو ؟ جو مانگو گی وہ پاؤ گی ، لیکن پہلے یہ تو بتادو ، مجھے وہ چیز ملی یا نہیں ، جس کے لئے میں اتنا بیکل اور بیقرار ہو رہا ہوں ——— ؟"

رقیہ :۔" سچ مچ ——— ؟"

خلیل :۔" ہاں رقیہ تم نہیں جانتیں میرا حال کیا ہو رہا ہے ، ضمیر کی ملامت مجھے سونے نہیں دیتی ، اس نے مجھ پر خواب و خور حرام کردیا ہے ، مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگی ہے !"

رقیہ :۔" اگر سچ کہتے ہو تو پھر ایسا کیا کیوں تھا ؟"

خلیل :۔" آدمی ہوں ، اور بھول چوک آدمی ہی سے ہوتی ہے !"

رقیہ :۔" لیکن جس سے بھول ہوتی ہے ، وہ توبہ بھی تو کرتے ہیں ، کفارہ بھی ادا کرتے ہیں ، تلافی کی صورت بھی تو نکالتے ہیں ۔"

خلیل :۔" میں ان سب باتوں کے لئے تیار ہوں ، توبہ کر چکا ، اور میری توبہ کا گواہ کوئی انسان نہیں خدا ہے ، ——— کفارہ کے لئے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کر سکتا ، رہی تلافی تو جو کہو ، اس کے لئے مجھے آمادہ اور تیار پاؤ گی !"

رقیہ :۔ (ہنسی سے) " ہٹو بھی لگے باتیں بنانے !"

خلیل :۔" رقیہ میرا مذاق نہ اڑاؤ ، مجھ پر رحم کرو !"

رقیہ :۔" یا الٰہی ، ——— آخر تم چاہتے کیا ہو ؟"

خلیل :۔" معافی ، ——— صرف یہی چیز میرے زخم کا مرہم بن سکتی ہے ، ——— میں نے عائشہ کو سمجھا نہ تھا ، میں ہوس کا بندہ تھا ، سمجھ بھی نہیں سکتا تھا ، واقعی وہ سیرت ،

اور کردار کی اُس بلندی پر فائز ہے، جہاں تک مرد بھی نہیں پہنچ سکتے!"

رقیہ :۔ "شروع کردیں خوشامدیں!؟"

خلیل :۔ "یہی سمجھ لو، لیکن مجھے عائشہ سے معافی دلادو، ـــــ مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگی ہے!"

رقیہ :۔ "میں نے تم سے زیادہ پُرزور الفاظ میں یہی بات عائشہ سے کہی تھی!"

خلیل :۔ (سراپا اشتیاق بن کر) "تم نے کہا تھا اُس سے؟"

رقیہ :۔ "ہاں کہا تھا!"

خلیل :۔ "پھر اس نے کیا کہا؟ ـــــ معاف کر دیا؟"

رقیہ :۔ "ہاں معاف کر دیا!"

خلیل :۔ "سچ کہو، رقیہ مجھے یقین نہیں آتا!"

رقیہ :۔ "کیوں یقین نہیں آتا، کبھی میں تم سے جھوٹ بولی ہوں؟"

خلیل :۔ "کبھی نہیں! ـــــ!"

رقیہ :۔ "تو پھر میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟"

خلیل :۔ (بے کسی سے) "کروں یقین؟ مان لوں سچ کہہ رہی ہو؟"

رقیہ :۔ "آخر کس طرح تمہیں یقین دلاؤں؟"

خلیل :۔ "مجھے عائشہ کے پاس لے چلو، وہی الفاظ جو اس نے تم سے کہے ہیں مجھ سے کہلوادو، ـــــ یہ نہیں تو کم از کم میرے سامنے کہلوادو!"

رقیہ :۔ "ممکن ہے کبھی اس کا موقع آجائے، لیکن ابھی نہیں، ـــــ قطعاً نامناسب ہے!"

خلیل :- (مایوس ہو کر) "تو میں یقین بھی نہیں کرتا!"

رقیہ :- "نہ کرو، ——— تمہیں اختیار ہے!"

خلیل :- "نہیں رقیہ یہ نہ کہو، یہ سہارا مجھ سے نہ چھینو!"

رقیہ :- "تو پھر آخر کیا کروں؟ ——— کہتی ہوں تو مانتے نہیں، چپ رہتی ہوں تو بیٹھنے نہیں دیتے، آخر کوئی تدبیر بھی ہے تمہیں مطمئن کرنے کی ——— ؟"

خلیل :- "ہے، ——— وہی جو میں نے بتائی تھی، جسے تم نامناسب کہہ رہی ہو، ——— اچھا یہ بتاؤ، ——— تم سے کیا گفتگو ہوئی عائشہ سے ——— دیکھو سچ سچ کہنا،!"

رقیہ :- "میں نے عائشہ سے کہا، خلیل نے جب سے عثمان کی شہادت کی خبر سُنی ہے اور تمہارے صبر و استقامت کا جلوہ دیکھا ہے، اس پر ندامت کی کیفیت طاری ہے، اسے کسی پہلو قرار نہیں، اس کی صرف ایک تمنا ہے، یہ کہ اسے معاف کردو، اسکی گزشتہ ننگ انسانیت حرکتوں کو فراموش کردو!"

خلیل :- "یہ سب سنکر کیا کہا عائشہ نے!"

رقیہ :- "کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہی، ———"

خلیل :- "اسی کا مجھے اندیشہ تھا، وہ مجھ سے بہت خفا ہے، اور ہونا بھی چاہئے۔"

رقیہ :- "پہلے تو وہ خاموش رہی، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، تم کہدینا، میرے دل میں کسی کے خلاف نفرت نہیں ہے۔"

خلیل :- "میں کسی کو نہیں پوچھتا، میں تو اپنے بارے میں پوچھتا تھا!"

رقیہ :- "بالکل یہی بات میں نے کہی، پھر وہ رندھی ہوئی آواز سے بولی،

میں خلیل سے بھی نفرت نہیں کرتی !"

خلیل :۔" رقیہ رقیہ تمہیں خدائے واحد کی قسم ہے سچ کہو۔"

رقیہ :۔" میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں، کہ اس نے یہی کہا تھا۔"

خلیل :۔" اب میں مطمئن ہو گیا، اب میرے دل کا بوجھ اُتر گیا، اب میں خوش ہوں ——— مجھے یہی نعمت چاہئے تھی، سو خدا کا شکر ہے مل گئی، ——— اور رقیہ میں نے تم سے ایک بات اور بھی تو کہی تھی، اُسے بھول گئیں ؟"

رقیہ :۔" نہیں، ——— میں نے وہ بھی کہدی تھی۔"

خلیل :۔" پھر اس کا جواب کیا دیا ؟

رقیہ :۔" منظور کر لیا !"

خلیل :۔ کیا کہا تھا تم نے ؟ ——— ایک ایک لفظ دوہراؤ میرے سامنے۔"

رقیہ :۔" میں نے کہا تھا، خلیل کا کہنا ہے، میری محبت کا آغاز ہوس سے ہوا تھا، اختتام خلوص پر ہوا ہے، میں نے چاہا تھا کہ عائشہ کو اپنا بنا لوں، خود اس کا بن جاؤں اب مانتا ہوں کہ میں اس قابل نہ تھا، عائشہ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے ٹھکرا دیا، یہ بھی میری توہین نہ تھی عزت افزائی تھی، ——— لیکن میری طرف سے عائشہ سے کہنا، اپنی تمام عصیاں شعاریوں کے باوجود، میرا جی چاہتا ہے کہ میں عائشہ کا بھائی بن جاؤں، ——— میں جانتا ہوں، میں اس قابل بھی نہیں، اگر عائشہ مجھے پھر ٹھکرا دے، اور صاف صاف کہدے کہ بھائی کا رشتہ مقدس رشتہ ہوتا ہے، مجھے یہ عزت نہیں مل سکتی تو مجھے ذرا بھی شکوہ نہیں ہوگا !"

خلیل :۔" تم نے یہ سب کچھ کہدیا، اور وہ سُنتی رہی ؟"

رقیہ:۔" ہاں ایک ایک لفظ!"

خلیل:۔" پھر کیا کہا اس نے؟ کیا جواب دیا!؟

رقیہ:۔" اس نے بڑی اچھی بات کی، اس نے کہا یہی تو مجھ میں اور ان میں اختلاف تھا، جو وہ چاہتے تھے، میں نہیں مان سکتی تھی، جو میں سمجھتی تھی اسے وہ قبول نہیں کرتے تھے، ـــــ اس پر میں نے کہا، عائشہ تم تو پہیلیاں بجھوانے لگیں، میں نہیں سمجھی کیا کہہ رہی ہو تم؟"

خلیل:۔" ہاں یہ باتیں تو میری سمجھ میں بھی نہیں آئیں۔"

رقیہ:۔" اس کے ہونٹوں پر ایک سوگوار تبسّم مچلنے لگا، اس نے کہا، میں تو ہمیشہ سے انہیں بھائی ہی سمجھتی ہوں، اب اگر وہ بھی مجھے بہن سمجھنے لگے ہیں تو اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے ـــــ"

خلیل:۔ (سرخوشی کے عالم میں)" واقعی ـــــ؟ یہی کہا عائشہ نے؟"

رقیہ:۔" میں بالکل اسی کے الفاظ دوہرا رہی ہوں، ـــــ بلکہ اس نے ایک بات اور بھی کہی۔"

خلیل:۔" کہہ ڈالو جلدی سے اسے بھی، ـــــ اور کیا کہا تھا اس نے؟"

رقیہ:۔" اس نے کہا تھا، ـــــ عثمان کے بعد دنیا میں میرا کوئی سہارا نہیں رہ گیا تھا، لیکن اگر مجھے بھائی مل جائے تو میں سمجھ لوں گی میرے پاس ابھی ایک اور بہت بڑا سہارا ہے!"

خلیل:۔ (آہ سرد بھر کر)" آہ، ـــــ کیا دل ہے، کیا ظرف ہے، کیا عالی حوصلگی ہے، ـــــ رقیہ جب عائشہ کے کردار سے اپنے کردار کا موازنہ

کرتا ہوں تو جی چاہتا ہے، زمین پھٹ جائے، اور میں اس میں سما جاؤں، ـــــــ کیا تم نے اتنی عالی حوصلہ، اور عالی ظرف عورت دیکھی ہے دُنیا میں ؟"

رفیہ:۔" نہیں، ـــــــ اور عائشہ یہ بھی کہہ رہی تھی، اُن سے کہہ دینا، اپنے آپ کو کمتر اور ہیچ نہ سمجھیں، یہ بھی بہت بڑی بڑائی ہے کہ انسان اپنی غلطی محسوس کرلے، اور اس کا اعتراف کرلے، ـــــــ مجھے خوشی ہے، کہ انہوں نے اپنی غلطی محسوس بھی کرلی، اور اس کا اعتراف بھی کرلیا !"

خلیل رفیہ کی باتیں سُنتے سُنتے خاموش ہو گیا۔

رفیہ نے اسے نگاہ اُٹھا کر دیکھا، اور بے ساختہ بول پڑی ـــــــ،

" ارے تم رو رہے ہو ـــــــ ؟!"

خلیل نے آنسو پونچھ لئے۔

رفیہ نے کہا،

" ایسے اچھے اور خوشی کے موقعہ پر بھلا رونا چاہئے تمہیں ؟"

خلیل :۔" نہیں میں بہت خوش ہوں، بے انتہا مسرور ہوں، یہ آنسو خوشی کے آنسو ہیں، اور میں ان آنسوؤں کو بہت گراں مایہ اور قیمتی سمجھتا ہوں، ان آنسوؤں نے میرے دامن کے دھبّے دُور کر دئے، ان آنسوؤں نے میرے قلب کا زنگ صاف کر دیا، ان آنسوؤں نے میرے کردار کا کھوٹ، اور میری سیرت کا میل دھو دیا، اب میں پاک ہوں، صاف ہوں، ـــــــ اب تک میں عائشہ سے آنکھ نہیں ملا سکتا تھا، اب ملا سکتا ہوں، اب تک میں اس سے بات نہیں کر سکتا تھا، اب کر سکتا ہوں، اس نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے، ایک نئی ہمت دی ہے، ایک نئی

رُوح دی ہے، میں اس کا شکرگزار ہوں، اور جب تک زندہ ہوں، شکرگزار ہی رہوں گا، ——— لیکن رقیہ میری ایک تمنّا اور ہے!"

رقیہ:۔" میں نہیں جانتی تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

خلیل:۔" ایک مرتبہ میں اس سے مل لیتا، ——— صرف ایک مرتبہ!"

رقیہ:۔" آخر کیوں؟ کس لئے؟"

خلیل:۔" تاکہ وہ دیکھ لیتی کہ واقعی میری آنکھوں میں آب تقدس ہے، میری نگاہ پاک ہے!"

رقیہ:۔" اس کا اسے یقین ہے۔"

خلیل:۔" تم نے کیسے جانا؟"

رقیہ:۔" میں نے کہا تھا، کبھی کبھی اگر خلیل میرے ساتھ آجایا کریں، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ ——— کہنے لگی، بہن کا دروازہ بھائی پر کبھی بند نہیں ہوتا! ——— بھائی کو آنے سے کون روک سکتا ہے!"

خلیل:۔" دیکھا رقیہ تم نے میری بہن کو!"

رقیہ:۔" بہن کو تو ہمیشہ سے دیکھ رہی ہوں، بھائی کو بھی آج دیکھ لیا۔

خلیل مسکرادیا!

---

(۵۴)

اور آخر کار!

جب سے عثمان کی خبر شہادت عائشہ کے کانوں میں پہنچی تھی، اُسے چُپ لگ گئی تھی، وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی، نہ کسی سے ملتی تھی، نہ بات کرتی تھی، اب عائشہ کی دَو مائیں تھیں، عذرا اور ریحانہ، یہ دونوں عاجز آگئیں اس کی دل دہی کرتے کرتے، لیکن اس کی چُپ کو نہ توڑ سکیں، اس کی چھنی ہوئی مسرت واپس نہ دے سکیں، یہ دونوں جب بہت زیادہ اس کے پیچھے پڑتیں تو وہ خاموشی کا قفل توڑ کر صرف ایک بات کہتی،

"میں اچھی ہوں، زندہ ہوں، کھاتی ہوں پیتی ہوں، اب اس سے زیادہ آپ کیا چاہتی ہیں؟"

عذرا اسے گلے سے لگا کر کہتی،

"میری بچی، میں چاہتی ہوں تو خوش رہے، ہنسے، کھیلے، تیری ابھی عمر ہی کیا ہے؟ —— تو نے ابھی دُنیا کا دیکھا ہی کیا ہے ——؟"

اور پھر ریحانہ بول پڑتی،

"میری جان، میری زندگی، ہم تو اپنی زندگی تیر کر چکے، تیری زندگی کا تو ابھی

آغاز ہے ، یوں چپ رہے گی تو کچھ ہو جائے گا تجھے، تیری زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی میری بچی اپنے آپ کو سنبھال، اپنے اوپر رحم نہیں کرتی تو اپنی بوڑھی ماں عذرا، اور بوڑھی خالہ ریحانہ پر رحم کر۔"

وہ کہتی،

" اماں کہتی ہیں، ابھی تو نے دُنیا کا دیکھا کیا ہے؟ ——— میں کہتی ہوں، جو کچھ میں نے دیکھ لیا، اس کے بعد کچھ دیکھنے کی ہوس ہی نہیں رہ گئی ہے، آپ کہتی ہیں خالہ، میری زندگی کا ابھی آغاز ہے ———"

ریحانہ :۔" ہاں میری بیٹی، اور کیا، آغاز ہی تو ہے !"

عائشہ :۔" ہو گا، آغاز ہی ہو گا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آغاز اور انجام ساتھ ساتھ نمودار ہوتے ہیں !"

یہ عجیب اور حسرت آمیز باتیں سنکر عذرا پچھاڑیں کھانے لگتی، ریحانہ اپنے ضبط و وقار کے با وجود بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہتی، لیکن عائشہ پھر چپ ہو جاتی، وہ کوئی بات نہ کرتی، کسی بات کا جواب نہ دیتی ———!

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا، رقیہ آجاتی، گھنٹوں، اور پہروں اس کے پاس بیٹھتی، بعض دفعہ کئی کئی دن اس کے پاس رہ جاتی، کبھی کبھی خلیل بھی آجاتا، وہ بھی رقیہ کے ساتھ پہروں اس کے پاس بیٹھتا، سمجھاتا، دلاسا دیتا، ہمدردی کا اظہار کرتا، نعمان اور سلمیٰ بھی کچھ رقیہ اور خلیل کی خاطر سے، کچھ سلیمان، اور حسان سے تعلقات کے باعث آتے، بیٹھتے، رہتے، اور عائشہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے، لیکن ان ہمدردوں کی ہمدردانہ اور مخلصانہ باتیں بھی، اس کے زخم دل کا مرہم نہ بن سکتیں،

وہ سب کی سُنتی، اور خاموش رہتی، ——— یہی خاموشی اس کا روگ بن گئی تھی، لوگ کہتے تھے، اگر یہی حال رہا، تو یہ زندہ نہیں بچے گی، مرجائے گی، گزرجائے گی اس دُنیا سے ———!

اور جو کچھ لوگ کہتے تھے، وہی ہوا، ایک دن، عائشہ کی طبیعت زیادہ بگڑی، بگڑتی ہی چلی گئی، اور تھوڑی دیر میں وہ اس دُنیا سے ناکام و نامراد رخصت ہوگئی!

——— جب سے وہ ریحانہ کے ہاں اُٹھ آئی تھی، اسی کمرہ میں رہتی تھی، جہاں عثمان رہا کرتا تھا، جب اس کی حالت بگڑی اور دم شماری ہونے لگی تو رقیہ نے اس کے سینہ پر سر رکھدیا، اور رونے لگی، عائشہ نے اپنے کمزور ہاتھ اس کے سر پر رکھے، اور آہستہ آہستہ سہلانے لگی، رقیہ نے کہا،

"عائشہ ———"

اور وہ پھر رودی،

عائشہ نے کمزور آواز میں کہا،

"رقیہ، میں اب اس دُنیا سے رخصت ہو رہی ہوں، اماں اور خالہ سے کہتے مجھے شرم آتی ہے، تم سے کہتی ہوں، مجھے یہیں اسی جگہ دفن کرنا ———!"

رقیہ سمجھ گئی، یہ تمنا کیوں ہے ؟ ——— کہنے لگی،

"ہاں میں سمجھ گئی، جو تو کہتی ہے، وہی ہوگا، عثمان بھی تو یہیں رہا کرتا تھا!"

عائشہ کی آنکھوں میں یہ سنکر چمک پیدا ہوگئی، سوکھے اور مرجھائے ہونٹوں پر تبسّم آیا، اور اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گردن ڈال دی!

رقیہ چیخ پڑی! ——— اس کی چیخ سنتے ہی خلیل، جو باہر بیٹھا ریحانہ اور عذرا سے

باتیں کر رہا تھا، دوڑا دوڑا آیا، اس نے ایک نظر میں سب کچھ سمجھ لیا، اس نے رقیہ سے کہا،

"آہ، ——— یہ کیا ہوا رقیہ! ——— عائشہ رخصت ہوگئی؟!"

اور یہ کہتے کہتے وہ بھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا!

تھوڑی ہی دیر میں قبیلہ کے سارے مرد و زن جمع ہوگئے، ہر شخص کی زبان پر عائشہ کی سچّی، اور پاک محبت کا تذکرہ تھا، ایک آدمی نے اس کی پاک اور سچی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا،

"سچی محبت کا کرشمہ دیکھو، یہ ہوس پرستوں کو بھی انسان بنا دیتی ہے، دیکھ لو وہ خلیل جا رہا ہے، کیا یہ وہی خلیل ہے جو آج سے پہلے تھا ——— ؟"

اتنے میں عائشہ کا جنازہ باہر نکلا، اور سب اس کے ساتھ ہو لئے ———!